برصغیر کے عظیم سیرت نگار کے احوال و آثار پر مبنی پہلا مبسوط تذکرہ

علامہ محمد نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت نگاری

تحقیق

میاں محمد ندیم

ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس

پروگریسو بکس

علامہ محمد نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت نگاری

مصنف

میاں محمد ندیم قادری

باراول	نومبر 2017
پرنٹرز	آصف صدیق، پرنٹرز
سرورق	النافع گرافکس
تعداد	600/-
ناشر	چوہدری غلام رسول ۔ میاں جواد رسول میاں شہزاد رسول
قیمت	450/= روپے

ملنے کے پتے

ملت پبلی کیشنز
فیصل مسجد اسلام آباد Ph: 051-2254111
E-mail: millat_publication@yahoo.com

اسلام بکڈپو
۱۲۔ گنج بخش روڈ لاہور فون 042-37112941 0323-8836776

شوروم ملت پبلی کیشنز دوکان نمبر 5- مکہ سنٹر نیو اردو بازار لاہور 0321-4146464
Ph: 042-37239201 Fax: 042-37239200

سلطان کتاب گھر اینڈ جنرل سٹور
رشید پلازہ ڈرجانہ روڈ پیر محل
Ph: 046-3361841, 0300-8793841

جامعہ اسلامیہ انوار مصطفیٰ
ذیشان کالونی، کمالیہ 046-3414525

پروگریسو بکس
یوسف مارکیٹ ○ غزنی سٹریٹ
اُردو بازار ○ لاہور
فون 042-37124354 فیکس 042-37352795

فہرست

O —— O —— O

تقریظ

مبنی بر ہدایات رویوں کو فروغ دینے اور ان کو صحیح خطوط پر استوار کرنے کے لئے اگر کسی ذات وشخصیت کی زندگی بطور اسوۂ حسنہ صحیح رہنمائی دے سکتی ہے تو وہ صرف اور صرف حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات طیبہ ہے اور اس کو سمجھنے کے لئے سیرت مقدسہ کا مطالعہ ناگزیر ہے۔

جب مطالعہ سیرت کی ضرورت واہمیت پر بات کی جاتی ہے تو دو مختلف ضرورتیں اور اہمیتیں سامنے آتی ہیں۔ ضرورت واہمیت کی ایک سطح مسلمانوں کے لئے اور دوسری سطح غیر مسلموں کے لئے ہے۔ مسلمان جن اسباب ومحرکات کی بنیاد پر سیرت رسول عربی کا مطالعہ کرتے ہیں، ان کی نوعیت اور ہے، جبکہ غیر مسلموں کے مطالعہ سیرت کے وقت دوسرے امور پیش نظر ہوتے ہیں۔

سیرت نگار حضرت علامہ محمد نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف زوایا حیات کے طبقات کی ضرورتوں اور رجحانات ومیلانات کو ملحوظ رکھتے ہوئے ''سیرت رسول عربی'' کو زیور ترتیب سے مزین کیا۔ مصنف کمال مہارت کا مظاہرہ کرتے ہوئے عامۃ الناس کی سطح سے لے کر متخصصین کی سطح تک کے ہر قاری کی تشفی کا اہتمام کرتے نظر آتے ہیں۔ مزید برآں جس حسن وخوبی سے ایجاز و اختصار اور جامعیت سے گلدستہ سیرت رسول سجایا ہے، یہ موصوف ہی کا خاصہ ہو سکتا ہے۔

سیرت نگاری میں ضخامت کی روایت سے ہٹ کر یک جلدی تصنیف کی ابتدا بھی علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ نے کی، جس کی وجہ سے مطالعہ سیرت میں ایزاد اور عامۃ الناس کی رسائی میں وفرت ہوئی۔ جس کا بین ثبوت یہ ہے کہ موصوف کی تصنیف لطیف کی اشاعت کا تسلسل جاری وساری ہے۔

ایسے نابغہ روزگار کی شخصیت وخدمت کو منظر عام پر لانا، ایک نہایت ہی سعادت مندی کا کام ہے جو محمد ندیم القادری کا مقدر بنا۔

عزیزم نے نہایت عمیق نظری اور عرق ریزی سے اس فریضہ کو انجام دیتے ہوئے، سیرت نگار اور اس کی تصنیف کے پوشیدہ گوشے منکشف کیے۔ اللہ تعالیٰ اس مساعی جمیلہ کو اپنی بارگاہ بے کس پناہ میں شرف باریابی عطا فرمائے۔ آمین۔

پروفیسر ڈاکٹر ظہور احمد اظہر



علامہ نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ پیکرِ علم و عشق

نسبت روحانی کا حامل ہونا ہی کوئی معمولی بات نہیں چہ جائے کہ کوئی اس نسبت روحانی کا پاس دار اور پاسبان بھی ہو، حضرت علامہ نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ اپنے معاصرین کی صف میں اس اعتبار سے بھی منفرد و ممتاز ہیں کہ قدیم اور جدید علوم پر آپ کو مہارتِ تامہ حاصل تھی اور عصری شعور سے آپ کامل طور پر بہرہ ور تھے۔ ایک طرف گورنمنٹ کالج لاہور کے شعبہ عربی سے بطور استاد وابستگی اور دوسری طرف مرکزِ علم و حکمت دارالعلوم نعمانیہ کی نظامت اور مسندِ تدریس پر فائز ہونا آپ کے کمالاتِ خفی و جلی کا آئینہ دار ہے۔

ایک طرف سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ توکلیہ سے بطور مرید و سالک گہری عقیدت و ارادت اور دوسری جانب خواجہ توکل شاہ انبالوی قدس سرہ العزیز کی صحبت کے کیمیا اثر نے آپ کے وجود کو کندن بنا دیا تھا اس پر مستزاد حضرت کی قبلہ علامہ مشتاق احمد انبیٹھوی چشتی صابری قدس سرہ العزیز کے فیوضاتِ روحانی و عرفانی نے آپ کی ذاتِ گرامی کو منبع کمالات بنا ڈالا تھا۔ تربیتِ ظاہری اور باطنی کے ان ایمان افروز مراحل سے گزر کر حضرت علامہ توکلی علیہ الرحمۃ نفسِ مطمئنہ کے مرتبے پر فائز نظر آتے ہیں، ایسا لگتا ہے کہ کوئی ملکوتی صفات روح لبادہِ بشریت میں جلوہ گر ہو کر معرفتِ الٰہی اور عشقِ رسالت کا لنگر اپنے فکر و نظر کے پیالوں میں بھر بھر کر خلقِ خدا میں تقسیم کر رہی ہے۔ تدریس و تجرید کے تبلیغ و تعلیم کے محاذ پر آپ کے کارہائے نمایاں

دیکھ کر بے اختیار علامہ اقبال کا یہ شعر یاد آتا ہے:

من چه گویم وصف آن عالی جناب　　نیست پیغمبر ولی دارد کتاب

حضرت علامہ نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ ان نفوسِ قدسیہ میں سے ہیں ہیں جو ذکر کرتے کرتے خود مذکور کے مرتبے پر فائز ہوئے۔ اللہ کا ذکر، اس کے حبیبِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر اور پھر اللہ تعالیٰ کا تذکرہ اس کثرت سے کیا کہ آج ہر اس طریق پر ان کا ذکر خیر جاری و ساری ہے جس طریقِ ذکر پر وہ عمر بھر گامزن رہے۔ یہ سب ''فَاذْكُرُونِيٓ اَذْكُرْكُمْ'' کا تسلسل ہے آپ نے قلبی، لسانی اور علمی ہر انداز سے ذکر کیا، چنانچہ آج بطورِ انعام آپ کے تذکرے اور چرچے قلب و زباں سے ہوتے ہوئے نوکِ قلم تک آ پہنچے ہیں۔ قلم و قرطاس اور تحریر و تحقیق کے ایوانوں میں آپ کی خدماتِ جلیلہ کا اعتراف جاری و ساری ہے۔

ہمارے فاضل عزیز محمد ندیم القادری حفظ اللہ تعالیٰ اور ان کی شبانہ روز مساعی جو ''علامہ محمد نور بخش توکلی کی سیرت کی کاوش نگاری'' کے عنوان سے کتابی شکل میں منصہ شہود پر جلوہ گر ہو رہی ہیں، لائقِ صد ستائش اور قابلِ مبارکباد ہے۔ دعا ہے کہ یہ سلسلہ علم و تحقیق یوں ہی جاری و ساری رہے۔ آمین!

علامہ محمد شہزاد مجددی

O —— O —— O

تقریظ

اسلام انسانیت کے لیے آخری ضابطہ حیات اور ابدی دستور العمل ہے۔قرآن حکیم کی صورت میں اللہ رب العزت نے الوہی پیغام ہدایت کو محفوظ کر دیا ہے۔ قرآن حکیم کی عملی اور کامل ترین تفسیر و تفصیل حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ ہے۔ قرآنِ حکیم نے آپ کی سیرت کو اہلِ ایمان کے لیے اسوۂ حسنہ قرار دیا ہے۔ یہ امر قابلِ غور ہے کہ قرآنِ حکیم میں حضرت ابراہیم کے بعد صرف آپ کی سیرتِ مبارکہ کو اسوۂ حسنہ قرار دیا گیا ہے۔ جب حضرت عائشہ نے ایک استفسار پر فرمایا تھا کہ ''کان خلقه القرآن'' تو وہ اس حقیقت کی ہی وضاحت فرما رہی تھیں کہ آپ کی سیرت قرآنِ حکیم ہی کی عملی اور زندہ صورت ہے۔لہٰذا آپ کی سیرتِ مبارکہ کے مطالعہ کے بغیر قرآنِ حکیم کی نہ صرف تفہیم ممکن نہیں، بلکہ اس کا بھی کوئی امکان باقی نہیں رہتا کہ قرآنِ حکیم ہمارے لیے عملی ضابطہ بن سکے اور ہم اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں کو قرآنِ حکیم کے دیئے ہوئے نمونے کے مطابق ڈھال سکیں۔

یہی سبب ہے کہ ہماری تاریخ میں سیرت کی تفصیلات کو محفوظ کرنا ایک دینی اہمیت کا حامل تقاضہ رہا ہے۔ مغازی کے عنوان کے تحت شروع ہونے والی یہ روایت جب آگے بڑھی تو یہ تاریخ انسانیت کی فقید المثال علمی روایت قرار پائی کہ جتنی تفصیل اور جزئیات کے استحضار کے ساتھ آپ کی سیرتِ مبارکہ کی تفصیلات کو لکھا اور محفوظ کیا گیا اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ بلکہ دنیا کی ہر زبان اور ہر خطے میں آپ کی حیاتِ مبارکہ کے بارے میں لکھا گیا اور اتنی کثرت سے سیرت کی کتب وجود میں آئیں کہ

اس کا عشر عشیر بھی تاریخ انسانی کی کسی دوسری شخصیت کے بارے میں نہیں لکھا گیا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سیرت نگار ایک باقاعدہ علم میں ڈھل گیا اور سیرت کے ایک ایک گوشے پر اَن گنت کتب لکھی گئیں۔

سیرت نگاری کی تاریخ میں علامہ محمد نور بخش توکلی کی شخصیت اپنی جامعیت کے اعتبار سے نادر ہے۔ ان کا اسلوب اپنے جلو میں علمی اور حبی دونوں شانیں لیے ہوئے ہے۔ علامہ محمد نور بخش توکلی جب سیرت کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے مختلف اعتراضات کا محاکمہ کرتے ہیں یا علمی عقدوں کو وا کرتے ہیں تو ان کا اسلوب محض علمی نہیں رہتا بلکہ محبت کی حدت سے مملو ہو کر قاری کے ذہن کے ساتھ اس کے قلب و روح کو بھی سیرت کے نور سے منور کرتا ہے۔ تاہم اپنے جلیل المرتبہ سیرت نگار ہونے کے باوجود علامہ محمد نور بخش توکلی کی حیات، خدمات اور ان کی سیرت نگاری کے پس منظر و تفصیلات کے بارے میں معلومات تقریباً نایاب تھیں۔ محمد ندیم القادری نے علامہ محمد نور بخش توکلی کی سیرت نگاری کو موضوعِ تحقیق بنا کر اس کمی کو بڑی حد تک پورا کیا ہے اور اہلِ علم و تحقیق کے لیے یہ امکان پیدا کیا ہے کہ وہ اس موضوع پر مزید معلومات سامنے لائیں تاکہ سیرت نگاری کی اس روایت کو علمی دنیا میں عام کیا جا سکے جس کے نمائندہ علامہ محمد نور بخش توکلی جیسے اہلِ علم ہیں۔ امید ہے کہ اس کتاب کی اشاعت سیرت نگاری کے مثالی اسلوب کی ترویج و تشکیل میں اہم کردار ادا کرے گا۔

ڈاکٹر طاہر حمید تنولی

اقبال اکیڈمی، لاہور

○ —— ○ —— ○

انتساب

وجہ تخلیق کائنات حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ سید المرسلین خاتم النبیین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں ہدیہ عقیدت جن کی اتباع میں عالمین کی کامیابیاں مقدر بنتی ہیں اور جن کی سیرتِ پاک کو رب العالمین نے اسوۂ حسنہ اور قیامت تک کے لئے کامل نمونہ قرار دیا ہے۔

○ — ○ — ○

مقدمہ

اسلامی ادبیات کے سدا بہار موضوعات میں سے ایک سیرت نگاری ہے جس کا آغاز پہلی صدی ہجری میں ہوا اور پھر اس کی ارتقائی منازل گذشتہ صدیوں میں مختلف موضوعات اور متنوع عناوین کے ساتھ لاتعداد کتب اور مخطوطات کی صورت میں منصۂ شہود پر وجود پذیر ہوئیں جن کے مطالعہ سے یہ حقیقت اظہر من الشّمس ہو جاتی ہے کہ مسلمانوں نے سیرت کے اس تصنیفی و تحقیقی میدان میں کیسے کیسے گلہائے عقیدت بارگاہ رسالت میں پیش کئے ہیں۔ تاریخ انسانی اور میدانِ سوانحی میں اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات کے علاوہ ایسی کوئی دوسری شخصیت نہیں ہے جس کی ولادت سے وفات تک کے عرصہ حیات کی مکمل تفصیلات کو اس کی تمام تر جزئیات کے ساتھ تحقیقی مزاج اور جامع اسلوب میں سپردِ قلم کر کے محفوظ کیا گیا ہو۔ اس حقیقت سے واضح ہو جاتا ہے کہ سیرت نگاری اپنے فن اور لوازم کے اعتبار سے انتہائی دشوار کام ہے کیونکہ اس کے اولین تقاضات میں سے سیرت نگار کی اپنے حالات و واقعات پر وسیع گرفت، ان میں قومی و بین الاقوامی عقلی غیر جانبدارانہ ژرف نگاہی اور پھر اس گرفت و ژرف نگاہی سے نمو یافتہ نقطۂ نگاہ ہے جو اس کی تصنیفی کاوش کو گزشتہ صدیوں کی بوقلمونی میں ترتیب دے اور موجودہ احوال و حادثات میں بنی نوعِ انسان کے لیے جہت سازی کا فریضہ انجام دے۔ صرف اسی انداز میں ماضی و حال میں ربط، مستقبل کی پیش بندی اور سیرت نگار کی انفرادیت اور مقام و مرتبہ کا تعین ہو سکتا ہے، اور یہی وہ حال ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت نگاری اعزازِ حیات بھی ہے اور سرمایہ رحمت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی۔

گزشتہ تین صدیاں عالمِ اسلام پر اس المناکی کے ساتھ گزریں کہ ادبار وزوال اور استعمار وتبشیر کے خون آشام شکنجوں کے دہشتناک کساؤ نے ان کا عرصۂ حیات اس طرح سے تنگ کر دیا تھا کہ جہاں مسلم ممالک اور ان کے معاشرے بنیادی تغیرات کا شکار ہوئے وہاں اسلام کا باطنی عقیداتی نظام بھی ہولناک تقلبات اور وحشت انگیز دھچکوں سے دوچار ہو گیا۔ ان حالات میں سلیم الطبع اور مستقیم الذہن اہلِ ایمان کے لیے خاموش تماشائی بن کر کھڑے رہنا ناممکن ہو گیا۔ لہٰذا پوری دنیائے اسلام میں سیاسی، معاشرتی، اور مذہبی تحریکات کا ایک زریں باب وا ہو گیا۔ مصلحینِ وقت نے صرف ایک اکسیرِ آزمودہ پر اتفاق کیا کہ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شمعِ خجستہ جب تک قلوب میں فروزاں نہ ہو مسلمانانِ عالم ظلم واستبداد کے سلاسل اور کفر کی گوناگوں ریشہ دوانیوں سے نجات حاصل نہ کر سکیں گے، کیونکہ یہی ایک بات عروجِ تکوین اور اوجِ تمکین میں نقطۂ تخلیق اور سرچشمۂ توفیق ہے۔ اس مقصدِ عالی کے حصول کے لیے ایسے شعری ونثری ادب پاروں کی احتیاج ہوئی جو دلوں کو عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معمور کر کے گرما دے تاکہ اسلام کے تخلیقی اور تکوینی تقاضے پورے ہو جائیں۔ یہی وجہ ہے عالمِ اسلام اور بالخصوص برصغیر پاک وہند میں جہاں عشقِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ڈوبی ہوئی ملّی شاعری نے تمام دنیائے اسلام کو خوابِ غفلت سے بیدار کر دیا وہاں جدید پیمانوں کی حامل کتبِ سیرت بھی نمایاں طور پر اسی خطۂ ارضی میں نمودار ہوئیں۔ انہیں سیرت نگاروں میں ایک بغایت علمی اور توانا شخصیت علامہ محمد نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، جنہوں نے نزاکتِ وقت اور ضرورتِ زماں کے تحت ایک مخصوص نہج پر سیرت نگاری میں مختصر نویسی کا ایسا منفرد باب باندھا جو تاریخی ومذہبی تناظر میں ایک امتیازی سنگِ میل کی حیثیت اختیار کر گیا۔

اپنے ماقبل معاصر سیرت نگاروں کے مقابل میں علامہ محمد نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ کا

یہی وہ امتیاز و انفراد ہے جس نے موجود محقق کو اپنی طرف جذب کیا یہاں تک کہ ہم نے ''علامہ محمد نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ بحیثیت سیرت نگار'' کو موضوعِ تحقیق کے طور پر اپنایا، تا کہ تخلیقی اور تکنیکی دونوں سطحوں پر ان نفسیاتی، سیاسی، مذہبی، معاشرتی اور بین الاقوامی عوامل کی تفتیش ہو جائے جو قومی و ملی شخصیت سازی میں وہ فیصلہ کن کردار ادا کرتے ہیں جس کا ثمرہ ظہورِ پاکستان ہے۔ یہ ایک عظیم قومی و ملی اور مذہبی و اخلاقی خدمت بھی ہے اور عظیم اسلامی جمہوریہ پاکستان کا ذمہ دار شہری ہونے کے اعتبار سے ایک ملی فریضہ کی دیانتدارانہ انجام وہی بھی ہے۔ تا کہ آج کی نوجوان نسل میں وہی جذبہ دین وملت کا گداز پیدا ہو جس کی جوت سینے میں جگائے ہوئے ان کے اسلاف رحمۃ اللہ علیہم نے دنیا کی سب سے بڑی مملکتِ اسلامیہ کی تخلیق کی تھی، صرف یہی نہیں بلکہ پورے عالم اور خصوصاً دنیائے اسلام کے لیے عزم و ہمت اور آزادی و استقلال کا اعلیٰ نمونہ اور اکمل مثال بن کر ابھرے جس کی پیروی آج تک سارا زمانہ کرتا آرہا ہے۔ قومی و بین الاقوامی خدمت کا یہ وہ لازوال شاہکار ہے جو صرف ورثۂ ملت کا نگہبان ہی نہیں بلکہ مستقبل میں مثبت جذبات و آہنگ کا امین بھی ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ ان تمناؤں اور امنگوں کا بالفعل خالق بھی جو کہ جدید نسل کو گمراہی اور دہشت گردی کے ہیبت ناک جال سے باہر کھینچ کر لانے کی حتمی ضامن ہیں۔

اس کتاب میں بین الاقوامی سطح پر مقبول معیاراتِ تحقیق کے عین مطابق اپنے کام کو احقاقِ حق کے ساتھ سر انجام دیا گیا ہے لہٰذا وصفیاتی تجزیاتی منہاج کو اپناتے ہوئے ہر قسم کے تعصب اور جانبداری سے اپنا دامن بچایا ہے۔ بیانِ حقائق سے پیشتر ہر بات کو ماضی و حال کے تاریخی آئینہ میں عقل و دانش کی کسوٹی پر پرکھا ہے تا کہ جستجوئے حقیقت اور آبروئے حقیقت ترازوئے بیان میں آ کر حق و توازن کی حقیقی آئینہ بندی کرے۔ لہٰذا کسی سیاسی یا مذہبی گروہ کو طعن و تشنیع اور طنز و تضحیک کا

نشانہ نہیں بنایا، لیکن حقیقت بینی اور اظہارِ حقیقت سے بھی اجتناب نہیں کیا کیونکہ برائی کرنے اور برائی بیان کرنے میں بڑا بنیادی فرق ہے برائی کرنا طعن و تشنیع یا طنز وتضحیک کا خاصہ ہوسکتا ہے جبکہ برائی بیان کرنا تحقیق وتدقیق کا ہمہ گیر معیار ہے اس لیے کہ اگر امرِ واقع میں برائی کو بیان نہیں کیا جائے گا تو اصلاح بھی ناممکن ہے اور جہت نمائی بھی محال۔ لہٰذا واقع شدہ برائی کو بیان نہ کرنا بزدلی و نامردی تو ہے ہی مگر تحقیقی سطح پر اخفائے حقیقت کا جرم بھی ہے، اور جب کوئی قوم اس جرم کے ارتکاب میں مشغول ہوجاتی ہے تو وہاں صرف اور صرف گمراہی، تشدد اور دہشت گردی کی ترویج ہوتی ہے امن وآشتی کے امکانات پیدا نہیں ہو سکتے۔ یہ سبق آموز تجربہ بذاتِ خود اپنی تاریخِ پاکستان سے ہی ہمیں حاصل ہوجاتا ہے جسے ہم پڑھ چکے اور ہمارے بچے اسے پڑھ رہے ہیں، جسے معاندین نے اس انداز میں مسخِ حقائق کر کے ہمارے سامنے رکھا کہ وہ لوگ جو تخلیقِ پاکستان سے پہلے ہندوؤں اور انگریزوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف برسرِ پیکار تھے اور ہمیشہ وجودِ پاکستان کے مخالف رہے عین وہی لوگ ہمارے ہیرو بنا دیئے گئے اور وہ جنہوں نے دوقومی نظریہ دیا جس کی بنیاد پر پاکستان وجود میں آیا اور جنہوں نے تادمِ آخر اپنی جانیں ناموسِ اسلام واسلامیان پر قربان کر دیں انہیں تاریخی صفحات سے یوں محو کر دیا گیا کہ گویا یہ کبھی موجود ہی نہ تھے۔ نتیجہ کیا ہوا؟ گمراہی وتشدد کی سرپرستی اور افشاء اور بالآخر دہشت گردی اور مسلمانوں کا قتلِ عام! آج بھی ہم ایسے پرفتن دور سے گزر رہے ہیں جس کا ذکر علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ نے آج سے کئی سال پہلے کیا تھا جس میں دہشتگردی اور خون ریزی کا بازار گرم ہے مذہب کے نام پر معصوم اور بے گناہ لوگوں کی زندگیوں سے کھیلا جارہا ہے معصوم ذہنوں اور نوجوان نسل کو مذہبی جنون اور معاشی خوشحالی کے لالچ میں استعمال کیا جارہا ہے۔ مذہب کا لبادہ اوڑھ کر دہشت گردی کی

تربیت دی جارہی ہے لازم ہے کہ ایسے حالات میں عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسوۂ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عام کیا جائے جو قرآن نے پوری کائنات کو آج سے صدیوں پہلے یہ نسخہ کیمیا دیا تھا کہ اسوہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی معاشروں میں امن وسکون اور ہم آہنگی کا ضامن ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے نصاب میں سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بطور لازمی مضمون شاملِ نصاب کیا جائے، تاکہ موجودہ اور آئندہ نسل کے سامنے مصفّی ذہنی آفاق ہو جس میں وہ ماضی کی درست تعبیر کے ساتھ اپنے حال و مستقبل کی صحیح آئینہ بندی کر سکیں۔

آخر میں تہِ دل سے ممنون ہوں ان تمام احباب کا جنہوں اس کاوش میں تعاون کیا بالخصوص بین الاقوامی ادبی شخصیت ڈاکٹر ظہور احمد اظہر، پروفیسر ڈاکٹر محمد امین عازم بیگ قادری، پروفیسر ڈاکٹر ہمایوں عباس شمس ڈین فیکلٹی آف اسلامک اینڈ اورینٹل لرننگ گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد، حضرت علامہ مولانا محمد صادق سیالوی مہتمم جامعہ اسلامیہ انوارِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، پیر طریقت حضرت علامہ محمد شہزاد احمد مجددی، ڈاکٹر طاہر حمید تنولی (اقبال اکیڈمی لاہور)، ڈاکٹر غلام دستگیر شاہین سنیئر ریسرچ آفیسر اسلامی نظریاتی کونسل اسلام آباد، جناب برادرِ محترم میاں محمد افضل، میاں محمد مبین، خصوصاً اپنے بھتیجوں میاں محمد شعیب، میاں محمد عبداللہ اور میاں محمد ربیع جن کا بھرپور تعاون شاملِ حال رہا اور آخر میں تہِ دِل سے مشکور ہوں خانوادہ حضرت توکلی رحمۃ اللہ علیہ کے چشم وچراغ، مستغرقِ عشقِ رسول، محترم المقام حضرت سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ اور جناب محترم المقام محمد احمد امین صاحب دامت برکاتہم العالیہ جن کی بھرپور رہنمائی اور دعائیں دامن گیر رہیں اور کتاب کی اشاعت میں اُن کی محبتیں ممد ومعاون ثابت ہوئیں۔ آخر پر بارِ دیگر میں اپنے تمام اساتذہ اور معاونین کا تہِ دل سے شُکر گزار ہوں بالخصوص استادِ مکرم ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس ڈین فیکلٹی آف اسلامک اینڈ اورینٹل

لرننگ گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد کا جنہوں نے ہر قدم پر شفقت اور خصوصی توجہ کے ساتھ رہنمائی فرمائی اللہ تعالیٰ اُن کے علم وفضل اور عمر میں اضافہ فرمائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیبِ کریم کے تصدق سے اس کاوش کو اپنی اور اپنے رسولِ رحمتِ عالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ اقدس میں قبول ومنظور فرمائے اور دنیا اور آخرت میں کامیابی ونجات کا ذریعہ بنائے۔

آمین ثم آمین بجاہِ سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام الی ابد الآباد۔

الابد الحقیر

محمد ندیم القادری

(پی۔ایچ۔ڈی اسکالر)



پہلا باب

حالاتِ زندگی

کسی بھی قابلِ قدر مصنف کے علمی شاہکاروں اور خدمات کا تجزیہ کرنے سے پہلے اس کے احوالِ حیات واوضاعِ کارزار کا تحقیقی جائزہ لینا عقلی ونفسیاتی اعتبار سے نہایت ضروری ہوتا ہے۔ اوراس کی اہمیت کئی چند ہو جاتی ہے جب مصنف ان ابعاد کا حامل ہو جیسے کہ حضرت علامہ محمد نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ کا خاصہ ہیں۔ پروفیسر توکلی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک پرجوش وہنگامہ اور خدمتِ انسانی سے معمور بھرپور زندگی بسر کی جس کے اثرات نہ صرف ان کے اپنے عہد تک محدود تھے بلکہ ہمارے دورِ جدید تک پھیلے ہوئے ہیں۔ اس بنیادی تقاضے کے تحت ہم نے مناسب گردانا ہے کہ آپ کے احوالِ زندگی پر اول سے آخر تک ایک تحقیقی نگاہ ڈالی جائے، تاکہ ظاہری وباطنی شخصیت کی باہمی معاملت کے درمیان نفسیاتی ومعاشرتی ہم آہنگی اور مذہبی وغیر مذہبی موافقت کے تانوں بانوں کا اپنے موزوں ارتباط کے ساتھ تحقیقی وتدقیقی سطح پر کھوج لگایا جائے جس کے نتیجہ میں آپ کی پوری شخصیت اپنے ہمہ پہلوؤں کے ساتھ آئینۂ تحقیق میں اتر آئے۔

احوالِ حیات

شہرۂ آفاق کی حامل "سیرتِ رسولِ عربی" کے جید مصنف علامہ پروفیسر نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ بروز جمعرات 12 ربیع الاول 1288ھ بمطابق یکم جون 1871ء کو اس

جہانِ آب و گل میں رونق افروز ہوئے [1] آپ کی جائے ولادت ''قاضیاں'' نام کا ایک گاؤں ہے [2] جو کہ بھارت کے ضلع لدھیانہ میں ضلعی ہیڈ کوارٹر سے اکیس کلومیٹر کی مسافت پر واقع ہے۔ اس حقیقت سے واضح ہو جاتا ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی پرورش دیہات کی کھلی فضا اور کشادہ آب و ہوا میں ہوئی تھی جس کے لازمی اثرات آپ رحمۃ اللہ علیہ کی جسمانی قوتوں اور قلب و نگاہ پر نمایاں رہے۔ وسیع القلبی اور فراخ نظری گویا آپ رحمۃ اللہ علیہ کی جبلت کا ابتداء ہی سے خاصہ بن چکی تھی، اور اس پر مستزاد آپ کا گھریلو ماحول تھا جسے آپ کے صالح والد رحمۃ اللہ علیہ نے رونق بخشی تھی۔ آپ کے والد کا اسمِ گرامی "میاں شادی شاہ" تھا جو پنجاب کے مشہور خاندان ''جاٹ'' سے تعلق رکھتے تھے، بغایت دیندار اور صوفی منش بزرگ تھے جنہوں نے سلسلۂ نقشبندیہ میں خواجہ قادر بخش جہاں خیلی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ [3] کے دستِ حق پرست پر بیعت کی تھی [4] اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پروفیسر توکلی رحمۃ اللہ علیہ کی، جو کہ اپنی آئندہ زندگی میں مسندِ نقشبندی پر براجمان ہونے والے تھے، نشو و نما آغازِ ہستی سے ہی نقشبندی ماحول میں ہوئی تھی۔ گھریلو ماحول کی اس تربیت میں کوئی واضح بیرونی مزاحمت بھی موجود نہ تھی کیونکہ جس خطۂ زمین پر آپ نے آنکھ کھولی وہاں کی مسلم آبادی دوسو (200) افراد پر مشتمل تھی۔

---

[1] الشیخ الاستاذ محمد نور بخش التوکلی، حیاتہ وخدماتہ: جاوید الفقری، ص: ۱ // حضرت مولانا نور بخش توکلی کی حیات و خدمات مع عید میلاد النبی: حافظ محمد شاہد اقبال جلالی، ص: ۴ // پروفیسر توکلی کا وقف نامہ بسلسلہ مدرسہ اسلامیہ توکلیہ // علامہ توکلی کے تقرری آرڈر بطور سینئر اورینٹل ٹیچر گورنمنٹ ہائی سکول گجرات 27 اکتوبر 1893ء

[2] تذکرہ علمائے اہلِ سنت و جماعت: پیرزادہ اقبال احمد فاروقی، ص: ۲۹۶ // تذکرہ اکابر اہلسنت: علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری، ص: ۵۵۹ // مجلہ نقوش عدد خاص لاہور، ص: ۹۵۱ // تذکرۂ مشائخِ نقشبندیہ مع تکملہ: جناب محمد صادق قصوری، ص: ۸ // الشیخ الاستاذ محمد نور بخش التوکلی، حیاتہ وخدماتہ، ص: ۱

[3] آپ خواجہ توکل شاہ انبالوی کے شیخ طریقت تھے۔

[4] تذکرۂ علمائے پنجاب: اختر راہی، ص: ۷۹۸ // تذکرۂ مشائخ نقشبندیہ: علامہ نور بخش توکلی، ص: ۴۶۲ // تذکرہ علمائے اہلِ سنت و جماعت لاہور، ص: ۲۹۶ // الشیخ الاستاذ محمد نور بخش التوکلی، حیاتہ وخدماتہ، ص: ۲

لہٰذا آپ کے گاؤں میں ایک مسجد اور مدرسہ بھی موجود تھا[1] اس کا منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ آپ کے قلب وذہن کے شعوری اور لاشعوری زاویوں کی راستگی میں کوئی ایسا نفسیاتی محرک وقوع پذیر نہ ہوا جو داخل وخارج میں تفرق کا باعث بنتا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ عہدِ طفولیت سے ہی صوم وصلوۃ کے پابند اور قرآنِ عظیم کے درس وتعلم میں باقاعدہ طور پر منہمک ہو گئے تھے۔ سازگاریِ حالات کا یہی کرشمہ تھا کہ مخلوط تہذیب وثقافت کی موجودگی میں آپ نے اپنی ابتدائی تعلیم اسی دیہاتی فضا ہی میں مکمل کر لی۔

لیکن قدرت نے جو صلاحیتِ بلوغ اور استعدادِ نبوغ آپ میں ودیعت فرمائی تھی اس نے آپ کو ابتدائی تعلیم تک ہی محدود نہ رہنے دیا بلکہ تعلیم وتربیت کے بلند زینے سر کرنے کی تڑپ سے آپ کے دل ودماغ کو گرمایا۔ اس راحتِ قلب وجاں کے حصول کے لیے آپ نے مسلمانوں کے معروف ادارے علی گڑھ کالج کا رخ کیا جہاں آپ نے 1887ء میں داخلہ لے لیا اور کالج کے ہوسٹل میں قیام پذیر ہو گئے[2]۔ بڑی لگن اور مستعدی سے کام کرتے ہوئے آپ نے بالآخر 1893ء میں امتیازی حیثیت سے ایم۔اے عربی کر لیا[3]

علی گڑھ سے فراغتِ تعلیم کے بعد آپ کی عملی زندگی کا باقاعدہ آغاز ہوتا ہے جو کہ آپ کے حسبِ طبیعت زیادہ تر تعلیم وتدریس اور تہذیب وتربیت پر مرکوز رہی۔ اسی طبعی رجحان کی بدولت آپ نے شروع سے ہی شعبۂ تعلیم کو اختیار کیا جس کے تحت 1896ء میں میونسپل کالج امرتسر میں پروفیسر مقرر ہوئے[4] جبکہ 1913ء میں آپ

[1] الشیخ الاستاذ محمد نور بخش التوکلی، حیاتہ وخدماتہ، ص:۲
[2] ایضاً: ص: ۵
[3] تذکرہ علمائے اہلِ سنت وجماعت لاہور: ص:۲۹۶ // تذکرۂ مشائخ نقشبندیہ، ص: ۸-۹
[4] ایضاً، ص: ۲۹۷ // ایضاً، ص: ۹۔

محافلِ علمیہ، فانوسِ مجالسِ صوفیہ اور پیامبرِ علم و حکمت تھے۔ اس کا ثمرہ یہ ہوا کہ آپ نے بیسویں صدی کے ایک کامیاب جید عالمِ دین اور عظیم شیخِ طریقت کی پر رونق و پر ہجوم زندگی بسر کی۔ علمی سطح پر آپ کے نفسیاتی زاویوں میں باطنی انضباط کی تعیین کے لیے آپ کی زندگی کے مندرجہ ذیل گوشے خصوصی اہمیت کے حامل ہیں کیونکہ اخلاق و آداب کی ترتیب و تہذیب میں ان کے خصوصی کردار کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

عشق رسول کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت توکلی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کا سب سے روشن پہلو عشقِ رسول علیہ التحیۃ و التسلیم ہے۔ یہی وہ نقطۂ نور ہے جو پھیلتے پھیلتے اس وسیع دائرے کی شکل اختیار کر گیا جسے آج زمانہ محمد نور بخش توکلی کے اسمِ گرامی سے جانتا ہے۔ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اثباتیاتی میدان میں نہ صرف آپ کے توانا نفسیاتی رویے اور ان کے تحت آپ کی ہمہ گیر شخصیت میں اعلیٰ اخلاق و آداب ترتیب پائے بلکہ اسی کے باطنی داعیات تھے کہ آپ نے دوسروں کی تعلیم و تربیت میں بھی اس کا سب سے زیادہ خیال رکھا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اصلِ دین و ایمان محبتِ رسولِ عظیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اور جب آدمی کا دل محبت کے اس نور سے منور ہو جاتا ہے تو فطری طور پر وہ تقدمِ حیات کا قائل و عامل ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کا قلبِ نورانی عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معمور تھا اور اپنے تمام حلقہ ہائے علم و ارادت میں آپ اسی کی بھرپور تلقین کرتے تھے اس کا اہم ترین زینہ اتباعِ سنت تھا جسے نہ صرف آپ نے خود اپنا شعار بنایا ہوا تھا بلکہ اپنے مریدین و عقیدت مندوں کو بھی سنتِ مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو زندگی کے ہر شعبے میں اپنانے کی تاکید فرماتے تھے۔

قرینۂ حیات میں شعائرِ دین کا لحاظ

عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پروفیسر توکلی رحمۃ اللہ علیہ میں جو سب سے انوکھی بات پیدا کر دی تھی وہ یہ تھی کہ آپ ہمیشہ قرینۂ حیات میں شعائرِ دین کو ملحوظ رکھتے تھے اور اس قدرِ عظیم میں وہ سب معاصرین پر نمایاں طور پر سبقت رکھتے ہیں۔ اس ضمن میں آپ کی حیاتِ پرنشاط میں سے مندرجہ ذیل واقعات خصوصی طور پر قابلِ ذکر ہیں:

برصغیر پاک وہند میں طرفہ تماشا یہ ہوا تھا کہ **عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سرکاری چھٹی** "بارہ وفات" کے نام سے منائی جاتی تھی جو کہ واقعیتِ اسلام اور مثبت اقدارِ حیات کی کھلی خلاف ورزی تھی۔ اپنے تمام تر معاصرین میں سے اس بات کا اولین احساس کرنے والے حضرت توکلی قدس سرہ العزیز تھے۔ لہٰذا وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے قومی سطح پر ایک مؤثر مہم چلائی۔ ۱۳۴۲ھ اور ۱۳۴۳ھ کے دورانیہ میں آپ نے انجمن نعمانیہ لاہور میں اہلسنت کے جید علمائے کرام اور مشائخِ عظام کا ایک عظیم الشان اجلاس منعقد کیا اور ان کے سامنے یک نکاتی ایجنڈا رکھا کہ بارہ ربیع الاول کو یومِ وفات کی بجائے عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرار دیا جائے؛ سرکاری و غیر سرکاری تحریرات میں اسے ایسا ہی لکھا جائے؛ سرکاری سطح پر بھی اسی عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منایا جائے اور اس دن عام سرکاری تعطیل منظور کروائی جائے۔ آپ نے علماء ومشائخ کے سامنے "بارہ وفات" کے نام کی وجہ سے ان فتنہ انگیزیوں پر جو مستقبل میں پیدا ہو سکتی تھیں روشنی ڈالی اور سب کو مدلل انداز میں اپنا قائل بنالیا۔ اس کے ساتھ ہی

شد و مد سے مہم کا آغاز کر دیا۔ بالآخر کامیابی آپ کے قدم بوس ہوئی جس کے نتیجہ میں سرکاری کاغذات میں" بارہ وفات" کی عوامی غلطی کو حذف کر کے عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لکھا جانے لگا اور گورنمنٹ نے اس دن کو پورے برصغیر پاک و ہند میں عام یوم تعطیل قرار دے دیا[1] اس وقت سے لے کر آج تک 12 ربیع الاول کا دن بطور عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منایا جا رہا ہے اور بفضلِ اللہ تعالیٰ ہمیشہ منایا جاتا رہیگا۔ پروفیسر علامہ توکلی قدس سرہ العزیز کا یہ وہ زندہ و روشن کارنامہ ہے جو تاریخِ ہند و پاک میں ہمیشہ سنہری حروف سے لکھا جاتا رہیگا۔ اس لیے کہ اس میں نہ صرف مثبت اقدارِ حیات کی حیات پرور معرفت ہے بلکہ مسلمانانِ برصغیر پر آپ کا یہ احسانِ عظیم بھی ہے اور اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاں باعثِ اجر دائم۔

علامہ توکلی کے دل و دماغ میں یہ حقیقت خون بن کر راسخ ہو چکی تھی کہ دین حیاتِ انسانی کی اصل ہے اور دینی حمیت اس کا معیارِ تحفظ۔ یہی وجہ ہے کہ شعائر اسلام اور فرائضِ دینی کی بجا آوری میں اگر انہیں کچھ بھی قربان کرنا پڑتا تو ان میں حمیتِ دین کا ایسار چاؤ پایا جاتا تھا کہ وہ اسے بصدقِ دل و جاں قربان کر دیتے۔ آپ کی ایسی ہی دینی حمیت کی ایک عمدہ تمثیل وہ موقع ہے جب محکمہ آثارِ قدیمہ میں اپنی ملازمت کے دوران میں کچھ غیر مسلم رفقائے کار نے انگریز حکامِ بالا سے اوقاتِ ڈیوٹی میں آپ کی ادائیگیِ ظہر کے خلاف

[1] حضرت مولانا نور بخش توکلی کی حیات وخدمات مع عید میلاد النبی، ص: ۷ // تذکرہ علمائے اہلِ سنت و جماعت، ص: ۲۹۸

شکایت کی اور حکامِ بالا نے اس پر آپ کے خلاف انکوائری لگانے کا فیصلہ کیا۔ علامہ کو جب اس صورتِ حال کا علم ہوا تو آپ نے فی الفور استعفیٰ دے دیا۔ تفتیشی افسر نے اگرچہ آپ کو ادائیگی ظہر کی اجازت دیکر استعفیٰ واپس لینے کو کہا مگر آپ نے یہ کہہ کر ایسا کرنے سے انکار کر دیا کہ: چونکہ میرے مذہبی جذبات مجروح ہوئے ہیں اس لیے میری حمیتِ دین اسے واپس لینا گوارا نہیں کرتی۔ [1]

الغرض قرینہ حیات میں شعائرِ دین کا لحاظ آپ کا وہ وطیرہ تھا جو کہ نفسیاتی تار و پو میں اس طرح سے گندھا ہوا تھا کہ شعوری زاویوں میں لاشعوری طور پر ظہور پذیر ہو جاتا تھا۔ اور یہی وہ امتیاز ہے جو آپ کے کامل شیخِ طریقت ہونے پر دال ہے۔

وضع قطع اور بود و باش

پروفیسر توکلی رحمۃ اللہ علیہ کی بود و باش میں مختار وضع قطع بھی آپ کے اخلاق و آداب کی بھرپور آئینہ دار ہے۔ اس ضمن میں ظاہری حیثیت سے نمایاں طور پر ابھرنے والا اولین مشہد آپ کی قد و قامت کے واضح خد و خال ہیں۔ آپ کا قد درمیانہ، چہرہ سرخ و سپید اور بھرا ہوا، آنکھیں موٹی، ناک میانی اور داڑھی گھنی تھی۔ لب ہر وقت تبسم سے آراستہ رہتے تھے جو اپنوں بیگانوں سب کو اپنی طرف جذب کرتے تھے۔ اس حلیۂ رعنا اور ہیئتِ زیبا کے ساتھ ہر وقت سر عمامہ میں ملفوف عجب رنگِ وقار پیدا کیے ہوئے تھا۔ [2]

نقش و نگار اور اس پر عز و وقار کا یہ عالم واضح طور پر اس حقیقت کی طرف اشارہ

---

[1] حضرت مولانا نور بخش توکلی کی حیات و خدمات مع عید میلاد النبی، ص: ۵ // الشیخ الاستاذ محمد نور بخش التوکلی، حیاتہ وخدماتہ، ص: ۱۱

[2] ایضاً ص: ۱۳

کرتا ہے کہ اس کی حامل شخصیت میں یقیناً استقامت، مروت، مودت اور اعلیٰ استقلال کی خوبیاں ودیعت ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ہمیشہ ہر حال میں سادہ مگر پروقار لباس زیب تن کرتے تھے یہاں تک کہ گورنمنٹ کالج میں ملازمت کے دوران میں جب آپ کو انگریزی لباس کی طرف رغبت دلائی گئی تو آپ ذرا بھر بھی ملتفت نہ ہوئے۔ دوسری طرف زہد وریاضت کی شان تھی کہ باقاعدہ تہجد گزار اور مجاہدۂ نفس میں مصروف اور اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راغب رہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ عباداتِ مفروضہ میں کوتاہی کبھی برداشت نہ کرتے تھے اور اپنے اہلِ حلقہ کو بھی ہمیشہ یہی تبلیغ وتلقین کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ کثرتِ نوافل، وفرتِ تلاوتِ قرآنِ مجید، کم گوئی للہ وللرسول علیہ الصلوٰۃ والسلام، ریاکاری سے کامل اجتناب تاکہ ظاہر وباطن کا تفرقہ رفع ہو، کذب بیانی سے شدید نفرت اور مغربی تہذیب واطوار سے شعوری پرہیز آپ کی عظیم اور جاندار شخصیت کے معدودے چند اوصاف میں سے تھے۔

اسی وضعِ عظیم کا ایک نمایاں پہلو آپ کی بالفعل علم دوستی تھی۔ اس فعالیت پر شاہد آپ کی وہ شاندار ذاتی لائبریری ہے جو تین ہزار کتب پر مشتمل تھی جن میں عربی، فارسی، انگریزی، شاعری، فقہ، حدیث، تفسیر اور دیگر علوم وفنونِ متداولہ کی حامل کتب شامل تھیں۔ یہی کتابیں آپ کی تخلیقی وتصنیفی زندگی میں بغایت اہمیت رکھتی ہیں۔ مگر افسوس کہ قیامِ پاکستان پر جب آپ ہجرت کر کے فیصل آباد میں سکونت پذیر ہوئے تو یہ لائبریری آپ کے آبائی گاؤں میں ہی رہ گئی۔ جسے بعد میں بلوائیوں نے جلا ڈالا۔ اس بات کا آپ کو ہمیشہ افسوس رہا کہ اس قدر عظیم سرمائے سے محرومی کا منہ دیکھنا پڑا۔
المختصر حضرت علامہ محمد نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ حقیقی معنوں میں اخلاقِ نبوی اور آدابِ اسلامیہ کے حسین پیکر تھے، اور آپ کو یہ شانِ جلی عطائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی کیونکہ

اخلاقِ عالیہ اور آدابِ فاضلہ توفیقِ الٰہی کے بغیر حاصل نہیں ہوا کرتے اور ولیِ کامل کی تو علامت ہی یہ ہے کہ اخلاق اللہ سے متخلق ہو اور تخلق باخلاقِ اللہ صرف اور صرف اللہ اور اس کے حبیبِ کریم علیہ اطیب الصلوات واطہر التسلیمات کی مشفقانہ عنایت کے بغیر ناممکن ہے۔ اور علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ کی خوش طالعی کہ آپ کو یہ عنایت حاصل تھی۔



دوسرا باب

شیوخ واساتذہ

عظمت وکرامت عطائے الٰہی ہے مگر اس کی تکمیل وتقریر میں کسی عظیم ہستی کے ذاتی اوصاف کے علاوہ اس کے شیوخ واساتذہ کے تعمیری کردار کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ حضرت علامہ محمد نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ کی عظمت وکرامت خداداد ہے تاہم ان کے جوہرِ عظمت کو نکھارنے اور گوہرِ کرامت کو چمکانے میں ان کے شیوخ واساتذہ کا بھی خاص کردار ہے۔ بچپن سے ہی جب آپ اپنے گاؤں کے مکتب میں ابتدائی تعلیم حاصل کر رہے تھے آپ کو قابل اساتذہ ملے۔ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے آپ کا علی گڑھ یونیورسٹی کی طرف رجوع اس بات پر شاہد ہے کہ جن اساتذہ کے ہاں آپ نے اپنی ابتدائی تعلیم مکمل کی تھی بڑے خبیر اور جدید زندگی کے تقاضوں سے شناسا تھے کہ انہوں نے اپنے ہونہار شاگرد کو علی گڑھ کالج میں داخلہ لینے کے طرف راغب کیا۔ علی گڑھ میں دورانِ تعلیم اور علی گڑھ سے باہر دورانِ ملازمت آپ متعدد شیوخ واساتذہ سے فیض یاب ہوئے جن میں سے مندرجہ ذیل خصوصی طور پر قابلِ ذکر ہیں:

حضرت خواجہ توکل شاہ انبالوی رحمۃ اللہ علیہ

علامہ محمد نور بخش توکلی جس جلیل القدر ہستی کی وجہ سے "توکلی" ہوئے وہ حضرت خواجہ توکل شاہ انبالوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ اپنے وقت کے جید صاحبِ نعمت اہلِ حق میں سے ہیں جن کی سربراہی میں سلسلۂ نقشبندیہ نے دن دگنی رات چوگنی ترقی کی۔ آپ کی

ولادتِ باسعادت ضلع گورداسپور کے موضع" پکھ" میں تقریباً 1255ھ میں ہوئی۔ آپ نے ابھی عمر شریف کے چند سال ہی بتائے تھے کہ والدِ کریم کا سایۂ عاطفت آپ کے سر سے اٹھ گیا۔ جس کی بنا پر آپ کی پرورش اپنے نانا کے ہاں ہوئی جو صاحب نسبت عبادت گذار بزرگ تھے[1] لہٰذا حضرت خواجہ صاحب قدس سرہ کو ایام طفولیت سے ہی ایسا سازگار تعمیری ماحول میسر آیا جس میں آپ کے ظاہر و باطن کے نفسیاتی رویوں میں ایسا تطابق قائم ہو گیا جس کا منطقی ترتب ایک شیخ کامل کی توانا شخصیت سازی پر ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ نے جونہی عالمِ شباب میں قدم رکھا آپ فوری طور پر اپنے ان رویوں کی تکمیل کی طرف ملتفت ہوئے، جس کے نتیجہ میں آپ خواجہ قادر بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہو گئے۔ حضرت خواجہ قادر بخش قدس سرہ کو اپنے مریدِ باصفا کی باطنی صلاحیتوں کا بھرپور احساس تھا لہٰذا آپ نے ان کی کماحقہ تربیت فرمائی یہاں تک کہ آپ نے ان کی دستار بندی کر کے مسندِ تبلیغ وارشاد پر متمکن فرمایا۔ حضرت خواجہ توکل شاہ رحمۃ اللہ علیہ تبلیغ وارشاد کے اس پیغمبرانہ فرض کو بڑی ذمہ داری اور صدق واخلاص سے نبھاتے رہے حتیٰ کہ 14 ربیع الاول 1315ھ بمطابق 1898ء کو آپ نے اس دارِ فانی کو خیر باد کہا۔ آپؒ کا دربارِ اقدس انبالہ میں ہے۔[2]

علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت خواجہ کی صحبتِ حق آماج سے وہ درِ نایاب سمیٹے جو بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتے ہیں۔ حضرت توکل شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کی ملاقات انبالہ میں ان ایام میں ہوئی تھی جب آپ انبالہ چھاؤنی میں ہندو محمڈن سکول میں عارضی طور پر ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے تھے۔ انبالہ میں خواجہ توکل شاہ رحمۃ اللہ علیہ کو شہرتِ عام حاصل تھی، لہٰذا علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ جونہی اس شہر میں وارد ہوئے آپ سے ملنے کا اشتیاق ان کے دل

[1] جواہرِ نقشبندیہ: مولانا محمد یوسف مجددی، ص: ۷۱۶ // ذکرِ خیر: محبوب عالم انبالوی، ص: ۴۳۰

[2] ایضاً، ص: ۶۲۲

ودماغ پر چھا گیا جس کی تسکین اس وقت ہی ہوئی جب علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ کی آپؒ سے باقاعدہ طور پر ملاقات ہو گئی اور آپ بصدقِ دل آپ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہو گئے[۱] بیعت کے ساتھ ہی فیضانِ صحبت کی فراوانی ہو گئی۔ یہی وہ فیضانِ عظیم تھا جس نے علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ کی کایا پلٹ دی۔ علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا بغور مطالعہ کرانے سے یہ حقیقت واضح طور پر منکشف ہو جاتی ہے کہ اس صحبت کی تاثیر نے ان کے ظاہر و باطن کے منتشر زاویوں میں اس قدر قوی موافقت پیدا کر دی کہ پھر ہمیشہ استقلال واستقامت آپ کی طبیعتِ ثانیہ بن گئی۔ اگر ظاہر کا مشاہدہ کیا جائے تو حضرت توکل شاہ کی زندگی سادہ بود و باش، سادہ لباس، اعلیٰ اخلاق، زہد و عبادت، مجاہدہ و ریاضت اور سادات کریمہ کے احترام سے عبارت تھی۔ علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا مشاہدہ کیا جائے تو یہی خوبیاں ان کی ذات میں متحقق ملتی ہیں۔ باطنی اعتبار سے غور کیا جائے تو خواجہ توکل رحمۃ اللہ علیہ کو اس بات کا ایقان تھا کہ عطائے نعمت کا تعلق اصطفائے الٰہی سے ہے۔ دوسری طرف وہ مزارات سے کسبِ فیض کے بھی قائل تھے۔ یہی وہ نقطۂ نگاہ ہے جسے ہم حیاتِ توکلی رحمۃ اللہ علیہ میں کارگر دیکھتے ہیں۔ علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ پر اپنے مرشدِ عظیم کی یہی تاثیرات تھیں جنہوں نے آپ کو ہر گزشتہ تاثیر اور ہر توانا نسبت سے بے نیاز کر کے ایک انسانِ نو بنا دیا جس کی ہر نسبت تازہ و جاندار اور ہر تعلق دائمی تھا۔ اس کا فطری نتیجہ یہ ہوا آپ کو خواجہ توکل شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے اس قدر محبت ہو گئی کہ آپ نے خود کو "توکلی" کہنا شروع کر دیا اور پھر ہمیشہ اپنی نسبت پر قائم و دائم رہے۔ اس محبت آمیز نسبتِ خالدہ کا ثمرہ تھا کہ جب آپ ملازمت سے سبکدوشی کے بعد خواجہ قادر بخش رحمۃ اللہ علیہ کے عرس میں شرکت کے لیے حاضر ہوئے تو اس عرس کی پرہجوم تقریب میں حضرت خواجہ عبدالخالق رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ کی دستار بندی کی

[۱] ایضاً: ص: ۱۲۲

اور فرمایا کہ:"میں خواجہ توکل شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے آپ کو خلافت دیتا ہوں"[1]

اس میں کوئی شک نہیں کہ خلافت کا یہ بوجھ آپ پر آخری عمر میں ڈالا گیا تاہم اس حقیقت سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت توکل شاہ رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے عظیم مرید کی صلاحیتوں پر پورا یقین اور اعتماد تھا لہٰذا آپ نے مناسب سمجھا کہ اپنے مرید پر عطائے نعمت کو نہ صرف امر کیا جائے بلکہ اسے تقسیمِ نعمت کا ابدی مرجع بھی بنا دیا جائے۔ اور علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ کی شانِ جلالت کہ تا دمِ واپسیں آپ نے اس امانت کی ایمانداری کے ساتھ نگرانی کی۔

حافظ مشتاق احمد انبیٹھوی چشتی صابری

اپنے شیخِ طریقت حضرت خواجہ توکل شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے بعد جس شیخِ طریقت سے علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ سب سے زیادہ متأثر اور فیضیاب ہوئے وہ حضرت حافظ مشتاق احمد انبیٹھوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جنہوں نے علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ پر اس قدر عنایت مرحمت فرمائی کہ آپ کو چشتی صابری خلافت سے سرفراز فرمایا[2] اس اعتبار سے حضرت حافظ مشتاق احمد قدس سرہ علامہ توکلی کے شیخِ طریقت بھی قرار پاتے ہیں اور علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ کے حقیقی جوہر شناس بھی۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ حافظ صاحب اپنے دور کے عالمِ بیمثال اور فقیہِ بے نظیر تھے۔ آپ 1273ھ میں مضافاتِ سہارن پور میں واقع "انبٹھ" نامی ایک گاؤں میں پیدا ہوئے تھے اور اسی نسبت سے آپ "انبیٹھوی" کہلاتے تھے۔[3] آپ عہدِ طفولیت سے بڑے ہونہار، ذہین وفطین اور شریف الطبع

---

[1] تذکرہ مشائخِ نقشبندیہ: ص: ۴۸۱ // ذکرِ خیر: ص: ۵۰ // الشیخ الاستاذ محمد نور بخش التوکلی، حیاتہ وخدماتہ، ص: ۴۱

[2] ایضا: ص: ۶۲۲

[3] نزہۃ الخواطر وبہجۃ المسامع والنواظر: ص: ۴۷۲ // الشیخ الاستاذ محمد نور بخش التوکلی، حیاتہ وخدماتہ: ص: ۴۷

تھے لہٰذا کم سنی میں ہی آپ قرآنِ عظیم حفظ کر کے حضرت علامہ حسن سہارنپوری، شیخ سعادت علی سہارنپوری اور عبدالرحمن بن محمد پانی پتی جیسے مشہورِ زمانہ اساتذہ سے حصولِ علوم وفنون میں مشغول ہو گئے تھے یہاں تک کہ ان میں مہارتِ تامہ حاصل کرلی۔ (۱)

علومِ متداولہ اور فنونِ مخصوصہ کی تکمیل کے بعد آپ تدریس وتصنیف میں اس محنت وکاوش کے ساتھ مشغول ہو گئے کہ آپ کا شمار زمانے کے جلیل القدر اساتذہ میں ہونے لگا۔ یہی وجہ ہے کہ مدرسہ عربیہ میرٹھ میں آپ کا دخول ایک استاذ کی حیثیت سے ہوا تھا مگر بہت جلد آپ رئیس المدرسہ کے اعلیٰ منصب پر فائز ہو گئے۔ تاہم آپ کی محنت وکاوش صرف تدریس تک ہی محدود نہ تھی بلکہ آپ نے تصنیف وتالیف میں بھی اپنے جوہرِ کمال کا لوہا منوایا۔ آپ نے عقائد، فقہ واصولِ فقہ اور دیگر متنوع اسلامی موضوعات پر مبنی کئی کتب تحریر کیں جن میں سے عقیل المنال بإصلاح حسن المقال؛ التسهيد فى إثبات التقليد؛ المعراج الجسمانى فى الرد على القاديانى؛ تبشير الأصفياء بإثبات حياة الأنبياء؛ رفيق الطريق فى أصول الفقه؛ نسخ التوراة و الإنجيل؛ تحفة الصوفية؛ تحفة السالكين؛ نور الإتقان؛ التحفة الإبراهيمية فى إعفاء اللحية جیسی مایہ ناز کتب اپنے زمان ومکان اور موضوع کے اعتبار سے عالمگیر اہمیت کی حامل کتابیں ہیں۔

تبلیغ وارشاد اور تدریس وتصنیف کے انہی مقدس فرائض کی انجام دہی میں محو تھے کہ 28 محرم الحرام 1310ھ کو آپ نے داعیِ اجل کو بحسن وخوبی لبیک کہا اور واصل

بالحق تعالیٰ ہو گئے[1] مگر علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ کے دل و دماغ میں آپ ہمیشہ موجود رہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ اکثر حضرت حافظ رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر عقیدت کے ساتھ کیا کرتے اور آپ کی تعلیمات کو عام کرانے میں کوشاں رہتے۔ اسی سلسلے میں آپ نے ان کی معروف کتاب التحفۃ الابراھیمیۃ فی إعفاء اللحیۃ کا اردو ترجمہ بھی کیا۔ علاوہ ازیں علامہ موصوف کی اپنی تصانیف میں بھی حافظ مشتاق احمد چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے اثرات واضح طور پر نظر آتے ہیں۔

علامہ مفتی غلام رسول امرتسری:

حضرت علامہ مفتی غلام رسول امرتسری کا شمار ان نامور شیوخ و اساتذہ میں ہوتا ہے جن میں قول و فعل اور علم و عمل کا اجتماع بکمالِ شان جلوہ گر تھا۔ علامہ موصوف کے آبا و اجداد کا تعلق کشمیر سے تھا جہاں سے وہ ہجرت کر کے امرتسر میں سکونت پذیر ہو گئے تھے[2] حضرت علامہ کی ولادت یہیں پر ہوئی اور یہیں پر آپ نے اپنے والدِ بزرگوار سے قرآن پاک اور ابتدائی کتب پڑھنا شروع کیں مگر اسی کم سنی میں آپ کے والدِ ماجد آپ کو داغِ مفارقت دے گئے۔ ان کے وصال کے بعد بقیہ کتب آپ نے اپنے بڑے بھائی سے پڑھیں۔

ابتدائی تعلیم کے بعد آپ حصولِ علم کی غرض سے باہر نکلے۔ سب سے پہلے کشمیر روانہ ہوئے جہاں آپ نے مفتی عزیز الدین اور مفتی عبد القدوس پاندانی سے اکتسابِ فیض کیا اور خصوصاً صرف و نحو میں تخصص حاصل کیا۔ بعد ازاں آپ امرتسر واپس آ گئے اور قاری عبد العلی اور مولانا حبیب اللہ سے زانوئے تلمذ تہ کیا، اور انہیں بزرگوں کی صحبت میں آپ نے اپنی تعلیم کی تکمیل کر کے سندِ فراغت حاصل کی۔

---

[1] ایضاً ص: ۷۵

[2] تاریخِ کشمیر: محمد دین فوق، ص: ۳۱۵ // تذکرۂ علمائے امرتسر: حکیم محمد موسیٰ امرتسری، ص: ۵۸

حصول سند کے بعد آپ شعبۂ تعلیم و تدریس سے منسلک ہو گئے اور عمر بھر تدریسی خدمات میں محور رہے۔ آپ کو رائج الوقت علوم میں اس قدر یدِ طولیٰ اور ملکۂ تدریس حاصل تھا کہ چار دانگِ عالم میں آپ کی شہرت پھیل چکی تھی۔ لہٰذا صرف ہندوستان سے ہی نہیں بلکہ ایران، افغانستان، بدخشاں اور بخارا سے بھی تشنگانِ علم جوق در جوق آ کر آپ سے اکتسابِ فیض کرتے تھے۔ (۱)

تاہم آپ کی زندگی صرف درس و تدریس کے حلقوں تک ہی محدود نہ تھی بلکہ آپ فنِ خطابت کے بھی امام تھے جسے آپ لوگوں کی ظاہری و باطنی زندگی سنوارنے کے لیے بھرپور طریقے سے استعمال کرتے تھے۔ لہٰذا آپ کے مصلحانہ و عالمانہ مواعظ، جن میں پر لطف انداز میں اصلاح اعمال و عقائد پر زور دیا گیا ہوتا تھا، عام و خاص میں بہت مشہور تھے۔ خطابت کے جوہر دکھانے کے ساتھ ساتھ اصلاح امت کے لیے آپ فتویٰ نویسی اور تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی کامیابی کے ساتھ کارفرما رہے۔ آپ کی معروف کتب میں سے **تحقیق المرام فی منع القراءة خلف الإمام؛ الإلهام الصحيح في إثبات حياة المسيح؛ اتفاق البررة التقي على أن سنة الجمعة لا تقضي على الخصوص** قابلِ ذکر ہے۔

علامہ غلام رسول رحمۃ اللہ علیہ خدمتِ انسانیت کے اسی بحرِ بیکنار میں پیراک تھے کہ 63 سال کی عمر میں 8 دسمبر 1902ء میں داعیِ اجل نے آپ کو آلیا اور آپ بصد اطمینانِ قلب عالمِ جاودانی کی طرف ماورائے زمان و مکاں کوچ کر گئے (۲) آپ کی نمازِ جنازہ میں ہزاروں لوگوں نے شرکت کی سعادت حاصل کی جس کے بعد آپ کو امرتسر میں ہی سپردِ خاک کر دیا گیا۔ (۳)

---

(۱) تذکرۂ علمائے امرتسر: ص: ۵۹-۶۰

۲ ایضاً: ص: ۶۶ // تاریخ کشمیر: ص: ۳۱۶

۳ تذکرۂ علمائے اہلسنت و جماعت، ص: ۶۷ // تاریخ کشمیر: ص: ۳۱۶

جلیل القدر علامہ غلام رسول رحمۃ اللہ علیہ اپنے خالقِ حقیقی سے واصل ہو گئے مگر اپنے پیچھے اپنے تلامذہ کی صورت میں ایک عظیم ابدی وراثت چھوڑ گئے۔ علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس علمی وراثت کا ایک عظیم الشان حصہ ہیں۔ حضرت توکلی رحمۃ اللہ علیہ کا علامہ غلام رسول رحمۃ اللہ علیہ سے تعارف وکسبِ فیض اس وقت وقوع پذیر ہوا جب 1896ء میں میونسپل بورڈ کالج امرتسر میں بطور پروفیسر آپ کا تقرر ہوا۔ ان ایام میں نابغۂ روزگار حضرت علامہ غلام رسول امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کا درسِ حدیث عروج پر ہوا کرتا تھا، اس کے ساتھ ساتھ فقہ وتفسیر اور معقولات کی تدریس میں بھی آپ اپنا ثانی نہ رکھتے تھے۔ علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ نے جب اس نابغۂ روزگار کے شہر میں قدم رکھا تو ان سے کسبِ فیض کی تڑپ دل میں پیدا ہوئی۔ لہٰذا فوراً آپ کے پاس حاضر ہو کر آپ سے زانوئے تلمذ تہ کر لیا اور پھر اکتسابِ فیض میں یہ تواضع وانکسار اختیار کیا کہ پروفیسر ہوتے ہوئے بھی دیگر طلباء کے ساتھ چٹائی پر بیٹھ کر حضرت عالیجناب سے اپنے اسباق پڑھا کرتے تھے۔ حضرت غلام رسول رحمۃ اللہ علیہ کی یہی صحبتِ عظیم تھی جس نے علی گڑھ سے تعلیم یافتہ نوجوان توکلی کی زندگی میں ایک انقلابِ عظیم برپا کر دیا۔ جس کی بنا پر اس عظیم درسگاہ سے فاضلِ اجل بن کر نکلے اور آسمانِ علم وحکمت پر آفتابِ درخشاں بن کر ہمیشہ کے لیے ضوافشاں ہو گئے۔[1]

علامہ شبلی نعمانی

علامہ شبلی نعمانی عہدِ استعمار کی وہ معروف شخصیت ہیں جنہیں سر سید احمد خان کے رفقائے کار میں شمار کیا جاتا ہے۔ علامہ شبلی نعمانی ضلع اعظم گڑھ کے ایک گاؤں "بندول" میں ایک معزز گھر میں پیدا ہوئے۔[2] ان کی ولادت پر سات روز تک

---

[1] صد سالہ تاریخ انجمن نعمانیہ لاہور: پیرزادہ اقبال احمد فاروقی، ص: ۲۸۱ // تذکرہ علمائے اہلسنت: ص: ۲۹۷

[2] یادگارِ شبلی: محمد اکرام شیخ، ص: ۲۸

اہلِ علاقہ کی ضیافت کی گئی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ علامہ شبلی نعمانی کے والدین کو بڑے انتظار کے بعد نرینہ اولاد کی خوشی ملی ہو گی جس کی بنا پر دیہاتی رسم و رواج کے مطابق اتنا عظیم الشان جشن منایا گیا۔ اسی نعمتِ غیر مترقبہ کا احساس تھا کہ آپ کا بچپن بڑے ناز و نعم میں گزرا۔ [1]

سرکاری اصول کے مطابق علامہ شبلی نے چھ سال کی عمر میں حصولِ تعلیم کا آغاز کیا۔ انہوں نے ابتدائی کتب اپنے گاؤں میں ہی پڑھیں جبکہ اصل تعلیم مدرسہ اعظم گڑھ میں مولانا محمد فاروق کی رہنمائی میں جاری ہوئی۔ یہاں سے فارغ ہوئے تو مولانا ارشاد حسین مجددی اور مولانا فیض الحسن سہارنپوری جیسے مشہور اساتذہ سے زانوئے تلمذ تہ کیا۔ [2] فارغ التحصیل ہونے کے بعد ء میں علامہ شبلی علی گڑھ کالج سے وابستہ ہو گئے اور یہی ادارہ ان کی شہرت و آبرو اور آئندہ ترقی کا باعث بنا۔ علی گڑھ سے یہی وابستگی تھی کہ وہ سر سید احمد خان کے براہِ راست اثر کے تحت آ گئے اس ضمن میں سید اختر وقار عظیم لکھتے ہیں کہ "علی گڑھ پہنچ کر انہوں نے مولویت چھوڑ دی"۔ [3]

دوسری طرف مغربی فلسفہ نے بھی ان کی ذات پر گہرے نقوش ثبت کئے مغرب میں اس علم کی ترقی کا اعتراف کرتے ہوئے وہ خود لکھتے ہیں:

> *موجودہ زمانے میں تاریخ کا فن ترقی کے جس پایا پر پہنچ گیا ہے اور یورپ کی دقیقہ سنجی نے اس اصول و فروع پر جو فلسفیانہ نکتے اضافہ کئے ہیں اس کے اعتبار سے ہماری قدیم تفصیلات ہمارے مقصد کے لئے بالکل ناکافی ہیں* [4]

---

[1] ایضاً: ص: ۲۶
[2] ایضاً: ص: ۳۴-۳۶
[3] سر سید سے اقبال تک: جاوید قاضی، ص: ۱۲۸
[4] ایضاً: ص: ۴۴۹

اسی طرح پروفیسر ٹی۔ ڈبلیو۔ آرنلڈ کے ساتھ آپ کو گہری محبت وانس تھا اور ان کی شخصیت کے اثرات بھی آپ کی زندگی میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ اس ضمن میں شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں:

"سرسید کے علاوہ ان کا دوسرا علمی محسن آرنلڈ تھا۔ آرنلڈ آنکہ رفیق است و ہم استاذ مرا۔ آرنلڈ سے انہوں نے فرانسیسی زبان سیکھی۔ مستشرقین اور مغربی علماء کی تصانیف تک براہ راست رسائی حاصل کی" [1]

جہاں تک علامہ شبلی نعمانی کی سیاسی زندگی کا تعلق ہے تو وہ نہ صرف خود نیشنل کانگریس کے حمائیتی تھے۔ بلکہ انہوں نے روایتی تعلیم یافتہ طبقے کو کانگریس کی سیاست کی طرف متوجہ کیا۔ [2]

دنیائے ادب میں علامہ شبلی نعمانی کی تاریخ نگاری ایک جداگانہ مقام رکھتی ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر اختر عظیم لکھتے ہیں: "علامہ شبلی کو اردو کا پہلا فلسفی مورخ کہا گیا ہے اور یہ بات بھی سچ ہے" [3] ادبیات اردو میں یہ بات خاص طور پر قابل اعتناء ہے کہ علامہ شبلی میں انشاء پردازی کی خداداد صلاحیت موجود تھی جسے انہوں نے خوب استعمال کیا اور متعدد کتب تصنیف کیں جن میں "سیرت النبی"، "علم الکلام"، "موازنہ انیس و دبیر" وغیرہ نے بڑی شہرت حاصل کی۔ درس وتدریس کا یہ سلسلہ جاری تھا جب انہوں نے 14 نومبر 1914ء کو داعی اجل کو لبیک کہا۔ [4]

[1] شبلی بحیثیت مورخ: وقار عظیم اختر، ص: ۵۴
[2] موج کوثر: شیخ محمد اکرام، ص: ۲۲۶
[3] سرسید سے اقبال تک، ص: ۱۲۴
[4] یادرفتگاں: سلمان ندوی، ص: ۲۹

علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ کو علی گڑھ میں علامہ شبلی نعمانی سے اکتساب فیض کا موقع ملا۔ لہذا آپ کی مہارات لسانیہ اور علوم شرقیہ میں حصول کمال میں دیگر اساتذہ کے علاوہ علامہ شبلی نعمانی کا بھی اہم کردار ہے۔ اس لیے کہ علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ کی حیات طالب علمی بغایت نمایاں اور امتیازی حیثیت سے گزری حتی کہ آپ سٹوڈنٹس فیڈریشن کے جنرل سیکرٹری بھی تھے۔ اس امتیاز کی وجہ سے لامحالہ انہیں علامہ شبلی کی قربت بھی حاصل رہی جس کی بناء پر ان سے کسب تعلیم کا آپ کو وسیع موقع ملا۔ تاہم بعد میں علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ کو علامہ شبلی کے عقائد و نظریات سے اختلاف ہوا اور انہوں نے علامہ شبلی پر نقد و جرح کی جس سے علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ نے ثابت کر دیا کہ جب بات علمی تحقیق کی ہو یا عقائد و نظریات میں اختلاف پیدا ہو رہا ہو تو احترام استاذ کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے علمی حقائق کو بیان کرنا اور احقاق حق واضح کرنا سوئے ادب نہیں ہے بلکہ یہ حسن تحقیق اور امانت علمی کی حقیقی پاسداری ہے۔

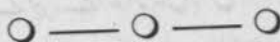
علامہ محمد نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ کے شیوخ و اساتذہ کے اس اجمالی تعارف سے عیاں ہوتا ہے کہ حضرت توکلی رحمۃ اللہ علیہ کتنے خوش بخت تھے کہ انہیں ایسے شیوخ سے دست بیعت ہونے کا شرف حاصل ہوا اور مایہ ناز اساتذہ سے کسب فیض ان کا مقدر ٹھہرا۔ جنہوں نے آپ کی ایسی علمی ادبی اور روحانی تربیت کی جس کا اظہار علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ کی ظاہری زندگی کے ساتھ ساتھ ان کی مایہ ناز تصانیف سے بھی ہوتا ہے اور علامہ موصوف پر انوار و کرم کے ابر سایہ فگن کیوں نہ ہوتے اور باران علم و ادب سے وہ کیوں نہ سیراب کیے جاتے کہ آپ کے اندر اپنے شیوخ اور اساتذہ کا ادب و احترام اور مودت و عقیدت بڑے گہرے انداز میں راسخ ہو چکی تھی جس کا بین ثبوت ان کی تحریرات ہیں۔ اس ضمن میں جناب توکلی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "گلشن اخلاق" جو انہوں نے طلبہ کی روحانی اور اخلاقی تربیت کے لیے تالیف کی تھی اس میں نہ صرف خود اس بات

پر عمل کرتے نظر آتے ہیں بلکہ تمام عالم اسلام کو یہ درس دیتے دکھائی دیتے ہیں کہ اپنے شیوخ واساتذہ کا ادب واحترام اوران سے کسب فیض دنیا وآخرت کی برکات کے حصول کا حتمی طریقہ ہے۔لہٰذا فرماتے ہیں:

* استاد روحانی باپ ہوتا ہے۔اس لئے اس کی تعظیم بھی باپ کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ کرنی چاہیے۔شاگرد کو چاہیے کہ استاد کے سامنے ادب سے رہے اس کے آگے ننگے سر سے نہ بیٹھے جب وہ خفا ہوتو زیادہ کلام نہ کرے، اس کی جگہ پر نہ بیٹھے، ہمیشہ اس کی نسبت حسن اعتقاد رکھے * [1]

اسی طرح مرشد سے روحانی فیوض وبرکات کے حصول کے لئے اس نسخہ پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

* پیر کامل سے وہ ہی مرید فائدہ اٹھاتا ہے جو حسن عقیدت رکھتا ہو۔عزیزو استاذ کا حق کبھی نہ بھولو اگر کسی کے دل میں استاد کی محبت و وقعت نہیں تو یقین جانو کہ اسے بجز حرمان کچھ نصیب نہیں جو خادم ہوتا ہے وہ ایک روز مخدوم بن جاتا ہے * [2]



۱ گلشن اخلاق: نور بخش توکلی، ص: ۵۴

۲ گلشن اخلاق۔نور بخش توکلی۔ص

تیسرا باب
عہد توکلی رحمۃ اللہ علیہ کے تہذیبی و علمی احوال

علامہ محمد نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ نہایت فعال اور توانا شخصیت کے حامل تھے ان کی اس فعالیت اور جوش و خروش کی تحسینِ راست کے لیے ضروری ہے کہ آپ قدس سرہ العزیز جس تہذیبی و علمی ماحول میں پروان چڑھے اور اپنی زندگی کی بے پناہ مثبت توانائیوں کو بروئے کار لائے اس کا مختصر مگر جامع جائزہ لے لیا جائے تاکہ نفسیاتی و انسانیاتی اور ظاہری و باطنی سطح پر ہماری سامنے پروفیسر توکلی رحمۃ اللہ علیہ کی عظیم شخصیت کے وہ نہاں خانے منکشف ہو جائیں جو اس تہذیبی و علمی ماحول اور اس میں کارفرما عوامل کے تحت ترتیب پائے۔ موضوع کی نوعیت اور حدود کے مدنظر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سارے پس منظر و پیش منظر کی عملی اور سائنسی حد بندی درجِ ذیل دو عنواناتِ کبیرہ کے تحت کی جائے۔

تہذیبی و تمدنی احوال

کسی قوم کی تہذیب و تمدن کی تشکیل میں جو اہم ترین عناصر ہوتے ہیں وہ اس کا طریق معاشرت، طرزِ معیشت، اطوارِ مذہبیت، قرینۂ سیاست اور ان کے ماتحت وقوع پذیر ہونے والا اندازِ معاملت اور اسلوبِ موالات و مؤاخات ہے۔ گزرانِ اوقات کے ساتھ انسانی فکر و نظر میں جو تغیر و تبدل اور ارتقاء واقع ہوتا ہے وہ بھی انہی بنیادی عناصرِ ترکیبی سے پھوٹتا ہے اور اگر وہ حتمی توارث کا حامل ہو جائے تو بطور عوامل

انہی عناصر کا حصہ بن کر تہذیب وتمدن کی قوت یا کمزوری کا باعث بنتا ہے۔ حضرت توکلی رحمۃ اللہ علیہ کے دورِ حیات پر نظر ڈالی جائے تو نگاہِ تحقیق میں مندرجہ ذیل حقائق بخوبی اجاگر ہوتے ہیں۔

معاشرتی حالات

علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ نے جس ماحول میں آنکھ کھولی اور جہاں وہ پروان چڑھے وہ صدہا سالوں کی مخلوط معاشرت کا نتیجہ تھا اور جو تہذیب وتمدن پورے برصغیر میں چھائی ہوئی تھی وہ اسی اختلاط سے مرکب اور اسی ترکیب کی آئینہ دار تھی۔ تاریخی شہادت کے مطابق اس اختلاط کا باقاعدہ آغاز ۷۱۱ء میں اسوقت ہوا جب مسلمان قیدیوں کے دادرسی کے لیے محمد بن قاسم کی سربراہی میں مسلم افواج نے دیبل کے مقام پر راجہ داہر کی سرکوبی کر کے وہاں سلطنتِ اسلامیہ کا علم نصب کیا اور یہاں سے آگے پیش قدمی کرتے ہوئے ۷۱۳ء میں ملتان پر قبضہ جما کر اسلامی حکومت قائم کر دی[1] باقاعدہ اختلاط کا یہ نقطہ مرورِ ایام کے ساتھ ساتھ پھیلتا ہی گیا یہاں تک کہ اس وسیع و عریض دائرے کی شکل اختیار کر گیا جس میں تمام تر برصغیر پاک وہند شامل تھا۔ ہندوستان میں آمدِ مسلم سے پیشتر ہندو آباد تھے جو کہ کلی طور پر ہندومت کے پجاری تھے۔ مسلمانوں کے قدومِ میمنت سے اس خطۂ ارضی پر آفتابِ اسلام کی نورانی کرنیں پڑنے لگیں اور ان نورانی کرنوں کو حق تعالیٰ نے یہاں پر وہ قیام عطا فرمایا کہ یہی کرنیں نور کے جھرنوں میں متبدل ہو کر قلزمہائے آب وتابِ جاوداں میں درافشاں ہو گئیں۔ پھر کیا تھا افکارِ تازہ اور تفکیراتِ درخشندہ کی تاثیراتِ ضوفشاں میں ہندوستانی تہذیب وتمدن نے نئی کروٹیں لینا شروع کر دیں۔ اسلام، اسلامی تعلیمات اور صوفیائے مبلغین کی عملی تمثیلات اور تطبیقی مساعی سے صرف یہی نہ ہوا کہ ہندو جوق

[1] آبِ کوثر، ص: ۲۳-۲۴

درجوق حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے اور ایک متوازی اسلامی تہذیب نمودار ہونے لگی بلکہ یہ بھی ہوا کہ اسلامی تاثیرات اور مسلم معاشرت کے تحت خود ہندو معاشرت اور مذہب میں تجدید کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اس طرح سے دو معاشرتی سطحیں ابھریں: ایک معاملاتی و ظاہری؛ اور دوسری مؤاخاتی و باطنی۔ یہ دونوں سطحیں اگرچہ کئی نقاط پر سلکِ ترابط میں پروئی رہتی تھیں تاہم بہت سے مقامات پر متصادم بھی تھی جس سے ان کی الگ الگ شناخت قائم تھی اور یہی شناخت برصغیر پاک و ہند کی تہذیب و تمدن کی علامت بن چکی تھی۔

تصادم کے بغایت واضح پہلو مؤاخاتی و باطنی سطح پر تھے اس کی ایک عمدہ جھلک ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

"In spite of a superficial similarity in architectural forms, the houses were quite differently planned. The Muslim houses would be spacious, airy and more open to light. A smaller area would be covered to ensure larger space for sitting out in the mornings and the afternoons and also for catching the breeze during the hot nights. The Hindu house would, in same area, have more building, the rooms and verandahs would be smaller and there would be less space left open to the sky.............The Hindu house almost invariably exuded a sense of secretive exclusiveness which was not found in Muslim houses." [1]

[تعمیرات میں سطحی مشابہت کے باوجود،

[1] The Struggle For Pakistan: Dr. Ishtiaq Hussain Qureshi, p.10-11

مکانات کے نقشے بالکل مختلف ہوتے تھے۔ مسلم مکانات وسیع، ہوادار اور روشنی کے گزران کے لیے زیادہ کشادہ ہوتے تھے۔ صبح و مسا باہر بیٹھنے اور گرم راتوں کو ہواخوری کے لیے کمتر جگہ پر تعمیر کی جاتی تھی۔ جبکہ اتنی ہی جگہ میں ہندو مکان میں زیادہ تعمیر ہوتی تھی، کمرے اور برآمدے زیادہ چھوٹے اور کھلی فضاء کے لیے کمتر جگہ چھوڑی جاتی تھی.......... ہندو مکان تقریباً غیر تغیر پذیر طور پر پراسرار اختصاص کا مظاہرہ کرتا تھا جو کہ مسلم مکانات میں نہ تھا]

بودوباش اور حسنِ معاشرت میں مسلم فراخدلی اور وسیع النظری اور ہندو تنگ نظری صرف خانگی تعمیرات سے ہی مترشح نہ ہوتی تھی بلکہ اس کا عمدہ مظہر مسجد اور مندر کی عمارات تھیں۔ مسجد جہاں میناروں، گنبدوں اور محراب دار وسیع ہال سے مزین ہوتی تھی وہاں مندر تنگ و تاریک گوشوں کا حامل ہوتا تھا جن میں مختلف بت اور مورتیاں رکھی ہوتی تھیں جنہیں چراغوں سے روشن کیا ہوتا تھا جن کی لو میں پجاری قطار بنا کر اس دیوتا یا دیوی کی پوجا پاٹ کرتے تھے غرضیکہ پراسراریت اور تنگ فضاء ہندو مندر کا خاصہ تھا۔

تعمیرات کے علاوہ دیگر شعبہ ہائے معاشرت میں یہی باطنی پہلو جلوہ گر تھا۔ لہٰذا اکثر صورتوں میں مسلم لباس ہندو ملبوسات سے جداگانہ تھا اور اسی اعتبار سے آدابِ نشست و برخاست میں بڑی حد تک اختصاص نمایاں تھا۔ دوسری طرف گھریلو استعمال کے برتنوں کی شکل و شباہت تک میں بھی اختلاف تھا تاہم اس مقام پر یہ

بات بھی ملحوظِ نظر رہنی چاہیے کہ مخلوط معاشرت میں تاثیر و تاثر دونوں ہی کارفرما ہوتے ہیں لہٰذا گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ روزمرہ استعمال کی اشیاء میں صوری اختلاف کافی حد تک ختم ہو چکے تھے لہٰذا اکثر ہندوؤں نے انہیں برتنوں کا استعمال شروع کر دیا تھا جنہیں مسلمان استعمال کرتے تھے اسی طرح ایسے کئی برتنوں کو جن کی عمومی تخصیص ہندوؤں کے ساتھ تھی مسلمان استعمال کرنے لگے تھے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ مسلمانوں کی اکثریت خود ہندو مذہب سے ہی دائرۂ اسلام میں داخل ہوئی تھی لہٰذا فطری تقاضوں کے برعکس تھا کہ نومسلم اپنی گذشتہ تہذیب و تمدن کے ایک ایک ریشے کو ترک کر دیتے اور ایک ایسی تہذیب کو اپناتے جس کے خد و خال ان پر واضح تھے نہ ہی تمام عالمی مسلم معاشروں میں یکساں تھے۔ اور تاریخِ عالم اس بات پر شاہد ہے کہ تہذیبی معرکوں میں کلی ترک اور کلی قبولیت کبھی وقوع پذیر نہیں ہوتی، بلکہ نئی تہذیب و ثقافت ہمیشہ جزوی ترک اور جزوی قبول سے تشکیل پایا کرتی ہے۔ گویا جہاں نظریاتی تصادم ہو وہاں ترک اور جہاں یہ تصادم نہ ہو وہاں قبول واقع ہوا کرتا ہے۔ یہ وہ بنیادی فطری اصول ہے جس سے کوئی ذی شعور انکار نہیں کر سکتا۔ اسی لاشعوری فطری اور نفسیاتی اصول کے تحت جب ظہورِ اسلام ہوا تو عرب مسلم تہذیب نے جنم لیا اور جب نورِ اسلام دوسرے علاقوں میں پھیلا تو بھی یہی اصول کارفرما ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر مسلم علاقے کی تہذیب و ثقافت دوسرے مسلم علاقہ سے منفرد ہے اگرچہ تمام مسلم تہذیبوں میں بنیادی نظریاتی اشتراکات موجود ہیں اور یہ بھی فطری اور طبعی ہیں۔ لہٰذا جب اسلام برصغیر میں داخل ہوا اور اس کے انوارِ فیوضات و برکات سے یہاں کے باسیوں کے قلوب منور ہونے لگے تو یہی اصول کارفرما ہوا جس کے تحت ایک نئی مسلم ہندوستانی تہذیب و ثقافت نے جنم لیا جس کا بنیادی خمیر اسلامی قواعد و ضوابط اور عقائد و نظریات سے تیار ہوا اور اس کے تحت رد و قبولیت کے طویل ارتقائی عمل کے نتیجہ میں

ایک منفرد اور یگانہ مسلم تہذیب قرطاسِ ہستی پر نمودار ہوئی۔ اس کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جاسکتا ہے کہ صدیوں کے باہمی رہن سہن کے باوجود بھی ہمیشہ مسلم تہذیب ہندو تہذیب سے الگ نظر آتی ہے باوجودیکہ مشترکات کثیر ہیں مگر مختلفات بھی کثیر ہیں اور انہی مختلفات پر انفرادیت قائم ہے۔ اس حقیقت کا یک گونہ اظہار ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی نے مندرجہ ذیل مؤثر انداز میں کیا ہے:

"Islamic Culture in the Subcontinent was neither entirely Arabian, nor Central Asian, nor Iranian. Nor for that matter was it simply a mixture of all these. Indian influences had crept into the life of the community. These occupied a minor and subsidiary position, nevertheless they contributed a local flavour to what otherwise would have been entirely foreign. In this manner was evolved the culture of the Muslim Community of the subcontinent, which was predominantly Islamic and Central Asian, but which evolved its own individuality."[1]

"برصغیر میں اسلامی ثقافت مکمل طور پر نہ عربی تھی اور نہ ہی وسطی ایشیائی یا ایرانی۔ اور نہ بایں وجہ یہ ان سب کا ملغوبۂ محض تھی، بلکہ مسلم معاشرہ میں ہندوستانی اثرات کا لاشعوری دخول ہو چکا تھا۔ اگرچہ ان کی نوعیت معمولی اور ذیلی تھی تاہم اس نے اس ثقافت کو مقامی رنگ دے دیا جو کہ اس کے بغیر کلیتاً

[1] The struggle for Pakistan: Dr. Ishtiaq Hussain Qureshi, p. 9

بدیسی ہوتی۔ اس طرح سے برصغیر کے مسلم
طبقہ کی ثقافت نے نمو پائی جو کہ غالب
حد تک اسلامی اور وسطی ایشیائی تھی مگر وہ اپنی
انفرادیت کے ساتھ ارتقاء کی منزلوں
میں سے گذری"۔

اس طرزِ معاشرت سے جو تہذیب وثقافت ترکیب پائی اس میں اسلامی اصول و عقائد بھر پور طور پر نمایاں تھے اسی بناء پر اہل ایمان میں باہمی افہام وتفہیم، اتحاد و مؤاخات اور موالات قائم تھی جس میں وہ غیر مسلم آبادی کو شریک نہ کرتے تھے اور نہ غیر مسلم آبادی انہیں اس میں شریک کرتی تھی۔ جبکہ ظاہری ومعاملاتی سطح پر اشتراکات موجود تھے لہٰذا بازاروں کی ہیئت، باہمی لین دین اور ظواہرِ حیات کی فعالیت میں اطوار وآداب میں مشابہت پائی جاتی تھی اور یہ وہ پہلو ہے جو کارزارِ حیات میں کارکردگی اور تعامل کا خواہاں ہے۔ لہٰذا اشتراک اس کا اولین تقاضا تھا ورنہ قومی و بین الاقوامی زندگی معطل ہو جاتی۔

برصغیر پاک وہند کی تہذیب وثقافت پر تاثیرات کی آخری کڑی مغربی تہذیب و تمدن ہے جس کے باقاعدہ اثرات اس وقت شروع ہوئے جب ء کی جنگ آزادی میں مسلمانانِ پاک وہند کی ناکامی کے بعد مسلم سلطنت کا اختتام ہو گیا اور حکومت ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھ سے نکل کر تاجِ برطانیہ کے سایۂ تاریک میں مستقل طور پر چلی گئی۔ اس عہدِ ظلمات میں مغربی تہذیب وتمدن کے اثرات ہندو مسلم تہذیب وثقافت پر نمودار ہونے شروع ہوئے ان اثرات کا خصوصی ذریعہ سرکاری ملازمین، انگریزی اداروں کے تعلیم یافتگان اور انگریزوں سے متعلقین بنے۔ لہٰذا حضرت توکلی رحمۃ اللہ علیہ کے عہد تک یہ اثرات باقاعدہ طور پر ہندوستانی تہذیب وثقافت کا

حصہ بن چکے تھے اگر چہ ان کی نمائندگی صرف ایک مخصوص گروہ تک محدود تھی مگر ثقافت وتمدن کی دبیز تہوں میں ان کا رسوخ ہو چکا تھا۔ جس کے نتیجے میں بود و باش، معاشرت ،خورد و نوش اور ملبوسات کے اطوار و آداب میں اعلی معاشرتی سطح پر تبدیلی وقوع پذیر ہو کر مخزنِ ثقافت میں مرتکز ہو چکی تھی۔

مذہبی محیطات

تہذیب وتمدن کے عناصرِ ترکیبی میں سب سے اہم تشکیلی عنصر مذہب ہوا کرتا ہے اور یہی واحد عنصر ہے جو دیگر عناصرِ ترکیبی میں قبول ورد کی صلاحیت پیدا اور توازن و تناسب کا معیار مقرر کرتا ہے جس سے متعلقہ تہذیب وثقافت کو انفرادیت اور بے چگونی حاصل ہوتی ہے۔ جب اہلِ ایمان برصغیر پاک وہند میں وارد ہوئے اور صوفیائے کرام نے قلوبِ ہند کو نورِ ایمان سے گرمانا شروع کر دیا اور جوق در جوق اہلِ ہند حیطۂ اسلام میں داخل ہونے لگے تو مذہب اسلام اور اس کے اصول وعقائد ہی فطری طور پر بنیادی عنصر قرار پایا جس کے تحت موجودہ مقامی اور نو وارد مسلم تہذیبوں سے رد و قبول کے ضمن میں توازن اور تناسب کا معیار مقرر ہوا اور گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ ایک ایسی منفرد مسلم ہندوستانی تہذیب وثقافت نے جنم لیا جو خود ہندو تہذیب اور بیرونی مسلم ثقافتوں سے ممتاز تھی۔ یہی وجہ ہے کہ صدیوں کے باہمی اختلاط اور رہن سہن کے باوجود مسلم تہذیب وثقافت اپنی بالمقابل ہندو تہذیب و ثقافت سے ہر آئینہ نمایاں رہی۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ہندو مذہب نے بہت سے اسلامی افکار ونظریات کو اپنے اندر اصولِ تاثریت کے تحت جذب کیا جو کہ ہندو تمدن وثقافت کا لاینحل حصہ بن گئے مگر اس کے باوجود اسلامی تہذیب وثقافت اور مذہب کے امتیازات اس قدر واضح اور گہرے تھے کہ اس نے ہمیشہ اپنی الگ شناخت کو برقرار رکھا کیونکہ حق یہ ہے کہ

خاص ہے ترکیب میں قوم رسولِ ہاشمی[1]

یہی وجہ ہے کہ ہندو مت اور اسلام کے درمیان ہمیشہ سے شدید تصادم رہا ہے عام مذہبی تہوارات ورسومات اور تحسیناتِ بطول سے لے کر لسانیاتی وادبی مظاہر تک اختلافات وتفرقات کی ایسی گہری اور وسیع خلیج حائل رہی جس کے پاٹ آپس میں کبھی ملنے نہ پائے اگرچہ اس کے باہمی ملاپ کے لیے شدومد سے کوشش بھی ہوتی رہی۔ کئی ہندو مصلحین ابھرے جنہوں نے موافقت وتطابق اور جذب کی سعیِ بلیغ کی مگر بے سود۔

امتیازاتِ عمیق کا یہی عالم صدیوں سے طاری تھا کہ برطانوی تخت وتاج سرزمینِ پاک وہند پر مسلط ہوگیا۔ برطانوی راج یہاں بھی اور دیگر مسلم علاقوں میں عملی طور پر اس تجربہ سے گذر چکا تھا کہ اسلامی معاشرت کو کسی بیرونی قوت سے نہیں توڑا جاسکتا بلکہ اس کے قلع قمع کا واحد راستہ اہلِ اسلام کے درمیان افتراق پیدا کرنا ہے۔ برطانوی تجزیہ نگار مختلف اسلامی ممالک میں خفیہ دوروں اور اپنی مخصوص جاسوسی ایجینسیوں کی تیار کردہ رپورٹس سے اس فیصلے پر پہنچے کہ اہلِ اسلام میں فرقہ سازی اس نہج پر کی جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہلِ بیت اطہار اور اولیائے کرام کی بابت ہمہ گیر تنقیص وتحقیر کو ہوا دی جائے تا کہ مسلمان ان حقیقی مراکزِ ایمان و دین سے دور ہوں اور عقائدِ اسلامیہ میں گہرا اور شدید فساد وخلل واقع ہوجائے جس کے نتیجے میں امتِ مسلمہ مختلف دھڑوں میں بٹ کر مکمل افتراق اور باہمی آویزش کا شکار ہوجائے جس کا حتمی ثمرہ مسلمانوں پر برطانوی تسلط کا قیامِ دائم اور تدمیرِ اسلام ہو گا۔

برصغیر پاک وہند کے اکثر علاقوں میں جب برطانوی سامراج قدم جما چکا تو

---

[1] کلیاتِ اقبال: علامہ محمد اقبال، ص: ۲۷۷

اس نے اپنی حکومت ہمیشہ قائم اور پرامن رکھنے کے لیے جو دو خصوصی ہتھیار آزمائے۔ ان میں سے پہلا تبشیرِ نصرانیت تھا جس کے تحت ایسٹ انڈیا کمپنی اپنے حکومتی خرچہ پر عیسائی پادری منگواتی تھی تاکہ نصرانی تبلیغ کے ذریعے سے یہاں کے باشندوں کو عیسائی بنایا جائے اور اس ترکیب سے وحدتِ مذہب کے بل بوتے پر برطانوی حکومت کا استحکام کیا جائے۔ حسبِ منصوبہ پادریوں نے مختلف ہندو اور مسلم علماء کو عام مناظرہ کے لیے چیلنج کرنا شروع کر دیا اور ساتھ ہی اسلام اور دیگر مقامی مذاہب پر گھناؤنے انداز میں حملے کرنا شروع کر دیئے۔ اس کی تاثیر کے تحت کچھ ہندو اور سکھ نصرانیت کی گود میں جا گرے مگر مسلمانوں کا معاملہ بہت ٹیڑھی کھیر ثابت ہوا کیونکہ علمائے اہل سنت و جماعت نے عیسائی چیلنج کا بڑا منہ توڑ جواب دیا۔ اس ضمن میں 1854ء میں بمقام آگرہ پادری فنڈر کے مقابلے میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ کا تاریخی مناظرہ خصوصی ذکر کا حامل ہے کہ اس میں فنڈر کو وہ شکستِ فاش ہوئی کہ شرم کے مارے وہ انگلستان کو بھاگ گیا[1] اس شرمناک شکست کے نتیجہ میں ایک یہ ہوا کہ تبشیری سرگرمیاں انتہائی محدود پیمانے پر رہ گئیں؛ مگر انہوں نے اپنا مشن جاری رکھا 1336ھ میں ینابیع الاسلام منظرِ عام پر آئی جس پر چرچ مشن حلقہ کو مبارک بادیں دیں گئیں، مگر فی الفور علامہ محمد نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ نے مصابیح الظلام لکھ کر ایسا دندان شکن جواب دیا کہ دنیائے کفر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ظلامِ کفر کے گھٹاٹوپ میں دبک کر رہ گئی۔ دوسرا یہ کہ انگریز مسلمانوں کی طرف سے مایوس ہو گیا، اسے پختہ یقین ہو گیا کہ اہلِ اسلام اس کے تبشیری نرغے میں کبھی نہیں آسکتے۔ لہٰذا مسلمانوں پر برطانوی تشدد بڑھ گیا اور اس کے ساتھ ساتھ شعوری اور لاشعوری طور پر ان سے زیادہ خائف رہنے لگا۔

[1] برطانوی مظالم کی کہانی: عبدالحکیم خان اختر شاہجہانپوری، ص: ۷۲

برطانوی استعمار نے جو دوسرا ہتھیار استعمال کیا وہ اہلِ اسلام کے اندر فرقہ سازی تھا برطانوی سامراج کی نگرانی میں اسی دور میں مزید فرقے بھی نمودار ہوئے تاہم اس کی انتہاء قادیانیت ہے جس کے بانی مرزا غلام احمد قادیانی نے نبوت کا ادعا کر دیا۔ اس صورتِ حال کی کسی حد تک عمدہ تصویر کشی کرتے ہوئے پروفیسر ابوزہرہ مصری رقمطراز ہیں:

لَقَدْ كَانَ الإِنْجِلِيزُ الَّذِيْنَ حَمَلُوا تِلْكَ الْمَدَنِيَّةَ الْأُوْرَبِيَّةَ إِلَى الْبِلَادِ الْعَتِيقَةِ يَصْطَفُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ الَّذِيْنَ تَأَثَّرُوا بِحَضَارَتِهِمْ، وَ يُدْنُونَهُمْ إِلَيْهِمْ وَيَجْعَلُونَ مِنْهُم حُكَّاماً بِاسْمِ أَنَّهُمْ مُسْلِمُونَ، وَ يُمَثِّلُونَ أَهْلَ الإِسْلَامِ فِي تِلْكَ الْبِلَادِ. لِذَلِكَ وُجِدَتْ فِي الْهِنْدِ طَوَائِفُ مُنْحَرِفَةٌ، وَلَعَلَّ أَظْهَرَهَا وَ أَقْوَاهَا وَ أَكْثَرَهَا نِشَاطاً مَعَ قِلَّةِ عَدَدِهَا هِيَ طَائِفَةُ الْقَادِيَانِيَّةِ[1]

"انگریز جو کہ اس مغربی تہذیب و ثقافت کو ان محکوم علاقوں میں لائے تھے وہ اپنے لیے ان مسلمانوں کا خصوصی انتخاب کرتے تھے جو ان کی تہذیب و ثقافت سے متاثر ہوتے تھے لہٰذا وہ انہیں اپنا مقرب بناتے، اور انہیں اعلیٰ عہدوں پر فائز کرتے تھے اور ان پر یہ ٹھپا لگاتے تھے کہ یہ ہیں مسلمان، اور یہی ہیں جو اس ملک میں اہلِ اسلام کے نمائندہ ہیں۔ اس وجہ سے ہند میں دین سے منحرف کئی گروہ ابھر آئے اور شاید قلتِ تعداد کے باوجود ان میں سب سے زیادہ نمایاں، قوی اور سرگرم گروہِ

1 تاریخ المذاہب الاسلامیۃ فی السیاسیۃ والعقائد و تاریخ المذاہب الفقہیہ: امام محمد ابوزہرہ، ص: ۲۱۴

قادیانیت ہے''۔

گویا برطانوی استعمار نے اہلِ اسلام میں نت نئے فرقوں کی تخلیق وافر سے برصغیر پاک وہند میں نہ صرف مسلمانوں کو باہمی آویزش کا شکار کر دیا تھا بلکہ ان فرقوں کے فتنہ انگیز اور کفریہ عقائد کی اشاعت کر کے نوجوانانِ اسلام کو بری طرح کی ذہنی تشویش اور الجھاؤ کا نشانہ بنا دیا تھا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ نئی مسلم نسل اسلام سے بیگانہ اور انگریزوں کا دم بھرنے لگی۔

ان طغیانی احوال میں بے مثال مذہبی بصیرت کے حامل علمائے اہلِ سنت و جماعت اہلِ اسلام کو غوایات سے بچانے کے لیے میدانِ عمل میں اترے جن میں علامہ فضل الحق خیر آبادی، شاہ مخصوص اللہ دہلوی، مولانا فضل رسول بدایونی، سید جلال الدین برہان پوری، مولانا نقی علی بریلوی، عبدالقادر بدایونی وغیرہ نمایاں ہیں جبکہ 1857ء کی جنگِ آزادی کے بعد ابھرنے والے امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ، ان کے خلفاء وتلامذہ، دیگر مشائخِ عظام اور حکیم الامت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

یہ ہیں وہ مذہبی احوال جن میں حضرت توکلی رحمۃ اللہ علیہ کی نہ صرف پرورش ہوئی بلکہ جن میں وہ جوان ہوئے، جن کی انہوں نے مواجہت بھی کی اور جن کا بڑی بہادری اور علمی استقامت سے مقابلہ بھی کیا۔ لہٰذا ایک مقام پر خود فرماتے ہیں کہ:

> *اس پرآشوب زمانہ میں ملکِ ہند میں کئی فتنے برپا ہیں، جو سب کے سب صراطِ مستقیم یعنی مسلکِ اہلسنت و جماعت سے منحرف ہیں* [1]

---

[1] سیرتِ رسولِ عربی: علامہ نور بخش توکلی، ص: ۲۶

آپ کی اس روشن تفکیر سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ متنوع فرقوں کے ظہور سے جس طرح مسلمان مختلف ذہنی الجھاؤ، نفسیاتی پیچیدگیوں اور نفسانی رکاکتوں کا تر نوالہ بنتے جا رہے تھے آپ کے اندر اس کا عمیق احساس موجود تھا اور حسبِ توفیق آپ نے اسے دور کرنے کی پوری جد و جہد کی۔

سیاسی حالات

تہذیب وثقافت کے تکوینی عناصر میں سے ایک اہم ترین عنصر سیاست ہے کیونکہ مذہب جس معاشرہ کی تخلیق کا خواہاں ہے اسے ترتیب وتہذیب اور تنسیق و تکمیل کی ضرورت ہوتی ہے تا کہ وہ معاشرہ ایک قومی وجود کے طور پر بین الاقوامی معاشرت میں دیگر اقوامِ عالم کے ساتھ مربوط ہو کر اپنے وجود کا لوہا منوا سکے۔ معاشرہ کو یہ ترتیب وتہذیب اور تنسیق و تکمیل دینے والا بنیادی عنصر سیاست ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں سیاست دین سے کبھی الگ نہیں رہی بلکہ امورِ اسلامیہ میں اسے ہمیشہ سے اساسی حیثیت حاصل رہی ہے۔ اسی بناء پر کتبِ فقہ وکلام میں امامت اور اس سے متعلقہ امور پر خصوصی ابوابِ مباحث باندھے جاتے ہیں۔ لہٰذا اسلام کا شروع سے یہی نظریہ رہا ہے کہ:

جلالِ پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو (۱)
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

حضرت علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ بالِ جبریل میں مغربی نظریۂ سیاست اور اسلامی نظریۂ سیاست کا تقابل کرتے ہوئے مزید فرماتے ہیں:

کلیسا کی بنیاد رہبانیت تھی — سماتی کہاں اس فقیری میں میری
خصومت تھی سلطانی و راہبی میں — کہ وہ سربلندی ہے یہ سربزیری
سیاست نے مذہب سے پیچھا چھڑایا — چلی کچھ نہ پیرِ کلیسا کی پیری

ہوئی دین و دولت میں جس دم جدائی ہوس کی امیری، ہوس کی وزیری
دوئی ملک و دیں کے لیے نامرادی دوئی چشمِ تہذیب کی نابصیری
یہ اعجاز ہے ایک صحرا نشیں کا بشیری ہے آئینہ دارِ نذیری
اسی میں حفاظت ہے انسانیت کی کہ ہوں ایک جنیدی و اردشیری [۲]

یہی وجہ ہے کہ سیاست و مذہب میں افتراق پر مبنی ہر قول کو ہمیشہ سے اہلِ اسلام نے قرآن وسنت کے براہِ راست متصادم ہونے کی بناء پر بدعتِ ضالّہ کہا ہے اور اس پر ایمان رکھنے والا کافر۔ اسی بناء پر تاریخِ اسلام کے قرطاسِ زریں پر نظر ڈالیں تو ہمارے سیاست دان ہمیشہ سے ہمارے علمائے کرام اور مشائخِ عظام ہی رہے ہیں اور خلفاء وسلاطینِ اسلام نہ صرف جید عالم ہوتے تھے بلکہ علماء ومشائخ سے تمام امورِ سیاسی میں مشورہ لیتے اور اس پر عمل پیرا ہوتے تھے۔

برصغیر پاک وہند میں جب اسلامی سلطنت قائم ہوئی تو اس کی سیاست کی بنیاد بھی اسی بنیادی نظریہ پر فطری طور سے استوار ہوئی لہٰذا جب برطانوی سامراج نے اپنے ناپاک قدم اس دھرتی پر رکھے اور اہلِ اسلام کو سلاسلِ غلامی میں جکڑنا شروع کیا تو اس وقت بھی علماء ومشائخ عظام ہی قومی بیداری اور بین الاقوامی سیاست کے میدانِ کارزار میں سرگرمِ عمل ہوئے۔ اس سرگرمی کا سب سے عظیم عملی مظاہرہ 1857ء کی جنگ آزادی تھی اس جنگ کی بنیادی وجہ انگریز استعمار کی برصغیر پاک و ہند پر جمتی ہوئی قوت تھی جسے دوام دینے کے لیے انگریز نے خود مسلمانوں کے اندر متعدد بے دین دہشت گرد پیدا کر دیئے تھے جنہوں نے خاص طور پر پنجاب اور سرحد میں اہلِ اسلام کو ذبح کر کے مسلم خون سے ہولی کھیلی تھی اور اپنے غیر اسلامی عقائد کی اشاعت کر کے مسلم وحدت اور قوت دونوں کا شیرازہ بری طرح سے بکھیر دیا تھا۔ گویا غداروں کی ریشہ دوانیوں اور انگریزوں کی انتہائی متعصبانہ پالیسیوں نے

مسلمانانِ پاک وہند کو آزادی کے حصول کے لیے ایک حتمی کوشش کرنے پر آمادہ کیا۔ جنگِ آزادی کے سرخیل جنرل بخت خان اور علامہ فضل حق خیر آبادی تھے اور دیگر اعیانِ ملت بھی انہی کے ہم رکاب تھے ان میں اہم ترین سید کفایت علی کافی مراد آبادی، مولانا عبدالجلیل شہید علی گڑھی، مولانا سید احمد اللہ شاہ علی گڑھی، مولانا مفتی صدرالدین خان آزردہ، مفتی عنایت احمد کاکوروی، مولانا فیض احمد بدایونی، مولانا رضا علی خان بریلوی اور ان کے بیٹے مولانا نقی علی خان، مولانا امام بخش صہبائی، مولانا فضل رسول بدایونی، ڈاکٹر وزیر خان اکبر آبادی، مولانا وہاج الدین مراد آبادی وغیرہ سینکڑوں علماء ومشائخ شامل ہیں جنہوں نے جنگ آزادی میں سرگرم حصہ لیا۔ "بعض میدانِ جنگ میں مارے گئے تو بعض کو گولی کا نشانہ بنایا گیا، کتنے ہی تھے جو پھانسی پر لٹکائے گئے اور کئی حضرات کو بعبور دریائے شور کی سزا دی گئی"۔ [1]

1857ء کی جنگِ آزادی اگرچہ ناکام ہو گئی لیکن علامہ فضل حق نے مسلمانانِ برصغیر پاک وہند کے اندر تحریکِ آزادی کی جو شمع فروزاں کر دی تھی وہ ہمیشہ کے لیے اہلِ اسلام کو روشنی مہیا کرتی رہی لہٰذا کاروانِ اسلام متواتر برطانوی استعمار سے آزادی کی طرف باقاعدہ طور پر گامزن ہو گیا۔ دوسری طرف اس جدوجہد کے دوران پیش آمدہ تجربات سے مسلمانانِ پاک وہند پر واضح ہو گیا کہ انہیں صرف انگریزوں اور ہندوؤں سے ہی باخبر نہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ خطرناک ودہشت انگیز اسلام کا لبادہ اوڑھے ہوئے برطانوی آلہ کاروں سے بھی چوکس رہنا ہوگا۔ ورنہ خوابِ آزادی کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا۔

آزادی کی جدوجہد اور پیکار نے برصغیر پاک وہند میں جس سیاسی ثقافت وتمدن کو جنم دیا اس میں نئی سیاسی جماعتوں کی تشکیل، مطالبات ومظاہرات، الیکشن، سیاسی

[1] برطانوی مظالم کی کہانی: ص: ۱۲۷،

رہنماؤں کی اٹھان اور حکومت و عوام کے مابین کشیدگی معمولاتِ حیات میں شامل ہو گئے۔ اس دورانیے میں مسلم قیادت کی طرف سے جو لیڈر نمایاں طور پر قومی و بین الاقوامی افق پر ظاہر ہوئے ان میں امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ مرکزی اہمیت کے حامل ہیں یہی وہ دو توانا شخصیات ہیں جنہوں نے ایک طرف اسلامی قومیت کے واضح خطوط متعین کر کے مسلمانانِ پاک و ہند کی سیاسی جدوجہد کی حتمی سمت نمائی کی اور دوسری طرف اپنے مقاصدِ حیات میں کامرانی کے لیے اہلِ ایمان پر عشقِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو لازمی قرار دیا۔ مسلمانانِ پاک و ہند نے انہی دو بزرگوں کی رشد و ہدایت کو اپنا سلیقۂ حیات بنالیا اور بالآخر 14 اگست 1947ء کو پاکستان کی صورت میں اپنا الگ وطن بنالیا۔

آزادی کے حصول کے لیے جدوجہد کی خشتِ اول حضرت فضل حق خیر آبادی نے رکھ دی تھی اب اس پر تعمیرِ عمارت کی ضرورت تھی اس ضمن میں ایک طرف تو انگریز گماشتے تھے جو ہمہ وقت انگریزوں کے اشارے پر ناچتے ہوئے ملتِ اسلامیہ کی سودا بازی میں مصروف تھے اور مسلمانوں کو ہر ممکن طریق سے نہ صرف ایمان سے محروم کرنے میں مشغول تھے بلکہ انہیں انگریزوں کے بے دام غلام اور بے مثال وفادار بنانے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے میں کوشاں تھے جس کی بناء پر برطانوی حکومت ان کو بھاری معاوضہ ادا کرتی تھی دوسری طرف علمائے حق کی وہ جماعت تھی جو انگریزوں اور انگریز گماشتوں دونوں کے خلاف عملی طور پر سرگرمِ عمل تھی تاکہ مسلمان عوام کے ایمان کو فساد و تکدر سے بھی بچایا جائے اور ان کے لیے آزادی بھی حاصل کی جائے۔ اس میدان میں نمایاں طور پر ابھرنے والی پہلی شخصیت امام احمد رضا خان بریلوی تھے اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ 1857ء کی جنگِ آزادی میں ناکامی کی بناء پر برصغیر پاک و ہند کی حکومت ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھ

سے نکل کر باقاعدہ طور پر برطانوی تاج کے تحت آ گئی تھی اور برطانوی سلطان کے سنگ ہی ہندوستان میں سیاسی سرگرمیاں تیز ہو گئی تھیں اس سلسلے میں نمایاں ترقی ء میں انڈین نیشنل کانگرس کا قیام تھا۔ سرسید احمد خان نے بالخصوص مسلمانوں کو کانگرس میں شریک ہونے سے منع کیا کیونکہ مسلمانوں کی اولین ضرورت انگریزوں سے دوستی گانٹھنا ہے جس کا حصول کانگرس میں شرکت سے حاصل نہیں ہو سکتا؛ دوم مسلمان بقول سرسید احمد خان تعلیمی اور معاشی اعتبار سے ہندو کے مقابل میں پست تھے؛ سوم، ہندوستان میں بہت سی اقوام، نسلیں اور طبقات آباد ہیں جنہیں ایک قوم بنتے بنتے مدت درکار ہو گی؛ چہارم، برطانوی طرز کے انتخابات میں صرف ہندوؤں کو فائدہ ہو گا جبکہ بقیہ طبقات بشمول مسلمانوں کے سب کو نقصان ہو گا۔ لہٰذا بقول ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی

"It was for these reasons that he opposed the introduction of competitive examinations for the entry into government service and the principle of election in local and legislative bodies. All this must wait until such time as the Indians developed a sense of real unity.[1]

''ان وجوہات کی بناء پر حکومتی ملازمت کے حصول کے لیے مقابلہ کے امتحانات کے آغاز اور مقامی اور قانون ساز مجالس کے لیے اصولِ انتخاب کی سرسید احمد خان نے

[1] The Struggle For Pakistan, p. 20—21

مخالفت کی۔ ان تمام اقدامات کو اس
وقت تک مؤخر کیا جانا چاہیے
جب تک ہندوستانی حقیقی وحدت کا شعور
حاصل نہیں کرلیتے''

گویا سرسید احمد خان کے خطرات کا تعلق مسلمانوں سے علی الخصوص بطور ایک الگ قوم کے نہیں تھا بلکہ ان کا تعلق تمام ہندوستانیوں سے تھا اور سرسید احمد خان کی تجویز ہندوستان میں آباد مختلف طبقات کے آپس میں شیر وشکر ہونے اور اس طرح سے حقیقی شعورِ وحدت کے حصول تک انتظار کرنے کی تھی۔ سرسید احمد خان کا تصور حقیقی معنوں میں کثیر قومی نظریہ (Multi-Nation Theory) یا زیادہ صحیح الفاظ میں کثیر الطبقاتی نظریہ (Multi-Communal Theory) کے گرد گھومتا ہے جس میں مسلمانوں کا ذکر طبقاتِ ہند میں سے ایک طبقہ کے طور پر تھا اس کا احساسِ غالب اس لیے تھا کہ خود سرسید احمد خان بھی اسی طبقہ سے منسوب تھے۔ کثیر قومی یا کثیر الطبقاتی نظریہ کسی صورت میں بھی مسلمانوں کے لیے قابلِ قبول نہ تھا۔ تاہم اس نظریہ نے اہلِ اسلام کے ذہنوں میں تشویش اور الجھاؤ کو بہر حال پیدا کر دیا اس کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جا سکتا ہے کہ ہندو اور مسلم ایک قوم میں ڈھلتے جا رہے تھے یہاں تک کہ ان میں نکاح اور شادی بیاہ کا انعقاد عام ہوتا جا رہا تھا۔ ان نازک حالات میں احمد رضا خان بریلوی سامنے آئے اور آپ نے فیصلہ کن انداز میں مسلم قوم کی سمت نمائی کی کہ مسلمان اور ہندو بہر رنگ و پیمانہ دو الگ الگ قومیں ہیں لہٰذا 1897ء میں سنی کانفرنس کے اجلاسِ پٹنہ میں آپ نے دوٹوک الفاظ میں دو قومی نظریہ پیش کرتے ہوئے فرمایا:

*میرے عزیز مسلمانو! ہندو الگ قوم
ہے اور مسلمان الگ قوم ہے۔ اور سنو! ہمارے

سرکار نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:
☆اَلْکُفْرُ مِلَّۃٌ وَاحِدَۃٌ☆ کفر ملتِ واحدہ ہے۔
کفر اگر برطانیہ کا ہو تو کفر ہے، کفر اگر امریکہ کا ہے تو کفر ہے، کفر اگر ہندوستان کا ہے تو کفر ہے کیونکہ کفر ایک ملت ہے یہ مت سمجھنا کہ امریکہ کا کفر اور ہے اور یہاں کا کفر کچھ اور ہے۔ تم نے ہندوستان کے کفر کو اختیار کرلیا ہے یہاں ہندو سے تو نے صلح کرلی ہے اور یہ سمجھے کہ انگریز حکومت دے کر جائے گا نہیں ایسا نہیں *(۱)

سرزمینِ پاک و ہند پر دو قومی نظریہ کے باب میں یہ پہلی واشگاف آواز تھی جو بلند ہوئی اور تاریخ کے دھارے کو یکسر بدل گئی اور بالآخر مسلمانانِ برصغیر کے مقدر کا ستارہ بن کر فلکِ حیات پر چھا گئی۔ تمام منصف مؤرخین نے اس حقیقت کا واشگاف الفاظ میں اعتراف کیا ہے۔ لہٰذا سید شجاعت علی قادری لکھتے ہیں:

لَوْ أَنْصَفْنَا لَقُلْنَا إِنَّ أَوَّلَ مَنْ قَدَّمَ هٰذِهِ النَّظَرِيَّةَ هُوَ الشَّيْخُ أَحْمَدْ رِضَا خَانْ رَحِمَهُ اللهُ(۲)

''اگر ہم انصاف سے کام لیں تو ہمیں کہنا پڑے گا کہ جس شخص نے سب سے پہلے یہ نظریہ (دو قومی نظریہ) پیش کیا وہ شیخ احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ ہی ہیں''

۱ تخلیق پاکستان میں علمائے اہل سنت کا کردار، ص:۶۶—۶۷
۲ مجلۃ الأمۃ: علامہ سید شجاعت علی قادری، ص:۱۳۰

جونہی آپ نے دوقومی نظریہ پیش کردیا سنی کانفرنس نے اس وقت سے اس پر کام شروع کردیا اور تحریر وتقریر کے ذریعہ سے تمام مسلمانانِ پاک وہند میں پھیلا دیا۔ اگرچہ ہندو، انگریز اور ان کے نام نہاد آلہ کار اس کی سخت مخالفت کرتے رہے لیکن عوام الناس میں یہ بات راسخ ہوگئی کہ مسلم مفادات کا تحفظ ہندو اکثریت کے مابین ناممکن ہے کیونکہ ان سے اختلاط وموالات شرعاً حرام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلم مفادات کے تحفظ کے لیے 1906ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کا قیام عمل میں لایا گیا۔ تاہم مسلم لیگ اور اس کے عمائدین گومگو کی کیفیت میں ہندو مسلم اتحاد کے لیے ہی کوشاں رہے۔ لیکن قومی وبین الاقوامی سطح پر ایسے بے شمار مسلم رہنما ابھر آئے جنہوں نے واضح طور پر اسی دوقومی نظریہ پر مبنی مسلمانانِ برصغیر کے مسئلہ کے حل کا مطالبہ کیا۔ اس ضمن میں آل انڈیا سنی کانفرنس کی لیڈر شپ نے نہایت سنجیدگی سے اپنی مہماتی مساعی جاری رکھیں اور کسی لمحے بھی یک قومی نظریہ کی طرف رجوع نہ کیا۔

یہی حالات تھے کہ 1914ء میں پہلی جنگِ عظیم چھڑ گئی اور جنگ کے خاتمہ پر دوقومی نظریہ اور یک قومی نظریہ کے مابین از سرِ نو گرما گرم پیکار شروع ہوگئی۔ اس کی بنیادی وجہ جنگِ عظیم کے اختتام پر ترکی پر کیے جانے والے انگریز ظلم وستم، ناانصافی اور خلافتِ عثمانیہ کا متوقع خاتمہ بنی۔ مسلمان رہنماؤں نے ترکی کو انگریزوں کی ناانصافی اور استبداد سے نجات دلانے اور ترک بھائیوں کے ساتھ یک جہتی کے اظہار کے لیے 1919ء میں تحریکِ خلافت کا آغاز کیا۔ اس میں سرگرم ارکان مولانا عبدالباری رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے مریدین محمد علی جوہر اور شوکت علی جوہر (علی برادران) تھے۔ تحریکِ خلافت کا جونہی آغاز ہوا گاندھی کی ہندو مکاری نے بھی اپنا جال پھیلا دیا وہ اس طرح سے کہ مسلمانوں کے جذبات کا استحصال کرتے ہوئے اس نے انگریزوں کے خلاف تحریکِ عدم تعاون شروع کردی اور اسے تحریکِ خلافت

میں ضم کر دیا جس کے نتیجہ میں ہندو مسلم اتحاد وموالات کے نعرے بلند ہونے لگے اور اس سلسلے میں بھرپور کوششیں ہونے لگیں۔ ان حالات میں دو گروہ بن گئے۔ ایک پٹی میں وہ حضرات پروئے ہوئے تھے جو انگریز نواز اور اسی کے فی الحال وظیفہ خوار تھے لہٰذا وہ کسی صورت میں بھی انگریز کی مخالفت برداشت نہ کر سکتے تھے یہی وہ گروہ تھا جو انگریز مخالف ہندو مسلم اتحاد کے خلاف تھا جبکہ دوسری پٹی ان حضرات کو لیے ہوئے تھی جو موقع کی مناسبت سے ہندوؤں سے قلبی گٹھ جوڑ کے حامی بن گئے، لہٰذا یہ گروہ انگریز کی پوجا پاٹ چھوڑ کر ہندو پوجا پاٹ میں سرگرم ہو گیا کیونکہ اب فوائد ادھر سے ہی نظر آرہے تھے۔

یہ وہ صورت حال تھی کہ جس میں کفر وایمان کے درمیان فرق ختم ہو چلا تھا عین اس وقت اعلیٰحضرت بریلوی میدانِ عمل میں اترے۔ آپ نے اپنی بے مثال سیاسی بصیرت اور بے چگوں فقاہت کا مظاہرہ کرتے ہوئے تحریکِ ترکِ موالات اور ہندو مسلم اتحاد کی بھرپور مخالفت کی اور اہلِ ایمان کو اس میں شرکت سے منع فرمایا، یہی وجہ ہے کہ جب علی برادران مرجعِ مسلمانانِ برصغیر امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس اپنی حمایت کے لیے آئے تو آپ نے دوٹوک الفاظ میں انکار کرتے ہوئے فرمایا:

> "مولانا میری اور آپ کی سیاست میں فرق ہے۔ آپ ہندو مسلم اتحاد کے حامی ہیں اور میں مخالف ہوں"

اس جواب سے علی برادران کچھ ناراض سے دکھائی دیئے تو آپ نے تالیفِ قلب کے لیے مزید وضاحت فرمائی کہ:

> "مولانا میں ملکی آزادی کا مخالف نہیں ہوں،

ہندو مسلم اتحاد کا مخالف ہوں*[1]

جب تحریک کی تخریب کاریاں حد سے بڑھ گئیں؛ دینِ متین میں تحریف بافیاں کفر و شرک تک پہنچ چکیں اور مسلمانوں کے سیاسی، معاشرتی، معاشی، اور مذہبی وقومی مفادات کو ناقابلِ تلافی نقصانات لاحق ہو گئے تو اہلِ اسلام کی اس شکستہ و دم بخود ناؤ کی سیاسی و مذہبی تجدید کے لیے اعلیحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کھل کر اپنی مہم تیز کر دی۔ اس ضمن میں آپ کی کتاب **المحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ** خصوصی طور پر قابلِ ذکر ہے جس میں آپ نے صاف صاف ارشاد فرمایا:

*موالات مطلقاً ہر کافر ہر مشرک سے حرام ہے اگر ذمی مطیعِ اسلام ہو، اگرچہ اپنا باپ یا بیٹا یا بھائی یا قریبی ہو۔ قال تعالی: لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ لَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ [المجادلۃ: ۲۲] حتی کہ صوریہ کو بھی شرعِ مطہر میں حقیقیہ کے حکم میں رکھا، قال تعالی: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَ عَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَ قَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ [الممتحنۃ: ۱] (اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ تم تو ان کی طرف محبت کی نگاہ ڈالتے ہو وہ اس حق سے

[1] انوارِ رضا، ص: ۴۷۵ // تذکرۂ مشائخ قادریہ: عبد المجتبی، ص: ۴۳۵ // تخلیق پاکستان میں علماء اہل سنت کا کردار، ص: ۶۷

کفر کر رہے ہیں جو تمہارے پاس آیا) یہ موالات قطعاً حقیقیہ نہ تھی..... تفسیر علامہ ابو السعود میں ہے: فِيهِ زَجْرٌ شَدِيدٌ لِلْمُؤْمِنِينَ عَنْ إِظْهَارِ صُورَةِ الْمَوَالَاةِ لَهُمْ وَإِنْ لَمْ تَكُنْ مَوَالَاةٌ فِي الْحَقِيقَةِ (اس آیہ کریمہ میں مسلمانوں کو سخت جھڑکی ہے اس بات سے کہ کافروں سے وہ بات کریں جو بظاہر محبت ہو اگرچہ حقیقت میں دوستی نہ ہو) مگر یہ صوریہ ضروریہ خصوصاً باکراہ..... اور معاملت مجردہ سوائے مرتدین ہر کافر سے جائز ہے جبکہ اس میں نہ کوئی اعانتِ کفر یا معصیت ہو یا اضرارِ اسلام و شریعت، ورنہ ایسی معاملت مسلم سے بھی حرام ہے چہ جائیکہ کافر۔ قَالَ تَعَالٰی: وَ لَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ[المائدۃ:۲] (گناہ و ظلم پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو[1]

یہ وہ سیاسی حالات ہیں جنہیں اگرچہ انتہائی اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے مگر جو فی الواقع پروفیسر توکلی رحمۃ اللہ علیہ کے اپنے ذاتی حالات ہیں کیونکہ جیسا کہ گذشتہ ذکر ہو چکا ہے کہ وہ علی گڑھ کالج سے فارغ التحصیل ہو کر 1896ء میں امرتسر کالج میں پروفیسر مقرر ہو چکے تھے جب 1913ء میں آپ گورنمنٹ کالج لاہور میں پروفیسر

[1] فتاوی رضویہ: المحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ: احمد رضا خان بریلوی، ج:۱۴، ص:۴۳۲—۴۳۳

متعین ہوئے تو فوراً دار العلوم انجمنِ نعمانیہ لاہور سے وابستہ ہو گئے۔ لہٰذا جب تحریکِ خلافت اور اس کے ساتھ تحریکِ ترکِ موالات کا ڈھونگ رچایا گیا تو ہر قرینہ گواہی دے رہا ہے کہ حضرت توکلی رحمۃ اللہ علیہ نے فعال کردار ادا کیا ہوگا کیونکہ آپ جیسی فعال ہستی کبھی بھی خاموش تماشائی نہیں بن سکتی۔ پھر اس کے ساتھ جب آل انڈیا سنی کانفرنس نے مسلم لیگ کے ساتھ اتحاد کر کے پورے برصغیر میں تحریکِ پاکستان چلائی تو علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس میں اپنا بھرپور اور توانا کردار ادا کیا تحریکِ پاکستان کے کلیدی لیڈران مثلاً علامہ اقبال، قائدِ اعظم، علامہ نعیم الدین مراد آبادی اور پیر جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہم سے رابطے میں رہے کیونکہ وہ اپنے وقت کے علمی، مذہبی، معاشرتی، سیاسی اور ادبی حلقوں میں متحرک قوت بن کر عمل پیرا تھے۔

معاشی و اقتصادی احوال

مذہب کے بعد تہذیب و تمدن کی تشکیل میں جو عنصر فیصلہ کن طریقے سے اثر انداز ہوتا ہے وہ اس علاقے کی معاشی اور اقتصادی حالت ہوتی ہے کیونکہ بہت سے رسوم و رواج اور عاداتِ معاملات اقتصاد و معیشت سے جڑ پکڑتے اور رواج پاتے ہیں جو دھیرے دھیرے تہذیب و ثقافت کا حصہ بن کر اس کی علامت ٹھہرتے ہیں۔ لہٰذا استعمار کے نفوذ کے بعد برصغیر پاک و ہند میں فطری طور پر جو معاشی و اقتصادی حالات پیدا ہوئے خود حضرت توکلی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے معاصرین پر اس کے واضح اثرات نمایاں ہیں بلکہ ''سیرتِ رسولِ عربی ﷺ'' کے دیباچہ طبع دوم میں صرف ایک جملے میں اپنے دور کے معاشی احوال کو قلم بند کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> * اس کے پہلے ایڈیشن کو علماء و مشائخ و عامۂ مسلمین نے باوجود عالمگیر جنگ و قحط کے جس قدردانی کی نگاہ سے دیکھا وہ نہایت

حوصلہ افزا ہے*[۱]

''عالمگیر جنگ وقحط'' کی ترکیب میں معاشی زبوں حالی اور اقتصادی تباہی کی جو دردناک تصویر کشی علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے اہلِ نظر پر مخفی نہیں ہے۔اس صورت حال کا آغاز انگریز استعمار کے ساتھ ہوا تھا جب ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان میں غداروں کی مؤثر جماعت پیدا کر کے یکے بعد دیگرے مختلف ہندوستانی ریاستوں کو اپنے زیرِ نگیں کرنا شروع کر دیا تھا اور عوام الناس میں وہ لوٹ مار مچائی کہ انہیں افلاس وادبار کی کھائیوں میں دھکیل دیا اور مسلمان چونکہ ہندوستان کے اصل مالک تھے اس لیے استعمار نے انہیں مفلوج وکنگال کرنے کے لیے ہر حربہ استعمال کیا۔لہٰذا بنگال و میسور فتح کرنے کے لیے جہاں اسے میر جعفر و میر صادق جیسے غدار مہیا ہو گئے۔وہاں ریاست ٹانک، پنجاب وسرحد میں مسلمانوں کے خون سے حولی کھیلنے کیلئے بہت سے غدار میسر آ گئے تھے۔استعمار نے ان غداروں کی مدد سے مسلمانوں کو کس طرح سے کسمپرسی کی کیفیت سے دوچار کر دیا تھا اس کا ایک خفیف سا اندازہ اس حقیقت سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ جنگِ بکسر 1764ء کے بعد لوٹی ہوئی دولت کے علاوہ "صرف بنگال سے انہوں (انگریزوں) نے تین کروڑ ستائیس لاکھ ستر ہزار آٹھ سو تینتیس (32770833) پاؤنڈ وصول کیے خاص نوابوں کی جیب سے جو رقم نکالی 2169665 پاؤنڈ تھی۔ان رقموں کے علاوہ اور بہت کچھ دیگر ذرائع سے وصول کیا گیا، جس کے ساتھ عوام وخاص کی رگوں تک کا خون کھینچ کر لندن چلا گیا۔حقیقت یہ ہے کہ بنگال کا رزق انہی دنوں ختم ہو گیا اور اس امیر صوبے پر ہمیشہ کے لیے افلاس دوڑ گیا''[۲] استعمار نے یہی سلوک بقیہ ریاستوں کے ساتھ کیا۔

---

[۱] سیرتِ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم: ص: ۲۸

[۲] ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی: محمد شفیع، ص: ۵۰

انگریز نے صرف اسی لوٹ مار اور غارت گری پر اکتفانہ کیا بلکہ ہندوستان کے ہر خاص وعام پر محتاجی اور دست نگری مسلط کرنے کے لیے ہندوستانی صنعت کی مکمل بیخ کنی کی ٹھان لی اس کی عمدہ مثال صنعتِ پارچہ بافی ہے۔ بنگال کے ریشمی اور سوتی کپڑے نفاست اور عمدگی میں پورے یورپ کو مات کر چکے تھے یہاں تک کہ فرانس اور اٹلی کی صنعتیں اس کے سامنے ناکارہ ہو چکی تھیں جب انگریزوں نے ہندوستانی سرمایہ انگلستان میں لیجا کر اسے صنعتی بنانا شروع کیا تو انہیں سب سے زیادہ خطرہ ہندوستان میں بنگالی پارچہ بافی سے لاحق ہوا۔ اس کا مقابلہ کرنے سے جب انہوں نے خود کو عاجز پایا تو یہاں کی صنعتِ پارچہ بافی کو تباہ کرنے کا فیصلہ کر لیا لہٰذا پارچہ بافوں کو مسلسل جرمانے کر کے، انہیں ناحق قید خانوں میں بند رکھ کر اور ان سے جبراً اپنی مرضی کے تجارتی عہد ناموں پر دستخط کروا کے بالآخر اس صنعت کو مکمل طور پر تباہ کر دیا۔ انگریزوں نے اسی جبر وتشدد اور دہشت گردی کا مظاہرہ پورے ہندوستان میں کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ:

> *1850ء تک مکمل طور پر انگریزوں نے یہاں کی صنعت و تجارت کو ٹھکانے لگا دیا اور ہندوستان سوئی تک کے لیے وہاں (انگلستان) کا محتاج ہو کر بیٹھ گیا۔ نہ تجارت رہی، نہ جہاز رہے۔ روٹی کے بھی لالے پڑ گئے۔ سلطنت، جائدادیں، عزتیں، یہ سب تو جا ہی چکی تھیں، صناعوں اور کارخانہ داروں کے طبقے کی تباہی نے قوم کی شومیِ قسمت کی داستان کو مکمل کر کے دلوں کے لیے ایک اور

مسلسل جراحت کا سامان مہیا کر دیا۔[1]

انگریز مداخلت فی الدین کے علاوہ اہلِ پاک وہند کی یہی مجموعی سیاسی و اقتصادی بربادی تھی جو کہ 1857ء کی جنگِ آزادی کا اہم باعث بنی۔ اسبابِ جنگ بیان کرتے ہوئے اشتیاق حسین قریشی رقمطراز ہیں:

> Economic exploitation, general impoverishment of the population, the uprooting of dynasties, indulgence in missionary activities by officials and the state patronage of proselytism to christianity created an atmosphere where it became possible for Hindus and the Muslims to make common cause agaist the alien rulers who, instead of building bridges between themselves and the subject peoples, had been deliberately destroying them because of racial pride and the false notion that isolation would add to their prestige.[2]

> [اقتصادی استحصال، آبادی کا عمومی افلاس، ریاستوں کا استیصال، افسروں کا مشنری سرگرمیوں میں اشتغال اور عیسائیت کی طرف ارتداد کی حکومتی سرپرستی...... یہ وہ اسباب ہیں جنہوں نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے لیے ایسے حکمرانوں کے خلاف

[1] ایضاً: ص: ۱۰۵

[2] Ulema In Politics: Dr. Ishtiaq Hussain Qureshi, p.184

اتحاد کو ممکن بنا دیا جو، اپنے اور محکوم اقوام کے
درمیان اتصالات پیدا کرنے کی بجائے،
اپنی نسلی مباہات اور اس خیالِ باطل کی
وجہ سے کہ علیحدگی ان کے وقار میں
اضافہ کا باعث بنے گی، انھیں شعوری طور پر
تباہ کرنے میں محو تھے]

ء کی جنگِ آزادی میں مسلم ناکامی کے بعد انگریزوں نے مسلم آبادی پر عرصۂ حیات مزید تنگ کر دیا۔ ان کی جائدادیں ضبط کر لیں، تعلیمی ادارے مسمار کر دیے اور جو بچ گئے وہاں سے فارغ التحصیل طلباء پر ملازمتوں کے دروازے بند کر دیے گئے، ہندوؤں کو عمومی قبولیت اور مسلمانوں کو عمومی نفرت کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا۔ اس پر مستزاد دو عظیم عالمی جنگوں کا وقوع ہے جس کی بناء پر تمام دنیا میں اقتصادی حالات دگرگوں ہو گئے اور مسلمانانِ برصغیر کی معاشی حالت جو کہ پہلے ہی بری طرح ابتر تھی مزید تنزل کا شکار ہو گئی۔ دوسری طرف اہلِ اسلام کی کچھ ذاتی وجوہات بھی تھیں جو ان کی معاشی بدحالی میں اضافہ کا باعث بنی۔

لہٰذا حضرت توکلی رحمۃ اللہ علیہ اس معاشی بدحالی اور اقتصادی نکبت میں پیدا ہوئے اسی میں پروان چڑھے اور حصولِ علم کے بعد اسی معاشی مسئلے کے تدارک میں مختلف ملازمتیں کرتے رہے یہاں تک کہ ایک موقع پر جب دینی فرائض کی ادائیگی میں انہیں دشواری کا سامنا کرنا پڑا تو انہیں اپنی ملازمت سے سبکدوش بھی ہونا پڑا۔

علمی وادبی ماحول

پروفیسر توکلی رحمۃ اللہ علیہ کا دور پرزور علمی وادبی سرگرمیوں سے معمور تھا۔ انگریز

سرپرستی میں نئے بدعت آماج فرقوں کا ظہور اور اس کے ساتھ ان کے آئمہ کی کفر وشرک سے اٹی ہوئی کتب کی اشاعت، پھر اس کے جواب میں علمائے اہلسنت کی کلامیانہ کتب کا ظہور، اہلِ سنت کے دینی اداروں کی حکومتی تخریب، اور اہلِ بدعت کے مذہبی استھانوں کی حکومتی تعمیر اور حوصلہ افزائی، مغربی طرز پر سرکاری اسکولز، کالجز اور یونیورسٹیوں کی ترویج اور مغربی تہذیب وتمدن کے جیالوں اور مشرقی اقدار سے بیگانوں کا ظہور، طباعت کا عموم اور اس کے ساتھ جدید صحافت کی ابتدا، اردو ادب میں انقلابی تبدیلیاں، اسالیب واصناف میں جدیدیت کا شیوع یہ وہ بنیادی وجوہات تھیں جنہوں نے ان سرگرمیوں کو نہ صرف جنم دیا بلکہ انہیں تیز تر بھی کیا اور یہ وہ سرگرمیاں ہیں جو کسی زندہ قوم کی نمایاں علامت ہوتی ہیں۔

اس ماحول کے پس منظر وپیش منظر پر اگر غور کیا جائے تو واضح طور پر اندازہ ہوتا ہے کہ عہدِ توکلی کے علمی وادبی حالات کس نہج پر چل رہے تھے اور سیاسی، مذہبی، معاشرتی، قومی اور بین الاقوامی سطح پر مابعد دور میں جن مسائل کی تدبیرات کی گئیں وہ اِسی دور کی پیداوار تھے۔ اِس دور میں سب سے بڑا مسئلہ جو اہلِ ہند کو لاحق ہوا وہ انگریز استعمار کے جمتے ہوئے قدم اور مسلم سلطنت کا اختتام تھا۔ اِسی بنیادی مسئلہ سے بقیہ تمام مسائل متفرع ہوئے، کیونکہ انگریزوں نے اپنے استبدادی قبضے کو دوام دینے کیلئے جو حربے استعمال کیے اُن میں سے اہم ترین حربہ ہندوستان میں آباد مختلف اقوام کے درمیان اور پھر ہر قوم کے اندر پھوٹ ڈالنا اور طرح طرح کے مذاہب اور فرقوں کی بنیاد ڈالنا تاکہ ساکنانِ برصغیر آپس میں برسرِ پیکارِ عمل رہیں اور انگریز استعمار کی طرف سے اُن کی توجہ ہٹی رہے۔ اور وہ یہاں کے باشندوں پر اپنے حکومتی دور کو طول دیتے رہیں۔ اور اپنے مزموم مقاصد کے حصول کیلئے اپنے خون آشام شکنجوں کو سخت سے سخت تر کرتے جائیں۔

تاہم اس تفرقانہ اور نظریاتی اختلافات کا نتیجہ یہ نکلا کہ علماء نے ایک دوسرے کے ردوابطال میں کتابوں کی کتابیں لکھ ڈالیں۔ جس سے اردو ادب کی ترقی میں بہت خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ اس سلاست وروانی، سہولت ونزہت اور عوامیت میں خطوطِ غالب نے خصوصی کردار ادا کیا۔ جبکہ شعرِ غالب نے اپنے مخصوص انداز میں فکری وعلمی انقلاب برپا کردیا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ "مرزا غالب ایک بہت بڑے فلسفی تھے اور ان کے اکثر اشعار حقائقِ فلسفہ کونہایت آسانی اور سادگی سے ظاہر کرتے تھے۔ وہ رموز وحقائقِ تصوف سے پوری طرح واقف اور فرقہ بندی اور مذہبی تعصّبات سے بالکل مبرا تھے" [1] اور اس کی نفسیاتی ساخت یہ تھی کہ "مرزا کے قصرِ شاعری کی مستحکم بنیاد ان کی جدت طرازی پر قائم ہے جس میں جدتِ تخیل، جدتِ طرزِ ادا، جدتِ تشبیہات، جدتِ استعارات، جدتِ محاکات، جدتِ الفاظ غرض ہر قسم کی جدتیں شامل ہیں" [2] یہی وجہ ہے کہ "غالب نے اقبال کی استثنائی مثال سے قطع نظر اردو کو سب سے زیادہ دلکش اور مقبول تراکیب عطا کی ہیں" [3] غالب کی خوش طالعی تھی کہ انہیں فضلِ حق خیر آبادی جیسے نابغۂ روزگار کی صحبت ومودت میسر آئی جنہوں نے نہ صرف ان کی شاعری کی اصلاح کی بلکہ ان کے افکار ونظریات اور عقائد کو بھی خوب نکھارا، انہیں جلا بخشی اور اعلیٰ علمی آفاقی سطح پر فائز کردیا۔ حضرت فضلِ حق رحمۃ اللہ علیہ خود عظیم الشان فلسفی اور ماہرِ علوم وفنون تھے اور اسی نہج پر انہوں غالب کی تربیت وتہذیب کی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ غالب کے سامنے ان کا کوئی ہمعصر نہ ٹھہر سکا بلکہ دنیائے ادب میں غالب آج تک غالب ہے۔

اسی دور میں مقتضائے حالات کے تحت اردو صحافت ابھری۔ اردو کا پہلا اخبار

---

[1] تاریخ ادبِ اردو: رام بابو سکسینہ، ص: ۲۴۷

[2] ایضاً: ص: ۲۴۶

[3] اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ: ڈاکٹر سلیم اختر، ص: ۱۷۸

ہفت روزہ" جامِ جہاں نما" تھا جو 1822ء میں کلکتہ سے جاری ہوا تھا[1] اس کے بعد 1836ء میں معروف" دہلی اردو اخبار" نکلا جسے مولانا محمد حسین آزاد کے والدِ گرامی مولوی محمد باقر نے جاری کیا تھا" اور اس کے بعد برصغیر کے گوشے گوشے میں بیسیوں اخبار نکل آئے"[2] ان میں زیادہ اہم لاہور سے 1850ء میں جاری ہونے والا" کوہِ نور"، سیالکوٹ کا" چشمۂ فیض"، ملتان کا" ریاض طور" لکھنؤ کا" لکھنؤ اخبار" وغیرہ اہم ہیں۔ 1857ء کی جنگِ آزادی میں انگریز نے مسلمانوں کے اخبارات و جرائد کو خصوصی تشدد کا نشانہ بنایا یہاں تک کہ" اس انقلاب نے مسلمانوں کو عملاً صحافت سے بے دخل کر دیا"[3] تاہم کاروانِ صحافت جامد نہیں ہوا بلکہ جنگِ آزادی کے بعد کئی ایسے اخبار نمایاں ہوئے جن کا تسلسل اس دور کے آخر تک قائم رہا اور انہوں نے برصغیر کی علمی و ادبی فضا میں مزید نکھار پیدا کیا۔ ان میں اہم ترین اخبارات" اودھ اخبار" جو 1858ء میں صادر ہوا، اور 1877ء میں نکلنے والا" اودھ پنچ" تھے۔ مؤخر الذکر اپنی علمی و ادبی خدمات کی وجہ سے ہمیشہ نمایاں رہا بلکہ طنز و مزاح اور ظرافت کا" سرچشمہ" تسلیم کیا جاتا تھا[4] یہی وہ اخبار ہے جس میں اکبر الہ آبادی بھی لکھا کرتے تھے۔ اسی زمانے میں سر سید احمد خان [1817ء1898ء] نے جہاں علی گڑھ کالج کی بنیاد رکھی وہاں چند ایک رسائل بھی نکالے جن میں "اخبار سائنٹیفک سوسائٹی" اور رسالہ" تہذیب الاخلاق" قابلِ ذکر ہیں۔

اس کے بعد امام احمد رضا اور حکیم الامت علامہ محمد اقبال نے اردو ادب میں بے مثال اور لازوال اضافہ کیا جس کی مثال رہتی دنیا تک قائم رہے

[1] صحافت پاکستان و ہند میں: عبدالسلام خورشید، ص: ۲۰
[2] داستانِ صحافت: عبدالسلام خورشید، ص: ۶۹
[3] صحافت پاکستان و ہند میں: ص: ۹۷
[4] ایضاً: ص: ۱۲۹

گی۔ان دو بیمثال نابغۂ روزگار شخصیات میں دیگر مشترکات کے علاوہ سب سے نمایاں مشترک بات یہ ہے کہ دونوں بزرگوں کے نزدیک مسلمانوں کے تمام مسائل کا حل صرف اور صرف عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اس کی ایک بنیادی وجہ یہ ہے کہ سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام قومیتِ اسلامیہ کی اصل ہیں لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پل بھر کا کٹاؤ، لمحہ بھر کی عدم توجہی قومیتِ اسلامیہ کی ترکیب میں فساد برپا کردیتی ہے؛ گویا اصولاً ثابت ہوا کہ جملہ فرائض فروع ہیں۔ اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے [1] کیونکہ مومن ان کا کیا ہوا اللہ اس کا ہوگیا۔ کافر ان سے کیا پھرا اللہ اس سے پھر گیا [2] یعنی

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں [3]

یہی وجہ ہے کہ

کھلے کیا رازِ محبوب و محب مستانِ غفلت پر
شرابِ قدرَأی الحق زیبِ جامِ مَنْ رآنِی ہے [4]

لہٰذا

دل ہے وہ دل جو تری یاد سے معمور رہا
سر ہے وہ سر جو ترے قدموں پہ قربان گیا [5]

وجہ یہ ہے کہ

---

[1] حدائقِ بخشش [حصہ اول]: اعلیحضرت بریلوی، ص:۱۲۹
[2] ایضاً، ص:۲۶
[3] کلیاتِ اقبال، ص:۲۳۷
[4] حدائقِ بخشش [حصہ اول]، ص:۱۱۹
[5] ایضاً، ص:۲۷

وہی نظرِ شہ میں زرِنکو جو ہو ان کے عشق میں زرد رو
گل خلد اس سے ہو رنگ جو یہ خزاں وہ تازہ بہار ہے [1]

پھر کیوں نہ ہو

الرُّوحُ فِدَاكَ فَزِدْ حَرْقًا یک شعلہ دگر برزن عشقا
موراتن من دھن سب پھونک دیا یہ جان بھی پیارے جلا جانا [2]

ان دونوں عباقرِ بے چگوں کی طرف سے عشقِ رسولِ عالمگیر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پہلی بنیادی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر آئینہ اصلِ ایمان وکُلِ ایمان ہیں۔ دوسری بنیادی وجہ اس دور کے وہ حالات تھے جن میں ہر طرف کفر وشرک کی آندھیاں بپا تھیں اور یہ سب تنقیصِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام پر مرکوز تھیں کیونکہ انگریز اور ان کے تخلیق کردہ فرقے جانتے تھے کہ جب تک نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توقیر وعزت مسلمانوں کے دل سے نہ نکالی گئی یا کم نہ کی گئی اس وقت تک نہ مسلمانوں کو انگریز پرست بنایا جا سکتا ہے اور نہ اسلام کی کماحقہ بیخ کنی کی جا سکتی ہے۔

بالخصوص حکیم الامت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خیالات ونظریات کی اشاعت کے لیے شاعری کا انتخاب کیا۔ آپ کی شاعری میں جامعیت، عالمگیریت، شمول وہمہ جہتی اور آفاقیت کے عناصر کسی بھی شاعر سے زیادہ اور مستقل ہیں۔ امتِ مسلمہ نے اسی وجہ سے آپ کو "شاعرِ مشرق" اور "حکیم الامت" جیسے وقیع القابات سے یاد کیا۔ آپ کی قادر الکلامی، ندرتِ خیالات، رفعتِ افکار، تاثرِ قرآن وسنت، تخلیقِ لایزال، ترتیب وتہذیبِ نظریات، دردمندی وآرزومندی کی نظافت اور لذتِ دروں بینی کا کمال ہے کہ آپ عالمِ آب وگل کے سب سے بڑے فلسفی شاعر قرار

[1] ایضاً [حصہ دوم]، ص: ۸۲
[2] ایضاً [حصہ اول]، ص: ۲۲

پائے اور آپ کی تاثیر جیسی آپ کے اپنے عہد میں تھی ویسی ہی آج بھی ہے۔ عرب و عجم کا شاید ہی کوئی شاعر ہو جو آپ کے طلسمِ تاثیر سے آزاد ہو، اور انقلاباتِ عالمِ اسلام میں شاید ہی کوئی ایسا انقلاب ہو جس کا مہیج آپ کے سوا کوئی اور ہو۔

الغرض عہدِ توکلی تہذیب وثقافت اور علم وعرفان کے گونا گوں رنگوں سے آراستہ ہے۔ اس آراستگی و پیراستگی میں علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ محض خاموش تماشائی نہ تھے بلکہ اس میں سرتاپا شریک بھی تھے۔ یہاں تک کہ آپ کے علمی شاہکاروں کے علاوہ صحافتی کارنامے بھی قابلِ ذکر ہیں کیونکہ آپ نے ان رسائل کے ذریعے سے جن کے آپ ایڈیٹر رہے اہلِ ہند کی نمایاں خدمت انجام دی۔ آپ کے تعلیمی وتدریسی کارناموں، علمی شہپاروں اور صحافتی خدمات پر ایک طائرانہ نظر سے ہی یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ آپ صرف اپنے ماحول کی جاندار پیداوار ہی نہ تھے بلکہ ایک مؤثر محرک شخصیت کے طور پر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے گرانقدر ادبی و علمی شاہپارے اس حقیقت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔



چوتھا باب

درس و تدریس و تعارف کتب

صفحاتِ ماتقدم میں ہم نے بمقتضائے تسلسلِ مضمون علامہ نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ کی درسی سرگرمیوں کا اشاراتی انداز میں ذکر کیا ہے۔ لیکن فکری اعتدال اور تفکیری توازن کا تقاضا ہے کہ اب وہ موقع آ گیا ہے جہاں آپ کی نہ صرف درسی زندگی بلکہ تدریسی حیات کا بھی تنقیدی جائزہ لیا جائے اور ان مصروفیات کے نتیجے میں کتب کی صورت میں جو علمی ثمرات آپ سے صادر ہوئے ان کا مختصر تذکرہ بھی کر دیا جائے تا کہ آپ کی توانا شخصیت کے زاویہ ہائے فکر و نظر کی تعیین میں آسانی رہے۔ اس تناظر میں برمحل ہے کہ بات آپ کی ابتدائی تعلیم سے شروع کی جائے۔

درس و تدریس

ہر معلمِ عظیم کی زندگی دو حصوں پر مشتمل ہوتی ہے ایک وہ جس میں وہ حصولِ تعلیم میں مصروف رہا؛ اور دوسرا وہ جو اس نے دوسرے بنی نوعِ انسان کی تعلیم و تدریس کے لیے وقف کیا۔ اس اعتبار سے ہم نے علامہ پروفیسر توکلی کے حیاتِ درس و تدریس کو دو حصوں میں منقسم کیا ہے تا کہ مدلل انداز میں عملی طور پر یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جائے کہ اچھا طالب علم ہی اچھا استاد ہوتا ہے۔

ابتدائی تعلیم

علامہ نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ایک مذہبی گھرانے میں ہوئی تھی جہاں علم و فن کا

چرچا اور جس کی فضا میں عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم لہرا رہا تھا۔ دورانِ پرورش اس نورانی ماحول سے علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ نے نفسیاتی طور پر جو اثرات قبول کیے ان میں سے اولین حضور سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام سے والہانہ محبت تھی؛ دوم: ہر حال میں شریعتِ مطہرہ کی پابندی جبکہ سوم علم و معرفت سے طبعی لگاؤ اور حصولِ علم کی طرف فطری رجحان کا صحتمند ارتقاء تھا۔ یہی وجہ ہے کہ عین ابتدائے عمر میں ہی آپ نے اپنے گاؤں میں موجود مسجد مدرسہ کی طرف رجوع کیا اور علمی دروس میں شرکت کرنے لگے۔ اس مدرسہ میں عام بچوں کی طرح آپ نے صرف قرآنِ پاک کی تلاوت پر ہی بس نہیں کیا بلکہ بنیادی شرعی مسائل کا اکتسابِ علم بھی یہیں سے کیا۔ جب اپنے گاؤں کے مدرسہ سے فارغ ہوئے تو آپ کے والدِ گرامی میاں شادی شاہ نے اپنے نونہال کے علمی ذوق و شوق کے پیشِ نظر اپنے قریبی گاؤں "ہیراں" کے مڈل سکول میں آپ کو داخل کروادیا تا کہ ان کا عظیم سپوت اپنی اشتہائے علم کا سامانِ تسکین پیدا کر سکے۔ علامہ توکلی نے اس اسکول میں محنت و کاوش سے اپنی خداداد فطانت کا بھرپور مظاہرہ کیا حتی کہ اپنے تمام اساتذہ کی آنکھ کا تارا بن گئے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ اساتذہ نے آپ پر بھرپور توجہ دی اور آپ نے بھی ان سے بھرپور اکتسابِ فیض کیا یہی وجہ ہے کہ آپ نے مڈل کا امتحان امتیازی نمبروں میں پاس کرلیا۔[1]

مڈل سکول ہیراں سے آپ کی امتیازی حیثیت میں کامیابی معمولی نوعیت کا واقعہ نہیں ہے بلکہ اس سے ان ذہنی زاویوں کی نشاندہی ہوتی ہے جن کی تصویر بچپن میں ابھری اور جو لڑکپن میں تیزی کے ساتھ ترتیب و تہذیب کے ان انضباطی مراحل سے گذرنا شروع ہو گئے جو بالآخر کامیابی سے انہیں منزلِ کمال تک لے آئے۔ شخصیت

[1] سنتِ رسول کی ضرورت و اہمیت: نور بخش توکلی، تکملہ حافظ شاہد اقبال، ص: ۷ // الشیخ الاستاذ محمد نور بخش التوکلی، حیاتہ وخدماتہ: ص: ۴

سازی میں اس تشکیلی دور کی اہمیت بالائے شک وشبہ ہے کیونکہ نفسیاتی سطح پر جوذہنی و جذباتی زاویے اس دور میں تشکیل پا جاتے ہیں ان کا رسوخ اس قدر دوررس ہوتا ہے کہ تادمِ آخر کلیداتِ حیات ان کی تفویض میں رہتی ہیں، اور انسان لاشعوری طور پر اپنی ترجیحات وتردیدات کا نظام انہی کی رفاقت میں منضبط کرتا ہے۔ اور وہ انسان بڑا خوش طالع ہے جس کے ذہنی زاویوں کی تشکیل وتکمیل اثباتیاتی اصولوں کے تحت ہو جاتی ہے۔ خوشا کہ کلکِ ازل نے یہ خوش طالعی حضرت توکلی رحمۃ اللہ علیہ کے مقدر میں بھی رقم کی تھی۔

بیشک وشبہ اس میں بنیادی کردار پروفیسر توکلی کے انہی اوصاف ومحامد کا ہے جو دستِ قدرت نے ان کی طبعِ صافی میں ودیعت کیے تھے لیکن انہیں نکھارنے اور چمکانے میں آپ کے والدِ ماجد اور اساتذہ نے جو کردار ادا کیا اسے بھی کسی صورت میں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس تعمیری کردار کا بھرپور ترجمان آپ کا اعلیٰ تعلیم کے لیے علی گڑھ کالج کی طرف رجوع ہے۔ اس لیے کہ علی گڑھ کو دیگر اداروں پر ترجیح دینا پروفیسر توکلی کا انفرادی فعل نہیں ہو سکتا بلکہ اس میں آپ کے والدِ گرامی اور آپ کے مدرساتی اساتذہ کا اہم ترین کردار ہے۔ اور اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کے والدِ ماجد اور اساتذہ اگرچہ دیہاتی ماحول کے عادی تھے مگر دورِ جدید کے تقاضوں سے نابلد نہ تھے۔ انہیں خبر تھی کہ موجودہ مخلوط استعمارزدہ معاشرے میں زندگی گزارنے کے لیے علومِ جدیدہ کا حصول اور مغربی تہذیب وثقافت کے رموز سے آگاہی وقت کی پکار ہے۔ اور یہ تعلیم وآگاہی علی گڑھ کالج کے سوا کہیں سے بھی بطریقِ احسن نہیں مل سکتی۔ لہٰذا انہوں اپنے اس ہونہار طالبعلم کی تشویق کی کہ وہ اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے علی گڑھ کی طرف رجوع کرے۔ اور علامہ توکلی نے اپنی ترجیح کا تعین اسی نقطۂ نگاہ کے تحت کیا اور بہت خوب کیا۔

اعلیٰ تعلیم

موجودہ شہادات کے مطابق علامہ محمد نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ نے اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے علی گڑھ کالج کا انتخاب کیا۔ اسی کے حصہ اسکول میں میٹرک کیا اور ء میں باقاعدہ طور پر علی گڑھ کالج کی انٹر کلاسز میں داخلہ لے لیا۔ اور اپنے سارے تعلیمی دورانیہ میں آپ علی گڑھ کالج کے ہاسٹل میں اقامت گزین رہے۔ علی گڑھ کالج میں تعلیم اور ہاسٹل میں قیام سے علامہ توکلی کے ذہنی ونفسیاتی زاویے ترتیب وتہذیب کے کس نہج پر گامزن ہوئے اس کا اندازہ ان ثمرات سے لگایا جاسکتا ہے جو انہیں دورانِ تعلیم یقینی طور پر حاصل ہوئے۔ ان میں سے نمایاں درج ذیل ہیں:

اولاً: علی گڑھ کالج میں علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ کو علامہ شبلی جیسے معروف اہلِ قلم سے درس وتعلم کا بالمشافہ موقع مل گیا جس کی بناء پر عربی، فارسی اور دیگر علومِ شرقیہ وغربیہ میں انہیں مہارتِ تامہ حاصل ہوگئی۔

ثانیاً: علی گڑھ کالج اپنے میں اختلافی نظریات کی آماجگاہ خیال کیا جاتا ہے لہٰذا یہاں پر علامہ موصوف کو نیچریت اور دیگر گمراہیوں کا قریبی مشاہدہ کرنے کی مناسبت ہاتھ لگی۔ مغربیت نے فکر ونظر میں کیا اور کس نوعیت کا انقلاب بپا کیا ہے اس کی درست نشاندہی کا موقع یہیں پر ہاتھ لگا۔

ثالثاً: ان فکری کج رویوں اور فکری انحرافات پر علمائے حق کی طرف سے جو مدلل تنقید ہوتی تھی حضرت توکلی رحمۃ اللہ علیہ کی ذہنی اور نفسیاتی ساخت میں مؤثر ثابت ہوئی۔

رابعاً: سیاسی، معاشرتی اور قومی وبین الاقوامی سطح پر جو تحریکات چل رہی تھیں علامہ کی ان سے گہری آشنائی ہوگئی۔

خامساً: مسلمانوں اور استعمار کے مابین تعلقات کے اتصالات وخلیجات کا انہیں

بعینِ ذات مشاہدہ ہو گیا جو مسائلِ ترجیح کے سلجھانے میں فیصل ثابت ہوا۔

سادساً: اعلیٰحضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مدبرانہ سیاسی و مذہبی اور معاشرتی و معاشی نظریات سے براہِ راست آگاہی ہوئی جس کی وجہ سے آپ کو کلامی اور سیاسی ترجیحات طے کرنے میں حتمی سہولت ہو گئی۔

سابعاً: مغربی تہذیب کے تحت مخلوط ہندوستانی تہذیب وتمدن نے جو پر نکالے تھے ان کے حسن و قبح سے بلا واسطہ واقفیت حاصل ہو گئی۔

علی گڑھ کالج میں آپ کی غیر نصابی سرگرمیوں پر ایک طائرانہ نظر سے ہی یہ عقدہ حل ہو جاتا ہے کہ آپ کی زندگی کا یہ عرصہ کس قدر پر جوش و ہنگامہ آرا تھا۔ آپ صرف کلاسز تک ہی محدود نہ رہتے تھے بلکہ مقامی و قومی سطح پر اٹھنے والی کئی تحریکوں میں بھی شریک ہوتے تھے یہی وجہ ہے کہ آپ مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن علی گڑھ کے جنرل سیکرٹری منتخب ہو گئے تھے [1] اور تاریخ کا ایک ادنیٰ طالب علم بھی آگاہ ہے کہ اُس زمانے میں مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کا جنرل سیکرٹری ہونے کا مطلب کیا ہے۔ اسی حقیقت سے علی گڑھ کالج میں علامہ توکلی کی امتیازی حیثیت کے بارے میں وافر معلومات مہیا ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا اس ادارے میں آپ کا درس و تعلم عام طالبعلم کا سا نہ تھا بلکہ اس ہونہار نوجوان کا سا جسے طلباء واساتذہ دونوں میں ہر دلعزیزی حاصل تھی۔ اس صیت و قرب کا فطری نتیجہ یہ نکلا کہ آپ نے اپنے علی گڑھی اساتذہ سے بھرپور اکتسابِ فیض کرتے ہوئے انٹر اور پھر بی۔اے کا امتحان اس امتیاز کے ساتھ پاس کیا کہ علی گڑھ کالج کے امتیازی بورڈ پر آپ کا نامِ نامی بھی بطور یادگار رقم کر دیا گیا۔

علی گڑھ کالج میں گریجوایشن سے علامہ توکلی کو جو یقین و خود اعتمادی اور امتیاز حاصل ہو چکا تھا اس کا منطقی نتیجہ یہ ہوا کہ آپ نے اپنی پوسٹ گریجویٹ ڈگری کے

---

[1] عید میلاد النبی: مولانا نور بخش توکلی کی حیات وخدمات، حافظ شاہد اقبال، ص: ۴

لیے بھی اسی علی گڑھ یونیورسٹی کا انتخاب کیا تاکہ نفسیاتی ساخت میں جو رویے ترتیب پا چکے تھے اپنے کمال پر منتج ہوں۔ یہاں پر بھی آپ نے شبانہ روز محنت و کاوش سے معمور پر ہجوم زندگی کا حسبِ سابق مشاہدہ بھی کیا اور مظاہرہ بھی۔ یہی وجہ ہے آپ کی سابقہ شہرت و نیک نامی پر کوئی حرف نہ آیا بلکہ آپ نے عربی، فارسی، علومِ شرقیہ اور دیگر متداولہ علوم و فنون میں مزید رسوخ و رصانت اور کامل مہارت حاصل کر لی یہاں تک کہ امتیازی حیثیت سے 1893ء میں آپ نے ایم۔ اے عربی کی سند حاصل کی۔[۱]

علی گڑھ یونیورسٹی میں جب علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ نے داخلہ لے لیا تو وہ عمومی طور پر اپنی تکمیلِ تعلیم میں مصروف رہے۔ تاہم اس دورانیہ میں آپ نے عربی لغت میں ڈپلوما بھی حاصل کیا[۲] جو کہ اُس دور میں ایک خاص امتیاز سمجھا جاتا تھا لیکن اس امتیاز کے علاوہ اس ڈپلوما کے حصول میں علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ کی دلچسپی آپ کے ان ذہنی رویوں کی پختہ تعمیر کی طرف اشارہ کرتی ہے جو اسلام اور اہلِ اسلام میں مخصوص دلچسپی کی بدولت ان کے شعوری اور لاشعوری ساخت کا حصہ بن چکے تھے اور انہیں اس بات کا یقین ہو چکا تھا کہ اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور احکامِ شرعِ اسلامی سے وفاداری کے بغیر غلامی کی زنجیروں کو کسی صورت میں نہیں توڑا جا سکتا۔ لہٰذا اس کارِ خیر کو انجام تک پہنچانے کے لیے عربی پر عبور انتہائی ضروری ہے کیونکہ قرآن و سنت، فقہ و کلام اور اسلام کے مصادر و مراجع کی حتمی زبان عربی ہی ہے لہٰذا اس پر دسترس علومِ اسلامیہ تک مستند رسائی کے لیے اشد ضروری ہے۔ اسی یقین کے تحت حضرت توکلی نے لغت عربی پر خصوصی توجہ دی۔

[۱] تذکرۂ علمائے اہل سنت و جماعت: پیرزادہ اقبال احمد، ص: ۲۹۶ // تذکرۂ مشائخ نقشبندیہ: نور بخش توکلی، ص: ۸-۹

[۲] الشیخ الاستاذ محمد نور بخش التوکلی، حیاتہ وخدماتہ، ص: ۹

تدریسی خدمات

علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار ان معمارانِ قوم وملت میں ہوتا ہے جو مخلوقِ خدا کی رشدوہدایت کے لیے شب وروز کوشاں رہتے تھے؛ جن کی زندگی کا نصب العین خدمتِ انسانیت، اور جن کی حیات کا اعلیٰ منشور حصولِ رضائے الٰہی ہوتا ہے۔ مخلوقِ خدا کی خدمت ہر شعبۂ حیات کا قرینہ ہے، مگر تعلیم وتدریس میں خدمتِ انسانیت کا وہ متنوع اور ہمہ گیر خزینہ مدفون ہے کہ خود حبیبِ خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے بطریقِ افتخار پسند کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

☆إِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّماً☆[۱]

حضرت توکلی رحمۃ اللہ علیہ جن کا سینہ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منور، جن کا دل سننِ خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنانے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتا تھا تدریس وتعلیم کی عظیم ومرغوب سنت کیونکر نظر انداز کر سکتے تھے، بلکہ آپ کی ذہنی ساخت کے جتنے بھی زاویے ہیں ان کے اسی فطری رجحان پر مرکوز ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ جونہی علی گڑھ سے فارغ التحصیل ہوئے تو فی الفور شعبہ تعلیم سے منسلک ہو گئے۔ لہٰذا 1893ء میں آپ ہندو محمڈن ہائی سکول انبالہ کے ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے۔ اسی طرح اگلے تینوں سال میں بھی آپ نے مزید ایک دو ہائی سکولوں میں بطور ہیڈ ماسٹر کام کیا۔ مگر 1896ء میں جب آپ میونسپل کالج امرتسر میں عربی کے پروفیسر مقرر ہوئے[۲] تو قومی و بین الاقوامی زندگی کے مرکزی تدریسی دھارے میں داخل ہو گئے۔ جس سے نہ صرف آپ کی تدریسی صلاحیتوں میں پختگی آئی بلکہ نوجوانوں کو جن علمی وفکری مسائل کا سامنا تھا ان کا بھی کلی ادراک ہوا۔ اس

---

[۱] سنن ابن ماجہ: الحافظ ابو عبداللہ ابن ماجہ، ص: ۱۲۸

[۲] سنتِ رسول کی ضرورت واہمیت ص: ۹ // تذکرہ علمائے اہل سنت وجماعت:: ص: ۱۰ // الشیخ الاستاذ محمد نور بخش التوکلی، حیاتہ وخدماتہ، ص: ۱۰۴

کے ساتھ ساتھ اس دورانیہ میں آپ نے علامہ مفتی غلام رسول امرتسری سے باقاعدہ طور پر کسبِ علم وفضل کیا اور علومِ دینیہ میں کمال حاصل کیا۔

علامہ توکلی اسی کالج میں خدمات انجام دے رہے تھے کہ 1901ء میں اس کالج کو ختم کر دیا گیا جس کے نتیجہ میں آپ کو ملازمت کے نئے آفاق کی طرف دیکھنا پڑا۔ اب کی بار آپ نے محکمہ آثار قدیمہ میں ملازمت اختیار کر لی۔ مگر یہاں پر بعض مذہبی اور فطری وجوہات کی بناء پر مستقل طور پر نہ رہ سکے بلکہ جب آپ کی ادائیگیِ ظہر پر کچھ ہندو اور انگریز رفقائے کار کو اعتراض ہوا تو آپ نے اس ملازمت سے استعفیٰ دے دیا۔ بعد ازاں آپ نے اپنے طبعی رجحان کی طرف عود کرتے ہوئے غالباً 1913ء میں گورنمنٹ کالج لاہور میں بطور عربی پروفیسر ملازمت اختیار کر لی[1] اور اپنی ریٹائرمنٹ تک اسی ادارے سے منسلک رہے جہاں ہزاروں تشنگانِ علم نے آپ کی کلاسز میں حاضر ہو کر علم ومعرفت سے اپنا دامن معمور کیا۔

تاہم آپ کا تدریسی حلقہ صرف گورنمنٹ کالج تک ہی محدود نہ تھا بلکہ لاہور میں اپنی آمد کے بعد بہت جلد آپ انجمن نعمانیہ لاہور سے منسلک ہو گئے جس کا شمار اپنے وقت میں برصغیر کے مشہور دینی مدارس میں ہوتا تھا۔ اس عظیم ادارے مین علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے علم وفن کی اشاعت، تبحرِ علمی کے بہترین صرف اور اپنے اصلاحی افکار ونظریات کا شیوع کرنے کا بھرپور موقع ملا۔ اس ضمن میں اہم ترین دو محرک تھے:

اول یہ کہ آپ جونہی اس نامور ادارے سے ملحق ہوئے آپ کی ذاتی صلاحیات اور علمی قابلیات اس منہاج پر نمایاں ہوئیں کہ انتظامیہ کو فرحت ہوئی کہ آپ کو اپنے ادارہ کے معروف علمی وتحقیقی مجلہ کا ایڈیٹر بنا دے۔ اور آپ نے اس فرحت کو کئی چند کر دیا جب اس مجلّے کو آپ نے اپنے اور دیگر اہلِ قلم کے اعلیٰ

[1] الشیخ الاستاذ محمد نور بخش التوکلی، حیاتہ وخدماتہ، ص: ٦

تحقیقی مضامین سے آراستہ کیا[1] ان مضامین کے قبولِ عام نے آپ پر تعلقاتِ عامہ اور شہرتِ خاصہ کا ایک وسیع باب وا کر دیا۔ جس کے نتیجہ میں سرکاری وغیر سرکاری سطح پر آپ کی تاثیر وتوقیر میں بیش بہا اضافہ ہوا۔ یہی وجہ تھی کہ آپ برطانوی حکومت کو قائل کرنے میں کامیاب ہو گئے کہ سرکاری گزٹ اور دیگر سرکاری دستاویزات میں ۱۲ ربیع الاول شریف کو" بارہ وفات" پکارنے اور لکھنے کی

بجائے "عید میلاد النبی" کہا اور لکھا جائے اور اسی حوالے سے سالانہ تعطیلِ عام کی جائے۔ اس عظیم الشان کارنامے کے علاوہ اسی مجلہ کے ذریعے سے آپ جو قومی ومذہبی سطح پر خدمات انجام دیں وہ کتابِ حیات کا ایک الگ ضخیم باب ہیں۔

دوم یہ کہ اپنے کامیاب سلسلۂ تدریس، عملی طور پر مؤثر تجرِ علمی، تعلیمی مہارت، تجرباتی نزاکت، اور تشہیرِ ادارہ کی وجہ سے آپ کو دار العلوم انجمنِ نعمانیہ کا ناظم مقرر کر دیا گیا۔[2] آپ کی نظامت اپنے حسنِ نظام وخوبیِ تدریس میں مثالی رہی یہاں تک کہ دار العلوم کی شہرت چار دانگِ عالم میں پھیل گئی اور دور دراز سے طلباء اپنی علمی تشنگی کی تسکین کے لیے دار العلوم میں داخل ہونے لگے۔ اس حسنِ انتظام وانصرام کی ایک قوی وجہ یہ تھی کہ آپ کو انتظامی جزئیات تک میں گہری دلچسپی تھی۔ اس ضمن میں علامہ اقبال احمد فاروقی رقمطراز ہیں:

> *خواجہ نور بخش توکلی نے کتب خانہ (لائبریری) کو مربوط بنایا؛ دار الیتامیٰ میں سہولتیں مہیا کیں؛ دار الاقامہ کا نظام

[1] سنتِ رسول کی ضرورت واہمیت ص: ۱۰ // الشیخ الاستاذ محمد نور بخش التوکلی، حیاتہ وخدماتہ ص: ۱۱۳ // صد سالہ تاریخ انجمنِ نعمانیہ لاہور: پیرزادہ اقبال احمد، ص: ۱۸۸

[2] اقبال احمد، پیرزادہ، صد سالہ تاریخ انجمن نعمانیہ لاہور: ص: ۲۸۱

درست کیا؛ باورچی خانہ کو بہتر بنایا۔ اور اس طرح طلباء اور اساتذہ کو بہتر سہولتیں میسر آئیں ٭ [1]

جبکہ دوسری وجہ یہ تھی کہ تدریس و تربیت کا جو تجربہ انہیں گورنمنٹ اداروں میں ہو چکا تھا دار العلوم کے نظم و نسق میں انہوں نے اس سے بھرپور استفادہ کیا اور چونکہ آپ ایک کامل ماہرِ تعلیم اور مشاق صحافی تھے اس لیے دورِ جدید کے نو دمیدہ تقاضوں کا مکمل ادراک رکھتے تھے۔ انہیں اس بات کا تجربہ و مشاہدہ تھا کہ تہذیبِ نو نے ہمارے شباب کو کیا دیا ہے اور ان سے کیا چھینا ہے۔ اس کے مثبت اور تعمیری پہلوؤں کی ترویج میں وہ کوشاں تھے مگر اس کی منفی اور بیہودہ جوانب سے انہیں سخت نفرت تھی اس لیے ان کی اصلاح کے درپے رہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنی تعلیمی مہارت سے دار العلوم کے مبتدی طلباء کے لیے ایک اردو قاعدہ تحریر کیا [2] تا کہ اسلامی جامعاتی طلباء کو نو آمدہ قومی و بین الاقوامی فکر و نظر کے دھارے میں اتارا جائے جس کی بدولت وہ نہ صرف اپنی ذات بلکہ اپنے ماحول کے لیے بھی مفید و نافع ثابت ہو سکیں۔ دوسری طرف آپ کو اس قومی زیاں کا بھی قوی احساس تھا جو مغربی تہذیب کی ہنگامہ آرائی سے مسلمان نوجوان کو اخلاق و آداب میں ہوا تھا۔ لہٰذا آپ کی دلی خواہش تھی کہ جدید نوجوان اخلاق و آدابِ نبوی کا مثالی نمونہ بن کر ابھرے تا کہ ﴿اُدۡخُلُوۡا فِی السِّلۡمِ کَآفَّۃً﴾ [3] کی عملی تفسیر بن کر عظمتِ اسلامیہ کا حقیقی حقدار بن سکے اور اللہ اور اس کے محبوب رسولِ عالمگیر صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں باریاب ہو سکے۔ اس حسنِ مقصد کے تحت آپ نے اخلاقیات پر ایک کتاب ''گلشنِ اخلاق'' تحریر فرمائی جو حصولِ

[1] ایضاً: ص: ۸۱
[2] ایضاً: ص: ۱۷۹
[3] البقرۃ: ۲۰۸

مقاصد میں بہت ممد ثابت ہوئی۔

الغرض آپ اپنی کامیاب نظامت اور کامران صحافت کے ذریعے سے اپنی تدریسی مساعی کو طلباء کے علاوہ عوام الناس کی تعلیم وتربیت اور اصلاحِ اعمال کے لیے بہترین انداز میں بروئے کار لائے۔ بلکہ دار العلوم میں قیام کے دوران میں ہی آپ نے عصری تقاضوں کے پیشِ نظر اور اعدائے اسلام کی فتنہ پردازیوں کے ازالہ کے لیے اصلاحِ عامہ اور تنویرِ خاصہ کے لیے تصنیف وتالیف اور ترجمہ کاری کا عظیم سلسلہ شروع کیا جو کہ آج تک امتِ مسلمہ کے قلوب کو نورِ ایمان وایقان سے منور کر رہا ہے۔

یہی تصنیف وتالیف اور ترجمہ کاری آپ کی حیاتِ پرنور کے ایک مزید پہلو کو بھی اجاگر کرتی ہے اور وہ یہ کہ آپ اپنے تدریسی واصلاحی مقاصد کے حصول میں اس قدر سنجیدہ تھے کہ اپنی ذہنی وجسمانی صلاحیتوں کو تو آپ نے اس کارِ خیر کے لیے وقف کر ہی دیا تھا لیکن اپنی مالی واقتصادی معاونت کو بھی اس سے بچا نہیں رکھا بلکہ تصنیف و تالیف سے ہونے والی ساری آمدنی کو آپ نے دار العلوم پر قربان کر دیا تھا تا کہ اس کا انتظام وانصرام اور طلباء کی تعلیم بخوبی انجام پذیر ہو[1] فروغِ علم وحکمت میں انتہائی سنجیدگی کا اس سے بڑھ کر بین ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے خصوصاً اس دور میں جب اقتصادی ومعاشی ادبار وبدحالی نے علی الخصوص اہلِ اسلام کو ہر طرف سے گھیر رکھا تھا۔

1925ء میں آپ گورنمنٹ کالج لاہور سے سبکدوش ہو گئے اور اس کے ساتھ ہی آپ نے دار العلوم انجمنِ نعمانیہ سے بھی رخصت چاہی، اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ اپنے قیامِ لاہور کے دوران میں آپ نے اپنے تلامذہ کی ایک کثیر تعداد تیار کر دی تھی جو ان کے مقاصد کو آگے بڑھاتی، اور پھر لاہور اُس دور میں خاص طور پر علم وادب کا سب سے بڑا عظیم الشان مرکز تھا جس میں علمائے اہلسنت وجماعت کا ایک شاندار

[1] حضرت مولانا نور بخش توکلی کی حیات وخدمات مع عیدِ میلاد النبی: ص: ۷

گروہ آپ کی نہج پر کام کرنے کے لیے موجود بھی تھا اور اس کام میں مشغول بھی تھا۔ اس کے برعکس آپ کا اپنا علاقہ لدھیانہ اس نعمت سے محروم تھا۔ لہٰذا آپ نے اپنی بقیہ زندگی کو اپنے علاقہ کے لوگوں کی اصلاح اور فلاح و بہبود پر صرف کرنے کا فیصلہ کیا۔ اسی بناء پر سبکدوشی کے بعد جب آپ اپنے آبائی گاؤں چک قاضیاں میں واپس ہوئے تو آتے ہی اپنی رقم سے زمین خرید کر بغیر کسی کی مالی معاونت کے ایک مسجد و مدرسہ قائم کیا جس کا نام آپ نے اپنے محبوب مرشد حضرت سائیں توکل شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت سے "مدرسہ اسلامیہ توکلیہ" رکھا۔ اس مدرسہ میں دیگر اہتمامات کے علاوہ ایک شاندار لائبریری بھی قائم کی گئی جس میں مختلف شعبہ ہائے علم و فن کی تین ہزار کتب موجود تھیں جن سے طلباء اور عوام الناس مستفید و مستنیر ہوتے تھے [1] مگر افسوس کہ پاکستان کے قیام کے بعد بلوائیوں نے یہ لائبریری نذرِ آتش کر دی اور اس طرح عظیم سرمایۂ دین و ملت ضائع ہو گیا۔ علامہ توکلی کو عمر بھر اس ضیاع کا دکھ رہا۔

1947ء میں جب پاکستان بن گیا تو آپ کو قومی و اسلامی مقتضاء کی موافقت میں لدھیانہ سے ہجرت کرنا پڑی جس کے نتیجہ میں آپ فیصل آباد میں آ کر مقیم ہو گئے جہاں پر آپ کی تدریسی و تعلیمی سرگرمیاں بتقاضائے عمر و حالات کافی محدود ہو گئیں تاہم آپ نے اپنے حلقۂ احباب اور دائرۂ آستانہ میں اصلاحِ اعمال و تطہیرِ قلوب کا سلسلہ جاری رکھا یہاں تک کہ 24 مارچ 1948ء کو آپ اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے، بحقِ خاص إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ [2]

[1] سنتِ رسول کی ضرورت و اہمیت مع تکملہ از حافظ شاہد اقبال، ص: ۱۱ // الشیخ الاستاذ محمد نور بخش التوکلی، حیات ※ و خدماته، ص: ۱۱۶ // صد سالہ تاریخ انجمن نعمانیہ لاہور، ص: ۲۸۱

[2] البقرة: ۱۵۶

تعارفِ کتب

حضرت توکلی رحمۃ اللہ علیہ کا دور، جیسا کہ ما قبل میں گزرا ہے، استعماریت کی دہشت گردیوں، قادیانیت کی کفر سازیوں اور نیچریت کی الحاد بافیوں سے معمور تھا؛ مغربی تہذیب و ثقافت نے جہاں نوجوانوں کو مسحور کر رکھا تھا وہاں دلوں سے تقدسِ اسلام اور محبتِ رسولِ انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھ چکا تھا؛ دین سے بیگانگی، شعائرِ اسلام کی تحقیر، نبیِ مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین و تنقیص اور اولیائے کرام و اہلِ حق کی تضحیک معمول بن چلا تھا۔ اس نازک دور میں امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تجدیدِ دین وملت کا انتہائی دشوار کام مؤثر انداز میں انجام دیا اور مختلف صورتوں اور ناموں کے تحت ابھرنے والے اعدائے اسلام کی چیرہ دستیوں اور کفر فروشیوں کا جامع و قاطع جواب دیا۔ قوم و ملت کی اس اصلاح و دردمندی میں جو دوسری عظیم الشان شخصیت آپ کی ہمنوا تھی وہ حکیم الامت علامہ محمد اقبال تھے جنہوں نے اپنی فلسفیانہ شاعری اور سیاسی و معاشرتی تقریر و تحریر کے ذریعے سے امتِ مسلمہ کے تجدیدی کام کو آگے بڑھایا۔ حضرت علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ کے ان دونوں بزرگوں سے تعلقات تھے۔ اس بات سے یہ حقیقت منکشف ہو جاتی ہے کہ علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ کو نہ صرف ان دونوں شخصیات سے گہری عقیدت تھی بلکہ ان کے عقائد و نظریات سے کلی اتفاق بھی تھا۔ لہٰذا اپنی اصلاحی مساعی میں وہ انہیں کے پیروکار تھے اور انہیں کے مقاصدِ جلیلہ کو جوش و جذبہ کے ساتھ آگے بڑھاتے رہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ استعماری طاقتوں اور ان کے پالتو نام نہاد مسلمانوں نے دین و ملت میں جو فتنہ و فساد برپا کر دیا تھا اس سے عوامی ذہن اس قدر الجھاؤ کا شکار ہو چکا تھا کہ علمائے دردمند اطمینان کی سانس نہ لے سکتے تھے۔ اسی الجھاؤ اور تشویش کے ازالہ اور صراطِ مستقیم کی طرف عوامی ہدایت کے لیے جو علمائے

حق میدان میں اترے ان میں علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ سب سے نمایاں اور فائق ہیں۔

آپ نے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو ہدایتِ عامہ کے لیے وقف کر دیا، تقریر ہو کہ تحریر، خلوت ہو کہ جلوت، گفتگو ہو کہ مباحثہ عامۃ الناس کی رشد و ہدایت کے لیے آپ نے ہر منہاج کو اپنایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مقتضائے وقت کے مطابق آپ نے بہت سے مضامین تحریر کیے جو کہ انجمن نعمانیہ کے عظیم الشان مجلہ کی زینت بن کر ہزاروں لوگوں کی ہدایت اور رہنمائی کا باعث بنے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ نے باقاعدہ طور پر بہت سی کتابیں بھی لکھیں جن سے آج تک مستند طور پر استفادہ کیا جا رہا ہے۔ موضوعاتی اعتبار سے آپ کی تمام تصانیف علمائے حق کے عقائد و نظریات کا بیان و دفاع کرتی ہیں، جدید طرزِ استدلال، عقلی پیمانوں کی پاسداری، سادہ و مؤثر اسلوبِ بیان، اعلیٰ سطح کی ترتیبِ خیالات اور تنسیقِ افکار، مہذب لہجہ، جذباتی سکون و باطنی نشاط، عشقِ رسول رحمۃ للعالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام، تعصب سے منزہ منہاجِ تفکیر، پاکیزہ زبان، قرآن و سنت کی طرف بہر حال رجوع کامل، لطف و نرمی سے معمور تلقینِ عام و خاص —— یہ وہ خصائص ہیں جو پروفیسر نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ کی تمام تصانیف و تالیفات کا خاصہ ہیں۔ ان کی ہر کتاب پر تفصیلی بحث ہمارے حیطۂ تحقیق میں نہیں ہے تاہم ذیل میں ہم نے مختصر تعارف کے ساتھ ان کی کتب کا ذکر کر دیا ہے تا کہ نفعِ عام کا باب ہمیشہ کھلا رہے۔ تاہم اپنے زاویۂ نگاہ کے مطابق ہم نے مذکورہ کتب کی موضوعاتی تقسیم کر دی ہے کیونکہ یہ تقسیم عمومی تعارف اور استفادہ دونوں کے حق میں مفید ہے۔

قرآنیات

[ا] اعجاز القرآن:

یہ قرآن پاک کی تفسیر ہے جسے علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ نے آخری عمر میں لکھنے کا ارادہ

فرمایا تھا تھوڑی سی لکھی تھی کہ آپ کا وصال ہو گیا۔

[۲] تفسیر سورۂ فاتحہ:

یہ قرآن پاک کی معروف پہلی سورۂ پاک کی تفسیر ہے جسے علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مستند بصیرت کے تحت بڑے عمدہ اسلوب میں تحریر کیا ہے۔

[۳] مقدمہ تفسیر قرآن:

یہ اعجاز القرآن کا مقدمہ معلوم ہوتا ہے جس کا موضوع اصولِ تفسیر ہے۔

سیرتِ طیبہ

[۱] سیرتِ رسولِ عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

سیرتِ رسولِ عالمگیر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ مایہ ناز، مستند اور عالمی شہرت یافتہ کتاب ہے جو موضوعاتی اعتبار سے بغایت جامع اور بے مثال ہے۔

[۲] معجزات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

اس کتاب کریم میں علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ نے ختم المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روشن معجزات کو اپنی علمی تحقیق وتدقیق کا موضوع بنایا ہے۔

[۳] غزوات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

یہ کتاب حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نورانی غزوات کے ذکرِ جلیل سے مزین ہے۔علامہ موصوف نے اس کتاب میں مستشرقین کے غزوات پر اٹھائے گئے اعتراضات کا مسکت جواب بھی دیا ہے اور علامہ شبلی نعمانی کی متعدد تحقیقات کا کامیاب ابطال بھی کیا ہے۔

[۴] حلیۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

بڑی محققانہ قاموسیاتی (encyclopedic) کتاب ہے جس میں حضور

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدوقامت اور خدوخال کو کلکِ عشق کی روشنائی سے رقم کیا گیا ہے۔

[۵] سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ضرورت واہمیت:

حالاتِ حاضرہ اور مقتضائے جدید کے پیشِ نظر حجیتِ حدیث پر مدلل اور مستند رسالہ ہے۔

[۶] رسالہ نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

رسالہ نور ایک بدعقیدہ کی طرف سے انکارِ نورِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ کے تحریر کردہ مستند جواب پر مبنی ہے۔

[۷] عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

بڑی مدلل کتاب ہے جس میں علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی عمدگی کے ساتھ سید العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مولدِ پاک سے متعلق واقعات مستند حوالوں سے تحریر کیے ہیں۔

[۸] سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مع احوال و آثار و ارشادات سیدنا امیر المؤمنین ابوبکر رضی اللہ عنہ

تذکرات:

[۱] تذکرۂ حضرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ:

یہ کتاب حضور غوث الثقلین علیہ السلام کی حیاتِ طیبہ کے محبت آمیز بیان پر مبنی ہے۔

[۲] تذکرۂ مشائخ نقشبندیہ رحمۃ اللہ علیہ:

اس کتاب میں علامہ توکلی نے معروف سلسلہ نقشبندیہ کے سربرآوردہ مشائخ کے واقعاتِ حیات کو بڑی خوش اسلوبی سے بیان کر دیا ہے۔

[۳] سیرت غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ:

یہ کتاب علامہ توکلی کی حضور غوث پاک علیہ السلام سے محبت وعقیدت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ تذکرۂ غوث اعظم سے زیادہ جامع اور مبسوط، اور ترتیبِ واقعات اور

تنسیقِ حالات کے اعتبار سے زیادہ عمدہ اور دیدہ زیب ہے۔

[۴] ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ:

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر مدلل اور جاندار کتاب، جس میں معترضین کے جوابات بطریقِ احسن دیے گئے ہیں۔

[۵] امام بخاری شافعی رحمۃ اللہ علیہ:

اس کتاب میں علامہ توکلی نے ثابت کیا ہے کہ امام بخاری شافعی المذہب تھے لہٰذا مقلد تھے۔

[۶] سرگزشت ابن تیمیہ:

ابنِ تیمیہ کے منفرد عقائد ونظریات کی بحث پر مشتمل عمدہ کتاب ہے۔

کلام وعقائد:

[۱] تحفہ شیعہ:

دو ضخیم مجلدات پر مبنی اس کتاب میں علامہ توکلی نے شیعہ عقائد اور شیعی احکامِ شریعت کو قرآن وسنت کے ارفع پیمانوں پر پرکھا ہے اور دل آویز انداز میں ان کا علمی و تحقیقی تجزیہ کیا ہے۔

[۲] الاقوال الصحیحہ فی جواب الجرح علی أبی حنیفۃ:

اس کتاب میں علامہ توکلی نے سعید بنارسی کی طرف سے سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ پر اٹھائے گئے اعتراضات کا بڑا مدلل اور دندان شکن جواب دیا ہے۔

[۳] تصوف ورہبانیت:

رہبانیت کے ردِ بلیغ پر مبنی ایک عمدہ رسالہ ہے۔

[۴] عقائد نامہ:

اس کتاب میں طلباء کے لیے آسان زبان و بیان میں عقائدِ اہلسنت و جماعت کو

بیان کیا گیا ہے۔

[۵] کتاب البرزخ:

یہ کتاب قرآن وسنت کی روشنی میں اہلِ قبر کے احوال کے بیان پر مبنی ہے۔

[۶] عقائد اہلِ سنت وجماعت:

اہلِ ایمان کو جن بنیادی عقائد کا علم ہونا اشد ضروری ہے یہ کتاب ان عقائدِ ضروریہ کے مدلل بیان پر مبنی ہے۔

[۷] مصابیح الظلام فی جواب ینابیع الاسلام:

ایران کے ایک مشنری ولیم سینٹ کلر ٹز ڈل نے ایک ضخیم کتاب ''ینابیع الاسلام'' فارسی زبان میں لکھی تھی جس میں اس نے اپنے زعم فاسد میں ثابت کرنے کی کوشش کی کہ اسلام الہامی مذہب نہیں ہے کیونکہ قرآن اور عقائد اسلام عرب جاہلیت، یہود و نصاری، زردشتیان اور ہنود سے سرقہ کئے گئے ہیں اس کتاب پر عیسائیوں کو بڑا ناز تھا اس کے انگریزی، عربی اور اردو میں تراجم ہوئے۔ ولیم میور نے اس کتاب کی اشاعت پر چرچ مشن حلقہ کو مبارک باد دی تھی۔ انگلش اخبار نے اس پر ریویو کرتے ہوئے لکھا تھا کہ ینابیع الاسلام کا جواب اہل اسلام کی طرف سے ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ مگر علامہ نور بخش توکلی نے فی الفور اس کا بلیغ رد فرماتے ہوئے مصابیح الظلام فارسی زبان میں لکھ کر ایسا جواب دیا کہ مخالفین کو دوبارہ قلم اٹھانے کی جرات نہ ہوئی [1]

شروح وتراجم:

[۱] شرح قصیدہ بردہ (عربی)

[۲] شرح قصیدہ بردہ (اردو)

علامہ توکلی نے عربی کے مشہور ومعرف قصیدہ بردہ شریف کا ترجمہ اور شرح تحریر کی

۱ نور بخش توکلی، نورِ ہدایت، ترجمہ مصابیح الظلام، ص:۱۔۲، لاہور: خادم التعلیم سٹیم پریس، ۱۳۳۶ھ

ہے۔آپ نے عربی اور اردو دونوں زبانوں میں الگ الگ اس عظیم الشان قصیدہ کی شرح کی ہے۔

[۳] مولودِ برزنجی (اردو)

یہ کتاب عربی زبان میں لکھا ہوا مشہور میلاد نامہ ہے جس کا اردو ترجمہ پروفیسر توکلی نے کیا اور ساتھ ہی اس کا عمدہ حاشیہ بھی لکھا۔

[۴] شرح ھدایہ:

یہ فقہِ اسلامی کی مشہور کتاب ہدایہ کی شرح ہے۔

[۵] تحقیق المرام فی منع قراءۃ خلف الامام:

یہ عربی کتاب حضرت توکلی کے استادِ محترم مفتی غلام رسول قاسمی امرتسری کی ہے علامہ موصوف نے اس کا اردو ترجمہ کیا۔

[۶] الرسالۃ الجلیۃ فی اِثبات الوسیلۃ:

اثباتِ وسیلہ پر عربی میں لکھے گئے اس رسالہ کو علامہ توکلی نے اردو میں ترجمہ کیا ہے۔

[۷] ھدایت الاسلام:

یہ کتاب علامہ توکلی کی اپنی کتاب مصابیح الظلام فی جواب ینابیع الاسلام کا خود کردہ اردو ترجمہ ہے۔

[۸] سیرت حسن:

یہ انگریزی تاریخِ گبن کا اردو ترجمہ ہے جو علامہ موصوف نے کیا ہے۔

[۹] التحفۃ الابراھیمیۃ فی اِعفاء اللحیۃ:

یہ کتاب علامہ توکلی کے مرشد علامہ مشتاق احمد انبیٹھوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے علامہ توکلی نے اسے اردو ترجمہ سے آراستہ کیا۔

[۱۰] تحفہ احمد یہ:

یہ کتاب حضرت مشتاق احمد انبیٹھوی کی تحریر کردہ ہے جس کا موضوع معراج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے علامہ توکلی نے اس کا ترجمہ اردو میں کر دیا۔

[۱۱] نزول الرحمۃ والغفر ان عندذکر خواجہ انس وجان:

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے حالاتِ زندگی پر مشتمل یہ عربی کتاب حضرت مشتاق احمد انبیٹھوی کی تحریر کردہ ہے علامہ توکلی نے اسے اردو کا جامہ پہنایا۔

[۱۲] رسالہ ھدیہ یوسفیہ:

حضرت مشتاق احمد انبیٹھوی رحمۃ اللہ علیہ کے تحریر کردہ اس عربی رسالہ کو علامہ توکلی نے اردو ترجمہ سے مزین فرمایا۔

متفرقات

[۱] اردو قاعدہ:

چالیس صفحات پر مشتمل یہ اردو قاعدہ علامہ توکلی نے دارالعلوم انجمن نعمانیہ کے ابتدائی طلباء کو اردو میں معیار کے مطابق رواں کرنے کے لیے بطور نصابی کتاب تحریر کیا تھا۔

[۲] گلشنِ اخلاق:

حضرت توکلی نے یہ کتاب عصرِ جدید کے نوجوانوں کو اخلاقِ اسلامیہ سے آراستہ کرنے کے لیے لکھی تھی۔

[۳] مضامین:

کامل کتابوں کے علاوہ حضرت توکلی رحمۃ اللہ علیہ نے انگریزی اور اردو میں متعدد مضامین بھی تحریر کیے ہیں جو کہ مختلف رسائل خصوصا دارالعلوم انجمنِ نعمانیہ کے نامور مجلہ اور سرکاری گزٹ میں شائع ہو چکے ہیں جیسے انگریزی میں تحریر کردہ ایک مضمون کا نام ہے

اسی طرح سے اردو میں تحریر کردہ متعدد مضامین ہیں جن کا عمومی موضوع دینیات ہے۔

مذکورہ بالا تصانیف پر ایک طائرانہ نظر ہی اس حقیقت کا انکشاف کرنے کے لیے کافی ہے کہ حضرت علامہ نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ کا قلب و دماغ امتِ مسلمہ کے لیے دردمندی اور اصلاح کوشی سے معمور تھا۔ اگر چہ آپ کی تالیفات آپ کے علمی تبحر، وسعتِ معلومات، علم و معرفت، احوالِ جدیدہ اور حالاتِ حاضرہ کی ہوشمند نباضی پر دال ہیں لیکن ان کے اندر عشقِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تموج خیز سمندر کو، جس میں تمام مسائلِ حاضرہ کے قطعی حل کے لیے وہ اہلِ اسلام کا استغراق چاہتے ہیں، کسی صورت میں بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہی اصلِ افکار و کمالات نظریات و عقائد ہے بالخصوص بحیثیت سیرت نگار انہوں نے جو عظیم مذہبی کارنامہ سرانجام دیا اور امتِ مسلمہ کے قلوب و اذہان کو اسوہ حسنہ سے روشناس کرانے کیلئے ان کی کوششیں اور محنت لائقِ صد تحسین ہے جو رہتی دنیا تک پڑھنے والوں کیلئے رُشد و ہدایت کا روشن مینارہ بن کر فیض یاب کرتا رہے گا۔



پانچواں باب
"سیرتِ رسولِ عربی" کی وجہ تالیف

وجہ تخلیق کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت پاک لکھنا اور پھر اسے عوام الناس کے سامنے پیش کرنا یقینا دنیا و مافیھا میں اس کا مقابلہ کوئی نعمت نہیں کر سکتی اور جب اس جذبہ میں ایمان کی حلاوت اور عشق رسول کی شیرینی شامل ہو تو اللہ سبحانہ' اپنے لطف و کرم سے اسے قبولیت و شہرت کی وہ رفعتیں عطا کرتا ہے جو توکلی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "سیرت رسول عربی" کو حاصل ہوئیں ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾[1] کو پڑھتے ہی کونسا مؤمن ہے کہ جس کا دل اس محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک ایک ادا پہ لٹ جانے کو نہ چاہے اور اسوہ حسنہ کا پرچار اس کی زندگی کا نصب العین نہ ٹھہرے مگر ہر کوئی اس سعادت کا مصداق کیسے ہوسکتا ہے کیونکہ یہ سعادت اپنے ذاتی کمال سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ ودیعت الٰہیہ ہے۔

لائق صد تحسین ہیں وہ نفوس قدسیہ جنہیں ایمان یعنی عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دولت ملی اور انہوں نے ان سچے جذبوں کو سپرد قلم کر دیا۔

علامہ توکلی عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہیں اور ان کی کتاب سیرت رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس عشق کے جذب وصدق کی ایک عمدہ مثال ہے۔ اس جذب وصدق کے سلیقہ اظہار کا اندازہ ہمیں اس وقت ہوتا ہے جب سیرت رسول

[1] الاحزاب ۳۳

عربی کی وجوہاتِ تحریر پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

(۱) پہلی وجہ مستشرقین کے مذموم مقاصد کو ناکام کرنا تھا۔ اس لیے کہ ایسے بہتیرے مستشرقین ابھرے جنہوں نے تحقیق کے تمام اصولوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے بذاتِ خود تحقیق کے نام پر سیرتِ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مسخ کرنا شروع کر دیا ان میں سے بعض نے تو چابک دستی کا یہ مظاہرہ کیا کہ خود بے حقیقت سوالات اٹھائے اور خود ہی ان کے بے ہودہ جوابات گھڑنے بیٹھ گئے اور اپنے تعصب میں یہ تک بھی بھول گئے کہ مسخِ حقائق سے کبھی مثبت رنگ پیدا نہیں ہوا کرتا علامہ توکلی نے اپنی حقیقت نگاری سے ان مستشرقین کی کذب بیانی اور مغالطہ آمیزی کا بڑی کامیابی سے پول کھول دیا ہے۔

(۲) دوسری وجہ نہایت جامع اور عالمگیر ہے اور وہ یہ کہ سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے واقفیت ہر مسلمان کے لئے ناگزیر ہے کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع کے بغیر اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کا حصول ناممکن ہے۔ اس ضمن میں علامہ موصوف خود رقمطراز ہیں:

> "حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت سے واقف ہونا ہر ایک مسلمان پر فرض ہے کیونکہ حضور علیہ السلام حسب ارشاد الٰہی مسلمان کے لئے واجب التقلید نمونہ ہیں اسی واسطے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال وافعال، اخلاق وعادات، حرکات وسکنات، وضع قطع، رفتار و گفتار اور طریق معاشرت وغیرہ سب کے سب بطریق اسناد نہایت صحت کے ساتھ محفوظ ہیں تاکہ قیامت تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

نام لیواؤں کے لئے دستور العمل بنیں * [1]

(۳) تیسری وجہ جسے خود مصنف علیہ رحمۃ نے تاکیداً بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ:

* ایمان کی شرطِ اول ختم المرسلین کی محبت ہے اور محبت کا تقاضا ہے کہ ہر چیز ہر رشتے حتی کہ اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ذات، محبوب خدا کو جب تک نہ بنا لیا جائے تب تک نعمت ایمان کا حصول ممکن نہیں * [2]

اسی لئے مصنف علیہ رحمۃ چاہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات مبارکہ کے ایک ایک گوشہ پر روشنی ڈالی جائے تاکہ پڑھنے والے فرطِ جذبات سے جھومتے جائیں اور ان کی محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اضافہ ہوتا چلا جائے۔

(۴) چوتھی وجہ کی وضاحت میں موصوف خود فرماتے ہیں:

* اس پر آشوب زمانہ میں ملک ہند میں کئی فتنے برپا ہیں، جو سب کے سب صراط مستقیم سے منحرف ہیں۔ اردو میں سیرت پر جو چند ایک کتابیں شائع ہوئی ہیں ان میں شاید ہی کوئی ہمہ وجوہ اہل سنت وجماعت کے معیار پر پورا اترے لہذا فقیر نے بتوفیق الٰہی اس کتاب میں مسلک اہلسنت کی پابندی کا پورا التزام رکھا ہے اور مستند اور

---

[1] سیرت رسول عربی: علامہ نور بخش توکلی، ص:۲۶

[2] ایضاً، ص:۲۶

معتبر روایات مع حوالہ درج کی ہیں * [1]

ضرورت تھی کہ ایسی کتاب لکھی جائے جو مستند معلومات پر مشتمل ہو مذہب اہل سنت کی صحیح ترجمانی کرنے کے ساتھ ساتھ عام فہم اور سادہ اندازِ بیان کی حامل ہو چنانچہ اس ضرورت کو علامہ نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ نے سیرت رسول عربی کی صورت میں پورا کیا۔

یہ اپنی نوعیت کی واحد کتابِ سیرت ہے جو متعدد ارتقائی منازل میں سے گذری۔ علامہ توکلی نے پہلے سے اس کا کوئی خاکہ تیار کیا تھا نہ ابواب بندی کی تھی بلکہ کرشمائی انداز میں ان کے دور میں مختلف مواقع پر فتنہ پردازیوں اور چیرہ دستیوں نے انہیں مجبور کیا کہ وہ سیرت کے مختلف پہلوؤں کو عوام الناس کے سامنے پیش کریں۔ لہٰذا ۱۳۳۳ھ میں ایک ایسی ہی مناسبت سے آپ کو ربیع الاول شریف کے بابرکت مہینہ میں عید میلاد النبی کے موضوع پر ایک رسالہ تحریر کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی، جس میں آپ نے جناب سرورِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص وفضائل اور استحسان ِ میلاد و قیام کے دلائل مع رقت انگیز نعتیہ اشعار اور سلام علی خیر البریہ نہایت دلچسپ پیرا یہ میں درج کیے۔ سیرت نگاری کی طرف یہی رسالہ آپ کا پہلا قدم اور یہی اس کا پہلا مرحلہ تھا۔

اس کے بعد آپ رحمۃ اللہ علیہ نے حلیۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر رسالہ لکھا اور اس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اطہر کی خوبیوں کو بیان فرمایا، یہ رسالہ ماہ ربیع الاول ۱۳۳۶ھ کو زیورِ طبع ہوا، جبکہ اگلے سال ۱۳۳۷ھ ربیع الاول شریف ہی کے شرف یافتہ مہینے میں آپ نے معجزات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موضوع پر ۸۰ صفحات پر مشتمل ایک رسالہ نذرِ قارئین کیا۔ پھر آپ نے معراج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایک رسالہ تحریر فرمایا، جبکہ ربیع الاول

[1] ایضاً، ص: ۲۶

شریف ۱۳۴۱ھ کو غزوات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موضوع پر ۸۰ صفحات پر مشتمل آپ کا رسالہ منظر عام پر آیا۔

اس طرح سے رسائل کی صورت میں تالیف سیرت طیبہ کا یہ سلسلہ جاری رہا حتی کی جب مصنف رحمہ اللہ ملازمت سے سبکدوش ہو گئے تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت خواجگان نقشبندیہ کے حالات لکھنا شروع کیے۔ آپ کے مرشد پاک اسی سلسلہ سے نسبت رکھتے تھے اسی نسبت سے آپ نے سلسلہ نقشبندیہ پر کتاب لکھنے کا ارادہ کیا۔ اس کتاب کے آغاز میں آپ حضور احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات کی شان مبارک کے بیان میں چند اوراق مختص کرنے کا ارادہ رکھتے تھے مگر اختتام کتاب سے پہلے ہی بارگاہِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آپ کی یہ آرزو اس طرح سے مقبول ہوئی کہ چند اوراق کی بجائے آپ نے مکمل سیرتِ طیبہ تحریر کرنا شروع کر دی۔ حضرت توکلی اس ضمن میں رقمطراز ہیں:

> ٭چنانچہ سیرت کا ایک نہایت مختصر سا خاکہ ذہن نشین کر کے طبع آزمائی کرنے لگا۔ عنایتِ الٰہی اور حضور تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روحانی مدد شامل حال ہوئی۔ پھر کیا بیان کروں! حالات تھے پیارے پیارے، جذبہ شوق میرے قلم کو کشاں کشاں کہیں سے کہیں لے گیا اور غایت اختصار کے باوجود یہ کتاب تیار ہو گیء جو قارئین کے سامنے ہے٭[1]

[1] سیرت رسول عربی، صفحہ ۲۵

سیرتِ رسول عربی کے دیباچہ طبع اول سے پتہ چلتا ہے کہ ۲۱ محرم الحرام ۱۳۵۷ھ بمطابق ۲۴ مارچ ۱۹۳۸ء کو یہ کتاب مکمل ہوئی اور پہلا ایڈیشن منظر عام پر رونما ہوا[1]

مذکورہ حقائق سے منکشف ہوتا ہے کہ نور بخش توکلی نے سیرت رسول عربی لکھنے سے پہلے کوئی باقاعدہ منصوبہ بندی نہیں کی اور رفقاء اور معاونین کی کوئی باقاعدہ جماعت بھی ان کے ساتھ شامل تحقیق وجستجو نہیں تھی۔ اور نہ ہی باقاعدہ طور پر پہلے سے کتاب کا خاکہ تیار کر کے اس کی ابواب بندی اور مضامین کی درجہ بندی کی گئی تھی کہ اسے عملی جامہ پہنانے میں آسانی ہوتی۔ لہذا یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ علامہ توکلی کو جو خداداد صلاحیتیں عطا ہوئی تھیں۔ انہوں نے بھرپور طریقہ سے ان کا استعمال واظہار کیا اور ادب اسلامی کے ورثہ میں ایک نہایت مدلل، محقق اور عشق ومحبت رسول سے لبریز کتاب کا اضافہ کیا جو رہتی دنیا تک آسمان علم وادب پر درخشندہ ستارہ بن کر چمکتی رہے گی۔



[1] سیرت رسول عربی، ۲۷

چھٹا باب

''سیرت رسول عربی'' کے مضامین

''سیرت رسول عربی'' کے مضامین میں سب سے پہلا مضمون برکات نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ سیرت نگار نے اپنی کتاب میں اولین باب اسی موضوعِ لطیف پر باندھا ہے۔ اور اس کی حقانیت پر متعدد آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ، عربی و فارسی شعراء کے کلام سے استدلال کیا ہے، سیرت نگار کا موقف کہ ''اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے بلا واسطہ اپنے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور پیدا کیا، پھر اسی نور کو خلقِ عالم کا واسطہ ٹھہرایا''[1] اس ضمن میں قابل توجہ نقطہ یہ ہے کہ ساری کی ساری کائنات حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کا عکس، پرتو یا ظل ہے، نور محمدی کی برکات میں سب سے بڑی برکت اس پوری کائنات کا وجود ہے بالفاظِ دیگر پوری کائنات حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے نور کی مرہون منت ہے۔ تخلیقِ آدم علیہ السلام کی بابت تعیین کرتے ہوئے فرماتے ہیں

(ا)* جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علی نبینا علیہ الصلوۃ والسلام کو پیدا کیا تو اپنے حبیب پاک کے نور کو ان کے پشت مبارک میں بطور ودیعت رکھا اس نور کے انوار ان کی پیشانی میں یوں نمایاں تھے جیسے آفتاب آسمان میں اور چاند اندھیری

[1] ''سیرت رسول عربی''، ص:۴۱

رات میں ﴿[1]

برکات محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیان میں مزید ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ ساری کائنات اسی نور مبارک کی برکت سے ظہور پذیر ہوئی چاند اور سورج کو روشنی کی نعمت برکاتِ نور محمدی کے سبب سے ملی۔ حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ کی قبولیت، حضرت خلیل علیہ السلام پر نار کا ٹھنڈا ہونا، حضرت ایوب علیہ السلام کی مصیبت کا دور ہونا، حضرت مسیح علیہ السلام کا بشارتیں دینا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا روز قیامت آپ کا وسیلہ پکڑنا جملہ امور برکات نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے وقوع پذیر ہوئے۔

فاضل سیرت نگار نے دوسرے باب کو "حالات نسب وولادت شریف تا بعثت شریف" کا نام دیا ہے، اس باب میں متعدد مضامین زیر بحث لائے گئے ہیں، جن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاندانی شرف وسیادت، واقعہ اصحاب فیل، مولد شریف، طفولیت میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا سے نزول باراں، اسفار شام اور تعمیر کعبہ کا ذکر شامل ہے۔ سیرت نگار نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک نسب نامہ سے آغاز کیا ہے جس کے ثبوت معتبر کتب سیرت اور کتب تاریخ سے لائے گئے ہیں۔ خاندانی شرف وسیادت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاندان عرب میں ہمیشہ سے نمایاں چلا آرہا تھا لہٰذا ترمذی شریف کی روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمانِ عالیقدر ہے کہ

﴾ اللہ تعالیٰ نے خلقت کو پیدا کیا تو مجھ کو ان سب سے اچھے گروہ میں بنایا، پھر قبیلوں کو چنا تو مجھ کو سب سے اچھے قبیلہ میں بنایا پھر گھروں کو چنا تو مجھے ان سب سے اچھے گھر میں بنایا پس میں روح وذات اور

[1] نور بخش توکلی، علامہ سیرت رسول عربی، صفحہ ۴۰، لاہور: مکتبہ، س ن

اصل کے لحاظ سے ان سب سے خوب ہوں" [1]

اس کے بعد موصوف مختلف مستند حوالہ جات اور روایات سے تاریخ کے بہت سے گوشوں کو عیاں کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسب ونسب کے واقعات بیان کرتے ہوئے حضرت عبد المطلب کی اس مقبول دعا کا ذکر کرتے ہیں جو انہوں نے زمزم کا کنواں، جس کے آثار ناپید ہو چکے تھے، نئے سرے سے کھدوا کر درست کرتے وقت مانگی تھی۔ وہ دعا دس بیٹوں کو اپنے سامنے جوان ہوتا دیکھنے کی تھی کہ ان میں سے ایک کو راہِ خدا میں قربان کریں گے یہ منت پوری ہوئی اور جب دس بیٹوں کے درمیان قرعہ ڈالا گیا تو اتفاق سے قرعہ حضرت عبداللہ علیہ السلام کے نام نکلا جن کی قربانی سو اونٹ ذبح کرنے پر مانع ہوئی اس مضمون کے آخر میں ان خوارق کا ذکر ہے جو والدہ ماجدہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدہ حضرت آمنہ علیہا السلام نے اس وقت مشاہدہ فرمائے جب ان کے بطن مبارک میں نور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منتقل ہوا آپ کے نور مبارک کی برکت سے قحط سالی کا خاتمہ ہوا، ویرانی نے سبزہ کی چادر اوڑھ لی اور پھل اور اناج کی پیداوار اس کثرت سے ہوئی کہ اس سال کو سنۃ الفتح والابتھاج کا نام دیا گیا۔ قریش کے چار پایوں نے فصیح عربی زبان میں حضور کی خوشخبریاں دیں، "مشرق و مغرب کے وحشی چرند پرند اور دریائی جانوروں نے ایک دوسرے کو خوشخبری دی" یہاں تک کہ جن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قربِ ظہور پر پکار اٹھے۔ جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ علیہا السلام کو خواب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور و سیادت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تسمیہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بشارت دی گئی۔ [2]

اس بیانِ دلنشیں کے فوراً بعد قرآن میں مذکور واقعۂ اصحابِ فیل زیرِ بحث لایا گیا

---

[1] ایضاً صفحہ ۴۳

[2] سیرتِ رسولِ عربی، ص: ۵۴—۵۵

کیونکہ یہ جس انداز میں وقوع پذیر ہوا بذاتِ خود حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہورِ اقدس کی بارانِ برکات کا بین ثبوت ہے یہی وجہ ہے کہ جہاں اس واقعہ کے تاریخی و جغرافیائی حالات و واقعات کا جائزہ لیا گیا ہے وہاں حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے عقیدۂ توحید اور تحفظِ کعبہ کے ضمن میں اہتمامِ الٰہی کا بھی بھرپور انداز میں ذکر کیا گیا ہے تاکہ واقعاتی ترتیب اور تاریخی تہذیب گومگو کی ہر کیفیت سے پاک ٹھہرے۔ اسی فکری رجحان کا نتیجہ ہے کہ اس حادثہ کے بیان کے فوراً بعد سیرت نگار توکلی رحمۃ اللہ علیہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تولد شریف کی خوشی کے ثمرات اور خوارق تولد کے ذکر میں محو ہو جاتے ہیں، تحقیقِ انیق کے آئینے میں ۱۲ ربیع الاول روزِ پیر کو ولادت سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دن قرار دیتے ہیں اور اس تفرد کی تائید میں مستند کتبِ تاریخ و سیر میں واقع معتبر روایات سے استدلال کرتے ہیں۔ استدلالیت کے اسی رجحان کو برقرار رکھتے ہوئے وقتِ تولد شریف وقوع پذیر ہونے والے خوارق کو علمی دیانت اور تاریخی صداقت کے ساتھ بیان کرتے ہیں لہٰذا اپنی بحث کو علت و معلول کے عقلانیاتی سلسلے میں حتمی طور پر پروتے ہوئے سب سے پہلے سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منفرد الٰہیاتی برگزیدگی کا ذکر کرتے ہیں اور پھر بطور نتیجہ کائناتی تقلبات کے بیان میں مشغول ہوتے ہیں لیکن یہاں بھی کمالِ سلیقہ سے نورانی تانت کو استدلالِ روایت کے ذریعے سے آسمان سے پھیلا کر زمینِ اقدس میں پیوست کر دیتے ہیں۔ ملاحظہ کیجیے فرماتے ہیں

* چنانچہ ستارے تعظیم کے لئے جھک کر
آپ کے قریب آگے اور ان کے نور سے
حرم شریف کی پست زمین اور ٹیلے

روشن ہو گئے * [1]

بعد از اں حیاتِ طیبہ میں سے مختلف واقعات بیان کرتے ہوئے توکلی رحمۃ اللہ علیہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس دعاء کا خصوصی ذکر کرتے ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے لڑکپن میں قحط زدہ اہلِ مکہ کے لیے کی تھی جس کے نتیجہ میں فوری طور پر ابرِ رحمت برسا، ہر طرف شادابی چھا گئی اور قحط سالی کا اختتام ہو گیا۔ ترتیبِ حیات میں اس دعائے بارآور کی اہمیت یہ ہے کہ جب قریش نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اعلانِ نبوت کے بعد اذیتیں دینا شروع کیں تو حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ نے اپنے قصیدہ میں اسی دعاء کے حوالے سے قریش کو ان کی احسان نافراموشی کی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی۔ جب توکلی رحمۃ اللہ علیہ روانی حیات کے اس دھارے پر پہنچ گئے تو اب منطقی طور پر ضروری ہو گیا تھا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عملی زندگی کی طرف ملتفت ہوتے کیونکہ دعائے حیات ہمیشہ عملِ حیات کی متقاضی ہے لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ بینات میں سے وہ جس واقعہ کا اولین انتخاب کرتے ہیں وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سفرِ شام ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارہ سال کی عمر میں حضرت ابو طالب کے ہمراہ کیا تھا۔ مقصد اس آفاقی حقیقت کا بیان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نبوت کی علامات اور نشانیاں بچپن ہی سے عیاں ہو رہی تھیں اس کی تائید میں بحیرہ نامی راہب، جس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی خبر دے دی تھی، کا واقعہ بیان کیا گیا۔ لہٰذا فرماتے ہیں

* جب قافلہ شہر بصرہ پہنچا تو وہاں
بحیرہ راہب نے آپ کو دیکھ کر پہچان لیا اور
آپ کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا یہ سارے جہان کا
سردار ہے رب العالمین کا رسول ہے اللہ

[1] ایضاً صفحہ ۵۵

اس کو تمام جہان کے لیے رحمت بنا کر
بھیجے گا۔ قریشیوں نے پوچھا تجھے یہ کیونکر
معلوم ہوا؟ اس نے کہا کہ: جس وقت تم
گھاٹی سے چڑھے کوئی درخت اور پتھر باقی
نہ رہا مگر سجدے میں گر پڑا درخت اور
پتھر پیغمبر کے سوا کسی اور کو سجدہ نہیں کرتے ۔[1]

روایت ودرایت کی پاسبانی کے اسی معیار کی پیروی میں تعمیرِ کعبہ پر دوسرے باب کا اختتام اور تیسرے باب کا آغاز ہوتا ہے جو کہ بعثت شریف کے احوال سے لے کر ہجرت تک کے حالات وواقعات پر مشتمل ہے۔ بعثت شریف کی ضرورت و اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ ان احوال کو زیرِ بحث لائے ہیں جو اُس وقت صرف دنیائے عرب ہی کو نہیں بلکہ پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے چکے تھے، شرک وبت پرستی تمام عالم بشمول دنیائے عرب کو اپنے شکنجے میں اس طرح سے کس چکے تھے کہ کسی کو بھی اس سے راہ فرار حاصل نہیں تھا۔ ہر قبیلے نے اپنے لئے اپنے ہی ہاتھوں سے معبود گھڑ لیے تھے۔ اور اس پر مستزادوہ رسوماتِ قبیحہ تھیں جو بت پرستی کی اس عادت کے سبب رواج پا گئی تھیں۔ یہ وہ حالات تھے جن کی بنا پر بعثت نبوی ناگزیر ہو چکی تھی۔ ضرورتِ بعثت پر روشنی ڈالنے کے بعد مصنف روایت ودرایت کے متفق علیہ اصولوں کے مطابق آغازِ وحی، دعوتِ حق کی ابتداء اور اس سلسلے میں پیش آمدہ حالات وواقعات، مشرکین وکفار کی مزاحمت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی استقامت اور اولوالعزمی، ولید بن مغیرہ اور قریش کے درمیان تفصیلی مکالمہ، اہلِ ایمان پر قریش کا بہیمانہ تشدد، شعب ابی طالب میں ہاشمیوں کی محصوری، ہجرتِ حبشہ اور بیعتِ عقبی کا

[1] ایضاً صفحہ: ۹۵

اجمالی جائزہ لیتے ہیں۔ گویا تیسرا باب حضور سید العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہلِ اسلام کی ان کٹھن مشکلات اور دہشت انگیز احوال پر مبنی ہے جن میں سے اہلِ ایمان بغایت استقامت و پامردی کے ساتھ گزرے۔ علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ نے کمالِ فن کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے بیان کرنے کے لیے الگ سے ایک باب باندھا اور اس طرح عہدِ صعوبت اور عہدِ سہولت کے مابین ایک حدِ فاصل نصب کردی تاکہ تاریخی ونفسیاتی اعتبارات میں ارتقائی مراحل کی تفہیم وتمیز میں خلل لاحق نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ عہدِ سہولت وخودمختاری کی تفصیلات کے لیے الگ سے نیا باب باندھا گیا۔

یہ نیا باب ہمارے سامنے چوتھے باب کی مقصوداتی شکل میں نمایاں ہوتا ہے۔ تکنیکی اعتبار سے یہ باب فنی تقسیم کے اُس بہاؤ میں کھلتا ہے جو حرکات (Movements) پر مشتمل ہوتا ہے اور ہر حرکت ایک ممیز مگر مسلسل ارتقائے فکر ونظر کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ اس کی بناء پر اُن انسانیاتی، نفسانی ونفسیاتی، معاشرتی و معاشی، سیاسی وگروہی، قومی و بین الاقوامی اور نسبیاتی وتفکیری زاویوں کی تعیین میں حتمیت پیدا ہو جاتی ہے جو کسی قوم کے ذہنی وعملی نشاطات کے تحت ارتقائی منازل میں سے انضباط کے ساتھ گزرتے ہوئے اس قوم کی شناخت اور قومیت کی تشکیل میں کارگر ہوتے ہیں اور بالآخر جن کی باقاعدہ کارکردگی سے وہ قوم اپنا الگ تشخص حاصل کر لیتی ہے۔

یہی شعورِ ارفع تھا کہ علامہ توکلی نے واقعۂ ہجرتِ نبوی پر تیسرے باب کا اختتام نہیں کیا بلکہ اس سے چوتھے باب کا آغاز کیا کیونکہ اب نئے دور کا طلوع تھا، ایک نئی حرکت کی ابتداء تھی، جس کا آہنگ بذاتِ خود تصمیمِ ہجرت سے متعین ہو جاتا ہے، کیونکہ یہ ہجرت کوئی عام سا وقوعہ نہیں ہے بلکہ تاریخِ مسلمانانِ عالم میں ایسا واحد موڑ ہے جو ذاتی ترجیحات اور الٰہیاتی ترجیحات کے مابین نفسیاتی کشاکش کا حتمی سلجھاؤ بھی

ہے اور دشمنانِ اسلام کی چیرہ دستیوں سے نجات پا کر حیاتِ افراتفری سے حیاتِ نظم و ضبط، استقرارِ وجود اور اثباتِ ذات کی طرف ابدی طور پر نمائندہ اقدام ہے جس کی تنظیم خود دستِ قدرت سے انجام پائی۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ تو کلی نے حالات و واقعاتِ ہجرت کو بڑے مدبرانہ، مؤرخانہ، مدلل اور جغرافیائی انداز سے تحریر کیا ہے، صرف مستند اور معتبر روایات پر اعتماد کرتے ہوئے جمع و تدوین سے کام نہیں لیا گیا بلکہ نفسیاتی، معاشرتی، سیاسی اور قومی و بین الاقوامی پہلوؤں کو بھی مدِ نظر رکھا گیا جس کے نتیجہ میں سید العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آفاقی قیادت کے تحت سلطنتِ اسلامیہ وجود میں آئی اور علاقائی و بین الاقوامی حلقوں میں اپنا مثبت اور کارگر کردار ادا کرنے لگی۔

چوتھا باب تکمیل امور کے لیے مختص کیا گیا تھا لہٰذا جب کمال کا حصول ہو گیا تو علامہ تو کلی فنی مہارت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس باب کو یہیں پر ختم کر دیتے ہیں اور دیگر امور کے لیے اگلے یعنی پانچویں باب کا آغاز کر دیتے ہیں جس میں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصالِ پاک اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلیۂ با کمال کا ذکر ہے۔ حلیہ مبارک کا بیان بالتفصیل کیا گیا تا کہ کونیاتی اعجاز اور الٰہیاتی تقدیر کا توازن اپنی دائمی کارگر جوانب کے ساتھ اہلِ عالم کے سامنے بطورِ برہان ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قائم رہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسی مناسبت سے سیرت نگار نے امام قرطبی کی "کتاب الصلوۃ" سے کسی عارف کا جامع قول نقل کیا ہے کہ

* رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کامل حسن ہمارے لئے ظاہر نہیں ہوا کیوں کہ اگر وہ ظاہر ہو جاتا تو ہماری آنکھیں آپ کے دیدار کی تاب نہ لا سکتیں *[1]

اس حسنِ لایزال کے بیان سے پہلے ضروری تھا کہ درودِ پاک کا ورد ہو جائے

[1] ایضاً: صفحہ ۲۰۸

تا کہ خطائے بیان سے دامانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امان عطا ہو۔ چنانچہ علامہ تو کلی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا ہی کیا۔ پہلے درودِ پاک کی گوہر افشانی سے تبرک لیا اور پھر تمام اعضائے مبارکہ کے بیان سے بالانفراد آغاز کیا، روئے مبارک کا بیان، چشم و ابرو مبارک، بینی مبارک، پیشانی مبارک، گوش مبارک، دہن مبارک کا ذکر ہوا اور لعابِ دہن مبارک کے بیان میں آپ کے لعاب مبارک کی برکات کا ذکر کیا گیا ہے جو مختلف مواقع پر ظہور پذیر ہوئیں۔ اسی طرح سے دستِ مبارک سے وقوع پذیر ہونے والے معجزات کا بیان ہوا۔ الغرض حلیہ مبارک کا اتنا مفصل بیان ہے کہ قاری پر کیف و وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی ہے حلیہ شریف کے بیان کے آخر میں بھی برکت کے لیے مفصل درود پاک دیا گیا ہے جس کی برکات کے بارے میں سیرت نگار رقمطراز ہیں۔

ہر ایک مسلمان کی یہ آرزو ہونی چاہیے کہ اس دنیا میں بھی حالت خواب یا حالت بیداری میں حضور کی زیارت سے مشرف ہو لہٰذا ہم ذیل میں ایک درود شریف درج کرتے ہیں جو شخص اس کو ہر روز سونے سے پہلے باوضو، باادب اور حضورقلب سے تین بار پڑھے گا ان شاء اللہ چالیس دن کے اندر حضور اقدس کی زیارت سے مشرف ہوگا [1]

پانچواں باب جہاں حسنِ کامل کا بیان ہے وہاں اس حقیقت کا بھی عندیہ ہے کہ بعد والے تمام ابواب اس حسنِ کامل کی خوبیوں، لطائف اور ہمہ گیر صفات کے بیان پر مبنی ہوں گے تا کہ ذاتی و غیر ذاتی، قومی و بین الاقوامی، معاشرتی و معاشی اور سیاسی و

[1] ایضاً صفحہ: ۷۳۲

غیر سیاسی ہر سطح پر عام و خاص سب کے لیے ایک قابلِ اتباع نمونہ کامل قائم ہو جائے اور مصافِ حیات میں رشد و ہدایت کے لیے میدانِ عمل میں اصولِ قیادت و سیادت کی واضح تصمیم تیار ہو جائے جس کی تعمیل سے اسلام کے اعلیٰ مقاصد کو حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں علامہ توکلی نے اگرچہ بغایت اختصار سے کام لیا ہے تاہم یہ ایسا اجمال ہے جس میں اہلِ دانش کے لیے تفصیل کی ہر گتھی بڑے قرینے سے سلجھا دی گئی ہے۔

اسی فنی منصوبہ بندی کے تحت چھٹا باب حضور نبی عالمگیر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلق عظیم کے بیان پر مبنی ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خلقِ عظیم اسوۂ حسنہ کا وہ پہلو ہے جسے قرآن پاک میں اللہ تبارک و تعالی نے بڑے امتیاز کے ساتھ بایں الفاظ ذکر فرمایا:

﴿اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ﴾[1]

[اور تحقیق آپ اخلاق کے اعلی درجات پر فائز ہیں]

سیرت نگار نے قرآنی آیات، احادیث مبارکہ، عربی و فارسی واشعار کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک کے جملہ محاسن کو مختلف مضامین کی شکل میں اس باب کی زینت بنایا ہے۔ اس ضمن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صبر و حلم اور عفو و درگزر کے واقعات ایسے دلکش انداز میں بیان کیا ہے کہ قلبِ سلیم نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دکھ میں خونچکاں ہو جاتا ہے اور ورطۂ حیرت میں گم ہو جاتا ہے یہ غور کر کے کہ محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دشمنوں نے کیا کچھ نہیں کیا کونسی تکلیف ہے جو نہ پہنچائی ہو مگر کریم ذات نے کمال رحمت کا مظاہرہ فرمایا اور باوجود قدرتِ انتقام کے سب کو معاف کر دیا اور اللہ تعالی کے اس فرمانِ عظیم ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً

[1] سورہ قلم: آیت ۴

لِّلْعَالَمِيْنَ ﴾[1] کی عملی تفسیر بن کر عالمِ رنگ و بو میں جلوہ آرا ہوئے۔سیرت نگار نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفقت ورحمت کے وہ تمام گوشے ذکر کیے ہیں جن کا مصداق صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی ذات ہے۔انسان،حیوان،جمادات،نباتات،اپنے،غیر، دوست دشمن الغرض کوئی بھی نہ بچا جسے ذات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لطف وکرم کا فیض نہ ملا ہو۔اس کے بعد سیرت نگار نے خلق عظیم ہی کے زمرہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عدل و انصاف،صدق وامانت،جودوسخا،عفت وحیاء،شجاعت وقوت،عزم استقلال اور حسن وفائے عہد کو بیان کیا ہے۔عربی اشعار کے حوالہ جات درج ہیں جبکہ فارسی اشعار کے حوالہ جات بوجہِ شہرت درج نہیں کیے گئے ہیں۔

جبکہ ساتویں باب میں سیرت نگار نے حضور نبی کریم کے معجزات کو بیان کیا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ہدایت سے فیضیاب کرنے کے لئے مختلف زمانوں میں انبیاء علیہم السلام دنیا میں بھیجے پھر انہیں بطور دلائل معجزات عطا فرمائے اسی طرح جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو دیگر انبیاء کی بہ نسبت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اکثر واقوی معجزات عطا فرمائے۔جن میں سے سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم ہے جسے اللہ تعالی نے قیامت تک کے لیے معجزہ بنا کر نازل فرمایا،مگر کفار ومشرکین نے کتاب لاریب پر نقطہ چینیاں کیں تو کبھی مستشرقین نے اعتراضات کے ایسے انبار کھڑے کیے کہ کچھ سیرت نگار تذبذب کا شکار ہوئے اور دفاع کی بجائے اعتذاری پہلو اختیار کیے مگر "سیرت رسول عربی" کے مصنف کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ انہوں نے قطعی دلائل سے قرآن پاک کی حقانیت کو نہ صرف ثابت کیا بلکہ مستشرقین کے اعتراضات کا منہ توڑ جواب بھی دیا،انہوں نے کتب سابقہ کا عمیق مطالعہ کیا اور مستشرقین کے اعتراضات کا مدلل ومحقق رد کیا،جہاں ضرورت پیش آئی سابقہ کتب الہامیہ تورات،

[1] سورہ انبیاء:۱۰۷

زبور، انجیل سے قرآن پاک کی صحت وصداقت کو ثابت کیا۔ کفار و مستشرقین کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ قرآن پاک میں صرف غیوبِ ماضی کی خبریں ہیں مگر فاضل سیرت نگار نے چالیس قرآنی پیش گوئیوں کو اس باب میں تحریر کیا ہے۔ اور اسی ضمن میں وہ علوم القرآن کا بالتفصیل تذکرہ کرتے ہیں۔ اس کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ بابرکات سے اخص الخاص معجزات بیان کرتے ہیں۔ جن میں پہلا معجزہ معراج شریف ہے، سیرت نگار نے قرآنی استدلال سے ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج کی جو نعمتیں عطا فرمائیں وہ خواب میں نہیں بلکہ جسم اطہر اور روحِ اقدس کے ساتھ تھیں، اور دلائلِ قاہرہ سے معترضین کے منہ بند کر دیے۔ معجزۂ شقِ قمر کا ذکر کرتے ہوئے سوالات واعتراضات کے مدلل جوابات دیتے ہیں معجزہ ردِّ شمس، انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری کرنا، حیوانات کا کلام کرنا، جمادات ونباتات کا اطاعت کرنا اور قیامت اور عرصاتِ قیامت کے احوال بیان فرمانا ان سب معجزات کے مفصل ومدلل احوال اس باب کے مضامین ہیں۔

ساتواں باب چونکہ معجزاتِ طیبہ پر گھومتا تھا اس لیے اب منطقی نتیجہ کے طور پر آٹھویں باب کو حضور سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل وخصائص کے تفصیلی بیان کے لیے مختص کیا گیا۔ یہاں علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ نے عقلی ونقلی استدلالیت کے اسلوب میں فضائل وخصائصِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آیاتِ قرآنیہ، احادیثِ مبارکہ، دیگر معتبر کتبِ تاریخ وسیر اور عربی وفارسی اشعار کے ذریعہ سے بڑے مؤثر انداز میں واضح کیا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیگر انبیاء علیہم السلام پر جو خاص فضیلت حاصل ہے اسے جدول میں اس طرح سے واضح کیا گیا ہے کہ پہلے دیگر انبیاء علیہم السلام سے کسی ایک کی فضیلت و شان لکھتے ہیں پھر اسی شان ومرتبہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو خاص فضیلت

حاصل ہے اس کو ذکر کرتے ہیں۔اس کے بعد خصائصِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مضمون میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخصوص خصائص وفضائل کا ذکر بالتفصیل مع دلائل کرتے ہیں۔فاضل سیرت نگار نے کمالِ تحقیق وجستجو کے بعد ایک سو سے زائد نکات تحریر کیے ہیں جن میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیگر انبیاء پر خاص فضل حاصل ہے۔ان فضائل میں سے ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ قرآنِ کریم میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالی نے کنایہ و صفات سے خطاب فرمایا، بخلاف دیگر انبیاء کے کہ انہیں ان کے نام سے خطاب فرمایا، مثلاً دیگر انبیائے کرام سے خطابِ الٰہی مندرجہ ذیل انداز سے ہوا

﴿وَقُلْنَا یَآ اٰدَمُ اسْکُنْ﴾[1]

﴿یَآ اِبْرَاهِیْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا﴾[2]

﴿قِیْلَ یَا نُوْحُ﴾[3]

﴿قَالَ یَا مُوْسٰۤی﴾[4]

﴿وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسٰی﴾[5]

﴿یَا زَکَرِیَّا﴾[6]

جبکہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وقتِ خطاب مندرجہ ذیل اندازِ لطیف اپنایا گیا

﴿یَآ اَیُّهَا النَّبِیُّ﴾[7]

---

[1] البقرہ:۵۳

[2] ھود:۲۷

[3] ھود:۸۴

[4] اعراف:۱۴۴

[5] مائدۃ:۱۱۰

[6] مریم:۷

[7] انفال:۶۴

﴿یَآ اَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ﴾[1]

﴿یَآ اَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾[2]

اس کے بعد کفار کی طرف سے جو آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان مبارکہ میں طعن وتنقیص کی گئی اس کا جواب حق سبحانہ تعالیٰ نے خود دیا جس سے شانِ محبوبیت عیاں ہے فاضل سیرت نگار نے اس کو بھی ایک جدول کی شکل میں ذکر کیا ہے، اول کفار کی طرف سے کیے گئے اعتراض کا ذکر کرتے ہیں اور پھر اس کے مقابل میں باری تعالیٰ کی طرف سے قرآن پاک میں آمدہ جواب تحریر کرتے ہیں۔

فاضل سیرت نگار جب فضائل وخصائصِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تذکارِ کریم سے فارغ ہو جاتے ہیں تو نویں باب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہلِ بیت اطہار کی طرف ملتفت ہوتے ہیں لہٰذا امہات المومنین اور آل پاک اطہار کو احاطۂ تحریر میں لاتے ہیں۔ حضور سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا گوشہ گوشہ پوری انسانیت کے لیے مشعل راہ اور کامل نمونہ ہے۔ لہٰذا سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خانگی زندگی میں بھی عالمِ بشریت کے لیے مکمل سامانِ رشد وہدایت ہے یہی وجہ ہے کہ سیرت نگار نے بڑے التفات کے ساتھ امہات المومنین اور فروغِ اسلام میں ان کے بھرپور کردار کو بیان کیا ہے۔ اس ضمن میں وہ تعددِ ازواج کے مسئلہ کو بھی بڑی خوبی سے مدلل انداز میں زیرِ بحث لاتے اور کامیابی سے معترضین کا رد کرتے ہیں۔

جبکہ سیرتِ طیبہ کے اختتام پر بابِ دہم میں توکلی رحمۃ اللہ علیہ امتِ مسلمہ پر عائد حقوقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو موضوعِ بحث بناتے ہیں۔ اس ضمن میں کئی فقہی وعقیداتی مباحث پر قلم زنی کرتے ہوئے قرآن وحدیث سے جامع انداز میں استدلال کرتے ہیں تاکہ

---

[1] مزمل ۱:۱

[2] [illegible] ۱:

مغرب زدہ اور گمراہ ذہنوں پر چھائے ہوئے شک وشبہ کے سیاہ بادل رفو ہو جائیں۔ لٰہذا بات کا آغاز آداب وحقوقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دلکش بیان سے ہوتا ہے۔قرآنِ عظیم کے مطابق امت پر عائد پہلا حق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت ورسالت پر ایمان ہے۔ایمان کا کوئی زینہ بھی ایمان بالرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغیر طے ہوگا نہ اس کی کوئی حیثیت ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ہر مسلمان پر واجب ہے اور حدیث شریف بھی اس امر پر صریح دلالت کرتی ہے کہ دنیا ومافیہا سے حتیٰ کہ اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب جب تک ذات مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ مانا جائے تکمیل ایمان بے سود ہے اس ضمن میں سیرت نگار نے آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ اور اقوال صحابہ وصالحین سے بخوبی استدلال کیا ہے۔

عشق ومحبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اولین تقاضا ادب ہے۔ بنابریں فاضل سیرت نگار بارگاہِ نبوی کی تعظیم وتوقیر وآداب کی وضاحت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تعامل سے کرتے ہیں۔اس ضمن میں ان احادیث کو علی الخصوص بیان کرتے ہیں جن میں صحابہ کرام حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خنکار مبارک کو اپنے ہاتھوں پر لے کر اپنے جسموں پر مل لیا کرتے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب وضو فرماتے تو ان کے وضو کے پانی کو زمین پر نہ گرنے دیتے بلکہ اس کے حصول کے لیے باہم جھگڑتے تھے۔

جس طرح سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارکہ کی تعظیم اور ادب واجب ہے اسی طرح سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آثار مبارکہ کی تعظیم بھی واجب ہے بلکہ ان سے تبرک لینا عینِ شرع اور عنداللہ مقبول ہے۔اس ضمن میں بخاری کی حدیث بیان کی گئی ہے کہ حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موئے مبارک تھے جن سے لوگ نظر بد اور بیماریوں کا علاج کیا کرتے تھے۔اس سلسلے میں سیرت نگار نے مختلف کتبِ احادیث وسیرت سے چھیالیس احوال وواقعات بطور استدلال

پیش کیے ہیں۔

اسی جاندار اسلوب میں درود شریف کی برکات اور قبر انور کی زیارت کی برکات کو قرآنی استدلال اور احادیث سے ثابت کیا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات پر درود و سلام بھیجنا باعث برکت، اجابتِ دعاء اور دنیا و آخرت میں کامیابی کا ذریعہ، نجات کا باعث اور رضائے الٰہی کے حصول کا حتمی موجب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل یہ شرف صرف اسی امت کو عطا ہوا ہے۔ کیونکہ اس امت کے سوا کسی اور امت کو اپنے نبی پر درود و سلام بھیجنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ فضائلِ درودِ پاک کے بیان کے ساتھ ساتھ روضۂ منور کی زیارت کی فضیلت میں بھی بہت سی روایات لائی گئی ہیں اور پھر حسنِ ادب کے ساتھ اس ضمن میں اجماعِ امت کا بھی ذکر کر دیا گیا کہ "حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ شریف کی زیارت بالاجماع سنت اور فضیلت عظیمہ ہے"[1] اسی مناسبت سے سیرت نگار نے حدیث لاتشد الرحال کا تحقیقی سطح پر تجزیہ کرتے ہوئے اس عقیدۂ باطلہ کا رد کیا ہے کہ انبیاء و اولیاء اور شہدا کے مزارات کی طرف بہ نیتِ حاضری سفر کرنا ناجائز اور حرام ہے۔ بنابریں فرشتے بھی جو صبح و شام روزہ اقدس پر حاضر ہوتے ہیں وہ بھی معصیت میں مبتلا ہیں۔ فاضل محقق نے اس حدیث پر چار وجوہ سے دلائل اور نحوی اصولوں کو زیر بحث لاتے ہوئے ثابت کیا ہے کہ مذکورہ حدیث میں مساجد ثلاثہ کا ذکر بالتخصیص ہے اور یہ حدیث صرف مساجد ثلاثہ کی طرف بغرض تضاعفِ ثواب سفر کرنے کے حکم میں ہے نہ کہ اس سے مراد مزارات اور مقاماتِ مقدسہ کی ممانعت ہے۔

کتاب کا خاتمہ استغاثہ اور توسل پر دلنشیں فقہی بحث پر ہوتا ہے۔ اہلِ حق کے اس اجماعی عقیدہ کو آیاتِ قرآنیہ، احادیثِ صحیحہ، تعامل و فرامینِ صحابہ، اقوالِ تابعین و

[1] سیرت رسول عربی: صفحہ ۵۵۸

تبع تابعین اور عمل وفتاوائے آئمہ مجتہدین کی روشنی میں بغایت جامعیت کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے، یہاں تک کہ عرصاتِ قیامت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت اور توسل کی وضاحت کرتے ہوئے ان دس گروہوں کا بھی ذکر جاری ہوا جو حضور شافعِ محشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت سے بہرہ ور ہونگے۔ اور عینِ اختتام پر عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیرت نگار پر چھا جاتا ہے جس کے نتیجہ میں اپنی کم مائیگی اور شفاعتِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فراوانی کی یاد غنچہ ہائے دل شگفتہ کر دیتی ہے اور وہ گریہ کناں پکار اٹھتے ہیں

> ٭ اب اخیر میں توکلی مدینہ منورہ کی طرف منہ کر کے روتا ہوا دربار رسالت مآب میں یوں عرض کر رہا ہے: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیامت میں اس مسکین، عاجز، بے نوا، سراپا گناہ محمد نور بخش توکلی کی شفاعت فرما دیجیے گا (آمین) ٭[1]

الغرض علامہ توکلی نے اپنی کتاب ''سیرت رسول عربی'' میں نہایت فنی عمدگی کے ساتھ ابحاثِ سیرت کو سمیٹا ہے۔ جس طرح سے ابواب باہم مربوط ہیں اسی طرح سے مضامین میں بھی گہرا نظم ونسق اور ربط پایا جاتا ہے۔ موضوع کے اعتبار سے مختلف ابحاث کو مضامین کی صورت میں ترتیب دیا گیا ہے، ہر مابعد و ماقبل بہم دیگر تشریح کرتا ہے، یہ مضامین رسالت کی ضرورت واہمیت، دعوتِ اسلام میں درپیش مصائب وتکالیف اور دیگر متعلقات کو بطریقِ احسن اجاگر کرتے ہیں۔ پھر اسلوبِ اظہار نہایت علمی وادبی ہے، زبان آسان اور عام فہم استعمال کی گئی ہے، وقائع پر موقع ومحل کی مناسبت سے حوالہ جات کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔ کسی مضمون میں کوئی تاریخی

---

[1] ایضاً: ص:۶۰۸

واقعہ بیان کیا گیا ہے تو اس کے جغرافیائی خدوخال کا نقشہ بھی بیان کیا گیا ہے تاکہ بات کو اصل صورت میں سمجھنے میں آسانی ہو جنگی حالات کی منظر کشی کرتے ہوئے مکمل اعداد و شمار کو، اور جانوروں کی تعداد، آلاتِ جنگ کی اقسام، میدانِ کارزار کی منظر کشی اور دونوں طرف کی عسکری قوت کا مکمل تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔ شمائل نبوی پر مبنی مضامین میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل ومناقب اور حلیہ شریف کے بیان میں بہت جامع گفتگو کی گئی ہے۔ ترکیبات اور جملوں کے استعمال میں ندرت اور فصاحت وبلاغت کے پیمانوں کی پاسداری کی گئی ہے۔ اسی طرح سے معجزات کے باب میں بڑی مربوط درجہ بندی سے تمام معجزات کو بڑے احسن انداز سے سپرد قلم کیا گیا ہے، سادہ اور عام فہم الفاظ کو اس اسلوب سے ترتیب دیا گیا ہے کہ تحریر میں ادب کی چاشنی بھر گئی ہے جو قاری کے تجسس کو ختم نہیں ہونے دیتی اور مکمل مضمون پڑھے بغیر کتاب رکھنے کو جی نہیں چاہتا۔ تجزیاتی سطح پر یہ وہ خوبیاں ہیں جو مصنف کے ادبی ذوق اور طرزِ تحریر پر مکمل دسترس کی ترجمان ہیں۔ ہاں البتہ کچھ مقامات ایسے ہیں جہاں تفصیلات سے گریز کرتے ہوئے اشاراتی انداز کو اپنایا گیا ہے۔ جیسے غزوات کی بحث میں قصۂ افک کی طرف محض اشارہ ملتا ہے۔[1]



---

[1] ایضاً ص:۸۵۱

ساتواں باب

سیرت رسول عربی کے مآخذ

سیرت نبوی کے مآخذ بہت سے ہیں جن میں قرآن مجید کو بنیادی اور اصولی اہمیت وحیثیت حاصل ہے اگر اس کتاب مبین کے علاوہ سیرت وسوانح کا کوئی اور سرچشمہ نہ ہوتا پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ اور اسوۂ مبارکہ کی مکمل اور جامع تفصیلات صرف اسی کتابِ الٰہی سے میسر آجاتیں بلکہ حق یہ ہے کہ اصلی اور حقیقی سیرت توصرف قرآن مجید نے ہی بیان کی ہے۔ ذخیرۂ احادیث میں تو اس کی مزید جزئیات اور تفصیلات ملتی ہیں جن کی ضرورت کا تذکرہ خود قرآن مجید میں متعدد مقامات پر موجود ہے قرآن مجید کی اصولی اور اجمالی تعلیمات کی تفصیل کو جاننے کے لئے چونکہ حدیث ایک ناگزیر ضرورت کا درجہ رکھتی ہے۔ اسی لئے احادیث کے متن کی صحت واستناد کے لئے ایسے فنون مرتب کئے گئے ہیں جن کی روشنی میں اس بات کا التزام کیا گیا کہ کوئی بھی ظالم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال وافعال اور اعمال واحوال میں کسی الحاق یا تکذیب کا ارتکاب نہ کر سکے۔ تاریخِ علوم انسانی کا یہ سائنٹیفک مطالعہ علم الحدیث، روایت ودرایت، جرح وتعدیل، علل الحدیث اور اسماء الرجال کے تنقیدی اور تحقیقی معیارات کے باعث ملت اسلامیہ کے مستقل مفاخر میں شامل ہے۔ اس علم کو پیش کرنے اور محفوظ کرنے والے حضرات اصحاب الحدیث کہلائے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاکیزہ شخصی کوائف کو بالخصوص حرب وحزب کے مجاہدانہ کارناموں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

اسوہ حسنہ اور انفرادی واجتماعی حیات طیبہ، اور اقوال وافعال کو جامع اور مستند معلومات کے ساتھ پیش کرنے والے محققین اصحاب السیر یا اصحاب المغازی کہلائے۔ ایک طرف ذخیرۂ سیرت کو قرطاس وقلم کے ذریعہ سے محفوظ کیا گیا جبکہ دوسری جانب اتباعِ سنت کے حوالے سے خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عملی طور پر اسے اپنا کر اس کے تمام تر امکانات کو دنیا بھر کے سامنے روشن کر دیا۔ تعامل کا یہ تواتر اس سیرت کی کاملیت اور تاریخیت پر ایک مہر تصدیق ثبت کرتا ہے۔

قرآن وحدیث کے اس ذخیرے کے علاوہ جس شعبہ علمی میں صحابہ اور تابعین نے اختصاص پیدا کیا وہ سیر ومغازی کا فن ہے۔ مغازی وسیرت کے حوالے سے مسلمانوں نے روایات کے اخذ وترک میں جس انہماک کا اظہار کیا۔ اس کے باعث مغازی کو بھی حدیث کی ایک نوع قرار دیا۔ پہلی صدی ہجری میں سیرت نگاروں کا جو قافلہ مغازی کے عنوان سے روانہ ہوا دلائل، شمائل، معارج، مدارج اور سیر کے مراحل سے گزرتا ہوا ہمارے عہد میں یوں داخل ہوا کہ یہ عالم سنورتے دکھائی دیتے ہیں، اس گلستانِ علم اور چمنستانِ سیرت سے مابعد سبھی سیرت نگاروں نے خوشہ چینی کی اور قرآن وحدیث کے بعد سیرتِ طیبہ کی ان معتبر ومستند کتب کو سامنے رکھتے ہوئے سیرتِ طیبہ کے موضوع پر لکھنے کی ہمت کی۔ سیرتِ طیبہ ایسا موضوع ہے جس میں غیر معقول دلائل کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ بلکہ اسلامی لٹریچر کے (جس کی بنیاد ہی روایت ودرایت پر قائم ہے) ذخیرے کو سامنے رکھے بغیر سیرتِ طیبہ پر طبع آزمائی کرنا سعی لاحاصل ہے۔ نور بخش توکلی نے بھی اپنی ابحاثِ سیرت میں اسی اصولِ استدلال کو اپنایا اور قرآن وتفاسیر، احادیث واصولِ حدیث، اور عربی وفارسی ادب میں بیمثال کتب سے استدلال واستشہاد کو اپنی ابحاثِ سیرت کا حصہ بنایا جس کی بدولت ان کی تالیف سیرت رسول عربی کو شہرت دوام حاصل ہوئی اور بارگاہ

الہی میں مقام مقبولیت کی سند سے نوازی گئی لہٰذا سیرت رسول عربی کے مصادر و مراجع کی فہرست مآخذ ذیل میں پیش کی جاتی ہے۔

الہامی کتب

✪ قرآن کریم ● تورات ● زبور ● انجیل متی ● انجیل لوقا

علم التفسیر

روح البیان	امام اسماعیل حقی	۱۱۳۷ھ
روح المعانی	امام شہاب الدین آلوسی	۱۲۷۰ھ
الاتقان فی علوم القرآن	امام جلال الدین سیوطی	۹۱۱ھ
الفوز الکبیر فی علوم التفسیر	شاہ ولی اللہ	۱۱۷۴ھ

علم حدیث

صحیح بخاری	امام محمد بن اسماعیل بخاری	۲۵۶ھ
صحیح مسلم	امام مسلم بن حجاج قشیری	۲۶۱ھ
سنن ترمذی	امام محمد بن عیسی ترمذی	۲۷۹ھ
سنن ابی داؤد	ابوداؤد سلمان بن اشعث	۲۷۵ھ
سنن ابن ماجہ	امام محمد بن یزید قذوینی	۲۷۳ھ
سنن نسائی	امام احمد بن شعیب نسائی	۳۰۳ھ
مؤطا	امام مالک بن انس	۱۷۹ھ
المسند	امام احمد بن حنبل	۲۴۱ھ
المستدرک علی الصحیحین	محمد بن عبداللہ حاکم	۴۰۵ھ

مشکوۃ المصابیح	امام محمد بن عبداللہ التبریزی	۷۴۲ھ
مسند طیالسی	امام ابوداؤد سلیمان طیالسی	۲۰۴ھ
المعجم الصغیر	حافظ سلیمان بن احمد طبرانی	۳۶۰ھ
اشعۃ اللمعات	شاہ عبدالحق محدث دہلوی	۱۰۵۰ھ
عمدۃ القاری	امام بدرالدین عینی	۸۵۵ھ
کنز العمال	امام علی متقی بن حسان الدین	۹۷۵ھ
شمائل ترمذی	امام محمد بن عیسی ترمذی	۲۷۹ھ
شعب الایمان	امام احمد بن حسین بیہقی	۴۵۸ھ
الادب المفرد	امام محمد بن اسماعیل بخاری	۲۵۶ھ
المصنف	امام عبدالرزاق	۲۱۱ھ
فتح الباری	امام ابن حجر عسقلانی	۸۵۲ھ
الجامع الصغیر	امام جلال الدین سیوطی	۹۱۱ھ

سیرت و تاریخ

السیرۃ النبویہ	امام عبدالمالک بن ہشام	۲۱۳ھ
السیرۃ النبویہ	محمد بن اسحاق	۱۵۱ھ
طبقات کبریٰ	ابن سعد ابوعبداللہ	۲۳۰ھ
المواھب اللدنیہ	امام محمد بن احمد عسقلانی	۹۱۱ھ
حجۃ اللہ علی العالمین	امام یوسف بن اسماعیل النبھانی	۳۵۰ھ
معجم البلدان	ابوعبداللہ یاقوت	۲۲۶ھ

الکامل فی التاریخ	امام ابن کثیر	۶۳۰ھ
زاد المعاد فی ھدی خیر العباد	ابن قیم جوزی	۷۵۱ھ
الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب	ابن عبد البر القرطبی	۴۶۳ھ
الاصابۃ فی تمییز الصحابہ	امام ابن حجر عسقلانی	۸۵۲ھ
کتاب الصنام	ابو عمر بن بحر الجاخط	۲۵۵ھ
الشفاء فی تعریف حقوق المصطفی	قاضی عیاض بن موسی	۵۴۴ھ
حیوۃ الحیوان	کمال الدین محمد بن عیسی الدمیری الشافعی	۸۰۸ھ
طبقات الامم	ابولاقاسم بن قاضی القرطبی	۲۵۰ھ
طبقات الصحابہ والتابعین	ابوعبداللہ محمد بن سعد زھری بصری	۲۳۰ھ
دلائل النبوۃ	امام بیہقی	۴۵۸ھ
مقدمہ ابن خلدون	عبدالرحمان ابن خلدون	۸۰۸ھ
البدایۃ والنھایۃ	امام ابن کثیر	۷۷۴ھ
وفاء الوفا باخبار دارا المصطفی	علامہ نورالدین علی بن احمد	۹۱۱ھ
نسیم الریاض	ابو عباس احمد ابن محمد خفاجی	۱۰۶۹ھ
فتوحات الشام	ابوعبداللہ محمد بن عمر الوقدی	۲۰۷ھ
شفاء الاسقام فی زیارۃ خیر الانام	امام تقی الدین سبکی	۷۵۶ھ
تحفہ احمدیہ در ثبوت معراج محمدیہ	مشتاق احمد انبیٹھوی	۱۳۱۰ھ
العقد الفرید	احمد بن محمد اندلسی	۳۲۸ھ
زرقانی علی المواھب	امام زرقانی	۱۱۲۲ھ

خصائص کبریٰ	امام جلال الدین سیوطی	۹۱۱ھ [1]

متفرقات

مجموعہ قصائد

قصیدہ بردہ	امام شرف الدین بوصیری	
کشف الغمۃ	شیخ عبدالوہاب شعرانی	۹۷۳ھ
شرح فقہ اکبر	ملا علی قاری	

مذہب واخلاق کا انسائیکلو پیڈیا

نیلسن کا انسائیکلو پیڈیا

علامہ توکلی نے ''سیرت رسول عربی'' لکھتے ہوئے جس علمی خزانے کو سامنے رکھا اس کی اہمیت وصداقت پر کسی شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ مطہرہ کی ابتدا وانتہا تو خود قرآن مجید کے متن میں بہ تمام وکمال جھلکتی ہے مگر آپ کے تابعینِ فرمان اور متبعین نے بھی اس سیرت کو علمی وعملی اعتبار سے محفوظ کرنے کے لئے عقیدت وارادت کا ایک انوکھا جہان آباد کیا ان میں کتبِ صحاح ستہ، دیگر کتبِ احادیث، امام جلال الدین سیوطی کی کتبِ تفاسیر اور خصائص کبریٰ، روح المعانی اور روح البیان وغیرہا جیسے مستند اور معتبر منابع سے کون انکار کر سکتا ہے۔ علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ کی فہرستِ مراجع سے پتہ چلتا ہے کہ ایک دو نہیں بلکہ درجنوں کتبِ حدیث ان کے پیش نظر تھیں جن سے انہوں نے استفادہ کیا۔ پھر قابل ذکر امر یہ ہے کہ آج سے کم وبیش ایک صدی پہلے فرد واحد کا اتنی تحقیق وجستجو کرنا یقینا بہت بڑا کارنامہ ہے۔ جب کہ اسی دور میں علامہ شبلی نعمانی سیرت النبی لکھتے ہیں تو ان کے ساتھ ایک تربیت یافتہ

[1] کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون: مصطفیٰ بن عبداللہ، جلد ۱۔ ۲

افرادی [1]

قوت ہوتی ہے مگر پھر بھی ان کا اعتراف ہے کہ انہیں اس بات کی حسرت ہی رہی کہ وہ "ابن کثیر کی "البدایہ والنہایہ" ہی دیکھ لیں [2] اس ضمن میں نور بخش توکلی یقیناً لائقِ ستائش ہیں جنھوں نے معتبر کتب سیرت اور تاریخ تک رسائی حاصل کی اور ان پر اپنی تحقیق و جستجو کا منہاج استوار کیا۔ پھر طریقِ حوالہ دہی کے ملاحظہ سے مزید واضح ہوتا ہے کہ پروفیسر توکلی جدید اصولِ سیرت سے مکمل آگاہ تھے۔ آیاتِ قرآنیہ کا حوالہ دیتے ہیں تو پارہ نمبر سورت کا نام رکوع نمبر اور آیت نمبر تک لکھتے ہیں [3]؛ اسی طرح حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے کتاب کا نام مصنف کا نام، جلد اور صفحہ نمبر تک بتاتے ہیں [4]؛ سیرت کی کتاب کا حوالہ دیتے ہوئے کتاب کا نام مع مصنف و جلد و صفحہ اور مقامِ اشاعت تک کا بھی ذکر کرتے ہیں [5] اس نہج پر چلتے ہوئے علامہ موصوف نے قابلِ صد رشک اختصار و جامعیت سے کام لیا ہے، موجبِ حیرت ہے کہ انہوں نے ایک جلد میں اتنا سرمایۂ سیرت جمع کر دیا کہ کوئی پہلو بھی تشنۂ تحقیق نہ رہنے دیا۔ لہٰذا "سیرت رسول عربی"، کو جہاں ان کے علمی و ادبی طرزِ اسلوب سے شہرتِ عام اور مقبولیتِ خاص حاصل ہوئی وہاں اپنے مستند اور معتبر مصادر و مراجع کی بدولت بھی ہمہ گیر پذیرائی اس کا مقدر بن گئی۔



[1] سیرت النبی و سیرت رسول کا تقابلی جائزہ: محمد رفیق، مقالہ مخزونہ، ص ۴۰

[2] مرقع سیرت: پروفیسر عبدالجبار شاکر، ص: ۱۳۹

[3] سیرت رسول عربی، ص: ۲۴۴

[4] ایضاً ص: ۴۸۴

[5] ایضاً ص: ۴۸۲

آٹھواں باب

''سیرت رسول عربی'' کی خصوصیات

''سیرت رسول عربی''، تحقیق کا بحر بیکراں، جستجو کا مینار ضیابار، گلستانِ قرآن وحدیث، جو غنچہ غنچہ محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہار سے عنبر بیز، اور صدق وحقائق کا ابرِ گوہر بار ہے۔ زبان سادہ مگر ایسی کہ لفظ لفظ میں فصاحت وبلاغت کی شان جلوہ گر ہے۔ اول سے آخر تک ساری کتاب میں حضور سید عالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت و فضیلت کی درخشاں کہکشائیں بچھی ہوئی ہیں۔ علامہ نور بخش توکلی کی اس تصنیفِ لطیف نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات کی بابت تشکیک واوہام میں ڈوبے ہوئے اذہان کو عشق ومعرفت کی رفعتیں عطا کی۔ قرآن وحدیث اور معتبر حوالہ جات کو ماخذ بنا کر اہلِ نظر کو آئینہ حقیقت دکھا دیا کہ یہ ہیں مقاماتِ رسولِ عربی کی بلندیاں، عشقِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ضوفشانیاں، روضہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ضیاباریاں، اور یہ ہیں شہر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فیض رسانیاں کہ جہاں سب کی فریادیں سنی جاتی ہیں وہ مرکزِ انوار جہاں سب کو حسبِ مدعا عطا ہوتا ہے! یہی ہیں روضہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی برکات کہ جسے کوتاہ بین ایک سطحی حیثیت دینے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں! آخر یہ اپنے ہی ایمان کے دشمن کس کے خلاف صف آرا ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے جیسا سمجھنے والوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہانت کرتے ہوئے یہ نہ

سوچا کہ آج رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عداوت جو خدا کی عداوت ہے، مول لے لی تو قیامت کی ہنگامہ خیزیوں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا کون سہارا ہوگا کہیں ہماری یہ موشگافیاں ہمیں اس شفیعِ روزِ جزاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت سے ہی محروم نہ کر دیں۔ معاملہ توسل کا ہو یا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخبر صادق ہونے کا علامہ نور بخش کی مایہ ناز اور شاہکار تصنیف ''سیرت رسول عربی'' نے یک جلدی کتاب ہوتے ہوئے کئی کثیر المجلدات کتبِ سیرت کو مات کر دیا۔

''سیرت رسول عربی'' کی نمایاں خصوصیات

''سیرتِ رسولِ عربی'' کی اس شانِ رونق افزائی کا تحقیقی تجزیہ کرنے کے لیے یہاں مناسب دکھائی دیتا ہے کہ اس کتابِ دل افروز کی بعض ایسی خصوصیات کا ذکر کر دیا جائے جن کی بدولت اسے قبولِ عام و خاص حاصل ہوا یہاں تک کہ وقت کے بدلتے تقاضوں کے باوجود اس کی شہرت میں کمی واقع ہوئی نہ اس کے قارئین کی تعداد میں بلکہ روز بروز اس کی مانگ میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے۔

''سیرت رسول عربی'' کی بارگاہ الٰہی میں مقبولیت

چوہدری محمد سلیمان نوری توکلی سجادہ نشین آستانہ توکلیہ ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ سیدی و مرشدی حضرت علامہ نور بخش توکلی کے وصال کے ایک ماہ کے بعد انہیں مفتی عبدالحمید نقشبندی مجددی لودھیانوی، جو ایک عابد و صالح اور بزرگ ہستی ہیں اور ملتان شریف میں رہائش رکھتے ہیں، کی طرف سے ایک چٹھی موصول ہوئی جس میں وہ اپنا خواب تحریر کرتے ہیں کہ

* ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت مولانا (نور بخش توکلی) ایک

خوبصورت معطر باغ میں ایک سنہری تخت پر جلوہ افروز ہیں میں نے دریافت کیا کہ مولانا یہ سرفرازی کیسے نصیب ہوئی؟ فرمانے لگے کہ مفتی صاحب یہ انعام "سیرت رسول عربی" کی وجہ سے نصیب ہوا اللہ تعالیٰ کو میری کتاب سیرت رسول عربی پسند آگئی اور مجھے یہ انعام ملا ہے* [1]

ایک مختصر مگر جامع سوانحی انسائیکلوپیڈیا

"سیرت رسول عربی" زمانہ قبل از نبوت، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندانِ اقدس، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ، امہات المومنین علیہن السلام اور دوسری متعلقہ شخصیات پر بھرپور اور جامع بحث کرتی ہے۔ اسی طرح سے قرآنِ کریم اور احادیثِ نبویہ سے ماخوذ خصائصِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات و کمالاتِ لافانی پر سیر حاصل گفتگو کرتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ دشمنانِ اسلام اور حاسدینِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعتراضات کا مسکت جواب بھی دیتی ہے۔ حقیقت و صداقت کے ان خزائن پر حاوی ہونے کے باوصف یہ کتاب نہ صرف عشقِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہے بلکہ ادبیاتی سطح پر اختصار و جامعیت کا مرکب بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پروفیسر محمد اکرم رضا "سیرت رسول عربی" کو سوانحی انسائیکلوپیڈیا قرار دیتے ہوئے رقمطراز ہیں:

---

[1] "سیرت رسول عربی"، ص:۲۹

''سیرت رسول عربی''، محققانہ مواد علمی مباحث اور قرآن و حدیث پر مبنی ایک مختصر سوانحی انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے (۱)

تنظیم المدارس اہلسنت پاکستان کے نصاب تعلیم میں شامل ہونے کا اعزاز

تنظیم المدارس اہلسنت پاکستان علوم وفنونِ اسلامیہ کی تعلیم وتربیت کے لیے بیمثال بورڈ ہے جس کا نصابِ تعلیم آٹھ سال کے دورانیہ پر مشتمل ہے۔ اس نصاب میں ہمیشہ مختلف علوم وفنون پر مبنی معتبر اور مستند کتب ہی شامل کی جاتی ہیں۔ علامہ نور بخش توکلی کی تصنیفِ لطیف ''سیرت رسول عربی'' کو یہ اعزاز حاصل ہوا کہ علمائے کرام نے اس کے استناد واستدلال اور جامعیت کے پیشِ نظر اسے درجہ ثانویہ خاصہ (ایف اے) کی سطح پر سیرت کی کتاب کے طور پر شاملِ نصاب کرنا ضروری خیال کیا۔ لہٰذا گزشتہ کئی سالوں سے یہ کتاب شاملِ نصاب ہے۔ (۲)

انشاء پردازی

علامہ نور بخش توکلی بیک وقت دبستانِ سرسید احمد خان اور دبستانِ اعلیحضرت بریلوی کے تربیت یافتہ ماہرِ تعلیم ونصاب، کہنہ مشق صحافی اور مشاق انشاء پرداز تھے۔ ادبیتِ علیا کی یہ شان ''سیرت رسول عربی'' میں ایک خاص جوبن کے ساتھ جلوہ گر ہے جس کی بناء پر ہر لفظ اپنی انفرادی اہمیت کا حامل ہے؛ تراکیب سلکِ گوہر میں منظوم جواہر کی مانند مرتب ومنسّق ہیں؛ مضامین میں وہ نسق وہم آہنگی ہے کہ ایک لفظ کو اپنی جگہ سے ہٹا دیں تو یکسوئی اور مفہوم اپنا توازن کھو دے۔ الغرض فصاحت و

(۱) ''سیرت رسول عربی''، تقدیم از علامہ پروفیسر محمد اکرم رضا، ص:۱۱
(۲) آٹھ سالہ نصاب تعلیم، شائع کردہ تنظیم المدارس پاکستان، صفحہ ۱۷، لاہور

بلاغت، اختصار و جامعیت، محاورات و تراکیب کی برجستگی، الفاظ کی چستی اور معاشرتی و نفسیاتی پہلوؤں کی رعایت نے ''سیرت رسول عربی'' کے اسلوب کو وہ چار چاند لگا دیئے ہیں کہ قاری سیرت نگار کے ادبی ذوق اور انشاء پردازی کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مثلاً سلاست و روانی اور تکلماتی برجستگی ملاحظہ فرمایئے

* قریش کی اذیت رسانی کے سبب سے اب مکہ میں مسلمانوں کا قیام نہایت دشوار ہو گیا۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ ہجرت کرکے مدینہ چلے جاؤ چنانچہ صحابہ کرام متفرق طور پر رفتہ رفتہ چوری چھپے مدینہ پہنچ گئے اور مکہ میں حضور انور بابی وھوامی کے علاوہ حضرات ابوبکر و علی اور کچھ بیمار و عاجز رہ گئے * [1]

پھر استدلالی سطح پر دروں بینی کے ساتھ قدرتِ الٰہیہ کی کارفرمائی کے اس منظرِ بیان پر بھی غور فرمایئے:

* افراد انسان میں سے انبیاء کرام علیہم السلام کو مکارمِ اخلاق کی زیادہ ضرورت ہے کیونکہ ان کا کام تبلیغ و تزکیہ ہے اسی واسطے باعنائت الٰہی انہیں اول خلقت و فطرت ہی میں محاسن اخلاق حاصل تھے جن کا ظہور حسب موقع ان کی عمر شریف میں ہوتا ہے * [2]

---

[1] ''سیرت رسول عربی''، ص:۹۲

[2] ایضاً ص:۳۴۲

امین محبت نبی وعکاسِ عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

عشقِ رسول عینِ ایمان ہے، جو عشقِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دولت سے بہرہ ور ہو گیا وہ دنیا و مافیہا سے بالا بلند اقبالیوں کا حامل ہو گیا۔ حضرت توکلی رحمۃ اللہ علیہ ان خوش بختوں میں سے ایک ہیں جو عشق و محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرفراز ہوئے۔ "سیرتِ رسول عربی" ان کی اسی محبتِ نبی کی امین اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عکاس ہے اور ایمان کی روح کو وہ اپنے قاری میں پھونکنے کی سعیِ بلیغ میں مصروف نظر آتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے عام طور پر ایسے الفاظ و تراکیب کا انتخاب کرتے ہیں جو قاری کے قلب کو بیدار اور اس کے دل میں نورِ محبت کو روشن کریں۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ طیبہ میں تشریف آوری کے ذکر کرنے کے لیے عنوان باندھتے ہیں: "مدینہ میں نزولِ رحمت"[1] پھر اسی انداز سے دیباچہ طبعِ دوم میں رقمطراز ہیں: "اللہ تعالیٰ کے پیارے نبی بابی وامی کے پیارے پیارے حالات ہیں"[2] اور ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کرتے وقت اسی طریقِ ادب کو پوری کتاب میں برقرار رکھتے ہیں۔

مابعد سیرت نگاروں کے لیے بطور ماخذ

"سیرت رسول عربی" اعتبار و استناد کے اعلیٰ معیارات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے تحریر کی گئی جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ یہ کتاب بذاتِ خود ایک معتبر ماخذ کا درجہ اختیار کر گئی لہٰذا اسے یہ اعزاز حاصل ہو گیا کہ مابعد سیرت نگاروں نے اس سے مختلف انداز میں بھرپور استفادہ کیا یہاں تک کہ انہوں نے اسی کو مدنظر رکھتے ہوئے سیرت نگاری کی؛ مضامین کی درجہ بندی کرتے وقت اسی کے ابواب کی طرزِ تقسیم کو اپنایا۔ مگر افسوس کہ بہت کم لوگوں نے اس بات کا اعتراف کیا۔ علامہ پروفیسر محمد اکرم رضا اس

---

[1] ایضاً ص:۱۰۱

[2] "سیرت رسول عربی"، دیباچہ طبع دوم، ص:۲۸

ضمن میں رقم طراز ہیں

آج لوگ اعتراف بھی نہیں کرتے مگر اس (''سیرت رسول عربی'') سے خوب خوشہ چینی کرتے ہیں[1]

تاہم انہی اہلِ قلم میں ایسے دیدہ ور اور نیک طینت بھی ہیں جنہوں نے ''سیرت رسول عربی'' سے استفادہ کیا اور پھر اس کا اظہار بھی کیا۔ ان کتبِ سیرت میں سے، جن کے مآخذ کی فہرست میں ''سیرت رسول عربی'' مذکور ہے چند ایک درجِ ذیل ہیں:

(۱) کتاب کا نام — شان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بزبان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم[2]

پبلشر — مشاق بک کارنر اردو بازار لاہور

فہرست ماخذ ومراجع، ص ۹۹۵

(۲) کتاب کا نام — مقام رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم[3]

پبلشر — ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور

مآخذ کتاب ''مقام رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم''، صفحہ ۶۶۳

(۳) کتاب کا نام — المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم[4]

پبلشر — الفیصل ناشران وتاجران کتب اردو بازار لاہور

مآخذ صفحہ ۶۶۱

---

[1] ایضاً صفحہ: ۱۲۸

[2] مولف: الحافظ القاری مولانا غلام حسن قادری، مفتی دار العلوم حزب الاحناف، لاہور

[3] مولف: حضرت علامہ ابو الحسن محمد منظور احمد فیضی

[4] مولف: سرفراز بھٹی

سادہ اور عام فہم اسلوب

''سیرت رسول عربی'' کی خصوصیات میں سے ایک منفرد خوبی اس کا عام فہم اسلوب ہے، زبان بہت شائستہ اور اندازِ تحریر بہت دلچسپ ہے۔ دورانِ مطالعہ کسی جگہ پر بھی قاری کسی دقت یا اشکال سے دوچار نہیں ہوتا بلکہ کمالِ اظہار یہ ہے کہ ہر آنے والا لفظ اپنے مابعد سے اس طرح مربوط ہے کہ مفہوم خود بخود واضح ہوتا چلا جاتا ہے۔ کتاب ہذا کی اس خصوصیت کو بیان کرتے ہوئے گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد کے محقق محمد اشرف رقمطراز ہیں

کتاب ہذا معلومات کا خزانہ ہے زبان عام فہم سادہ اور شائستہ ہے۔ اس کتاب میں مولف نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال و افعال اور طریق معاشرت کے متعلق اسناد کے متن بھی درج کئے ہیں کتاب دلچسپ ہے اس کے مطالعہ کے بعد قاری کے دل میں مقامِ مصطفیٰ اور زیادہ بلند ہوجاتا ہے اور ان کا انداز بیان قاری کو اپنا گرویدہ بنالیتا ہے[1]

اسی طرزِ تحریر کے کرشمات کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

*احادیث کے حوالہ جات میں کتاب اور باب کا نام لکھا گیا ہے کتاب ہذا میں مولف نے شقِ قمر کے حوالہ سے قاری کے ذہن میں جو سوالات پیدا

[1] فیصل آباد میں سیرت نگاری کی روایت کا تحقیقی مطالعہ: محمد اشرف، ص:۸۶

ہوتے ہیں لکھ کر اپنے مدلل جوابات کی مدد سے قاری کو مطمئن کرتے ہیں *[1]

قوت استدلال

علامہ نور بخش توکلی واقعہ نگاری میں صرف عقلی مباحث پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ قاری تک متعلقہ واقعہ یا مسئلہ کی بابت امتِ مسلمہ کے درست نقطہ نظر کے ابلاغ کے لیے آیاتِ قرآنیہ، صحیح وصریح احادیثِ مبارکہ، اور مستند کتبِ تاریخ وسیر سے استدلال کرتے ہیں۔ اسی طرح سے جب کسی مسئلہ کا تعلق عقائد سے ہوتو اس کے ثبوت کے لیے مسلمہ کتبِ عقائد واصول سے دلائل اخذ کر کے قارئین کے سامنے پیش کرتے ہیں تا کہ اجماعِ اہلِ حق اور فسادِ اہلِ باطل دونوں کی واضح تعیین ہو جائے۔ فقہی مسائل پر بحث وتمحیص میں بھی ان پر یہی رنگِ استدلالیت غالب رہتا ہے بلکہ اس مقصد کے تحت وہ حسبِ ضرورت عربی، فارسی اور اردو اشعار کا استعمال بھی کرتے ہیں۔ اس طرزِ استدلال سے گویا علامہ موصوف قارئین پر واضح کر دیتے ہیں کہ زیر بحث مسئلہ کی تحقیق میں وہ اپنی ذاتی رائے سے کام نہیں لے رہے بلکہ نصوصِ قطعیہ سے اسے ثابت کر رہے ہیں۔ استدلالیت کا یہ طریق نہ صرف ان کے وسعتِ مطالعہ اور متوازن تحقیق پر دال ہے بلکہ ان کی طرف سے اس حقیقت کا بھی عکاس ہے کہ ہر دور میں اس بات پر روشنی ڈالی گئی اور ماقبل سیرت نگار بھی اس پر بحث کر چکے ہیں۔ یہ اندازِ کلامیانہ اپنانے کی خاص وجہ یہ ہوتی ہے کہ کسی مسئلہ یا امر کے بارے میں اجماعِ امت یا اتفاق واختلافِ آئمہ قاری کے دل ودماغ میں جاگزین ہو جائے۔

---

[1] ایضاً، ص: ۸۶

''سیرت رسول عربی'' کی مقبولیت اور مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی پیش گوئی

''سیرت رسول عربی'' کو جو مقبولیت حاصل ہوئی وہ بارگاہِ نبوی میں مصنف علیہ الرحمۃ کی محنت کی قبولیت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کی محبت کا انعام ہے اس ضمن میں مصنف علیہ الرحمۃ کتاب ہذا کے دیباچہ طبع دوم میں خود فرماتے ہیں:

خوشی کا مقام ہے کہ سیرتِ رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری نظر ثانی کے بعد دوسری بار زیر اہتمام تاج کمپنی چھپ رہی ہے اس کے پہلے ایڈیشن کو علماء و مشائخ و عامۃ المسلمین نے باوجود عالمگیر جنگ وقحط کے جس قدر دانی کی نگاہ سے دیکھا وہ نہائت حوصلہ افزا ہے۔ حالاتِ موجودہ میں کمپنی مذکورہ کا اس کی طبع ثانی کی اجازت طلب کرنا مزید ثبوت اس کی قبولیت کا ہے کیوں نہ ہو اللہ تعالی کے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بابی و امی کے پیارے پیارے حالات ہیں مجھے امید واثق ہے کہ زمانہ امن وارزانی میں جو ہر قسم کی ترقی کا گہوارہ ہے۔ اس کتابِ مستطاب کی اشاعت کا دائرہ انشا اللہ تعالیٰ بہت وسیع ہوجائے گا[1]

[1] ''سیرت رسول عربی''، دیباچہ طبع دوم، ص:۲۸

فاضل سیرت نگار نے جس طرح کتاب کی مقبولیت کا اپنی زندگی میں اظہار کیا اور آئندہ اس کی مقبولیت کی پیش گوئی کی اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ تقریباً ایک صدی کے قریب عرصہ گرزنے کے بعد بھی اس کتاب کو درجنوں ادارے چھاپ رہے ہیں پروفیسر محمد اکرم رضا "سیرت رسول عربی" کی تقدیم میں لکھتے ہیں:

"یہ کتاب (سیرت رسولِ عربی) ملک بھر میں بہت تیزی سے فروخت ہوئی خود راقم (محمد اکرم رضا) نے مختلف ادبی مقابلوں میں انعامات پانے والوں کو سینکڑوں کتب تقسیم کیں اس سے آپ اس کتاب کی عظمت کا اندازہ کرسکتے ہیں جو یونیورسٹیوں، کالجوں، مذہبی اداروں، علماء اور فضلاء اور عامۃ الناس میں یکساں طور پر پسند کی جارہی تھی ایک مدت بعد دوسرے اداروں نے اس کتاب کی مقبولیت دیکھ کر ادھر کا رخ کیا۔ اب درجنوں اشاعتی ادارے اس کتاب کو مختلف سائزوں میں شائع کر رہے ہیں مگر کتاب کی پسندیدگی اور فروخت کا وہی عالم ہے"[1]

معاصر اربابِ سیر پر گرفت

علامہ محمد نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ فضائل ومناقب کے ابواب میں اسلاف کی اتباع

---

[1] ایضاً صفحہ:١٦

کرتے ہیں عشق و محبتِ سید الانام صلی اللہ تعالیٰ آلہ وسلم میں شریعتِ مطہرہ کی پوری پابندی کا التزام کرتے ہیں اور مقامِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ آلہ وسلم کے فکری پہلوؤں کا، جن کا قرآن پاک اور احادیث نبویہ میں ذکر کیا گیا ہے، کھل کر پرچار کرتے ہیں۔ تاہم جہاں کہیں کسی سیرت نگار یا کسی اور نام نہاد مفکر نے شانِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ آلہ وسلم میں تنقیص کی گستاخی کی ہے وہاں اس پر مدلل انداز میں کڑی گرفت کرتے ہیں۔ سیرت رسول عربی کے مطالعہ سے ایسی متعدد مثالیں سامنے آتی ہیں ان میں سے ایک نمایاں مثال علامہ شبلی نعمانی کی ہے جن کے تشکیکی رویوں پر علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت مدلل اور مثبت تنقید کی ہے۔

اندازِ تحقیق

علامہ نور بخش توکلی "سیرت رسول عربی" میں واقعات کو صحت کے ساتھ نقل کرتے ہیں واقعات کا تجزیہ کر کے نتیجہ نکالتے ہیں مستشرقین کے اعتراضات کا جائزہ لے کر ان کا مدلل اور تحقیقی جواب دیتے ہیں حوالہ جات دیتے ہوئے آیات قرآنیہ کے ساتھ رکوع اور آیت کا ذکر بھی کرتے ہیں حدیث کا حوالہ دیتے وقت کتاب کا نام اور جلد نمبر کا بھی ذکر کرتے ہیں، کتب تاریخ و سیرت میں بھی بعینہ اسی طرز کو برقرار رکھتے ہیں تا کہ قاری اگر بنیادی ماخذ کی طرف رجوع کرنا چاہے تو دقت سے دوچار نہ ہو۔ کوئی بھی تاریخی واقعہ بیان کرتے ہیں تو قاری اس کو پڑھتے ہوئے خود کو اس واقعے کا حصہ سمجھتا ہے گویا اس کے تاریخی و جغرافیائی پہلوؤں کی اس طرح سے عکاسی کرتے ہیں کہ پڑھنے والا بن دیکھے ان مقامات سے یوں آگاہ ہو جاتا ہے جیسے اسی جگہ پہ پلا بڑھا ہو۔ یہ اندازِ تحقیق اور ادبی رنگ کسی بھی ادیب، محقق اور مصنف کے اس فن میں کمالِ عبور اور اس کی خداداد صلاحیتوں کا منہ بولتا ثبوت ہے اور علامہ نور بخش توکلی بلاشبہ اس جولانگاہ کے ماہر سوار ہیں۔

○ —— ○ —— ○

نواں باب

علامہ محمد نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ کی دیگر کتب میں ابحاث سیرت

مصنف ''سیرت رسول عربی'' ایک بہت بڑے مدبر، قرآن وحدیث و سیرت وتاریخ بینی میں منفرد خوبیوں کی حامل شخصیت اور ایک منجھے ہوئی مترجم تھے آپ نے نہ صرف ''سیرت رسول عربی'' لکھ کر سیرت طیبہ کی کتب میں ایک مستند کتاب کا اضافہ کیا بلکہ اور بھی درجنوں کتب تالیف کیں جن میں تذکارِ سیرت موجود ہیں۔ کبھی عشق ومحبتِ رسول کریم کے بحر بیکراں میں غوطہ زن نظر آتے ہیں تو کبھی مخالفینِ اسلام سے نبرد آزما ہو کر اسلام کا دفاع کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں؛ کبھی یہ مردِ مجاہد اپنی شمشیرِ قلم سے قادیانیت کے مذموم عزائم کا قلع قمع کرنے میں محوِ تگ وتاز ہے تو کبھی عیسائیت کے خلاف نبرد آزما ہو کر ''مصابیح الظلام '' کی صورت میں ''ینابیع الاسلام '' کا ایسا مؤثر رد کرتے ہیں کہ مخالفین بھی دنگ رہ جاتے ہیں۔ آپ کے اسی جلال و جمال کی ایک جھلک کا صحیح اندازہ کرنے کے لیے آپ کی دیگر کتب میں موجود ابحاثِ سیرت کا جائزہ لینا نہایت ضروری ہے۔ لہٰذا ذیل میں انہی کتب کا مختصر تجزیہ پیشِ خدمت ہے۔

عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

یہ کتاب ربیع الاول ۱۳۳۳ھ میں چھپی تھی اس کتاب کا موضوع ''عید میلاد

النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' ہے۔ اس میں رقت آمیز نعتیہ اشعار اور خیر البریہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سلام کے ساتھ ساتھ حضور سرور عالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص وفضائل اور استحسانِ میلاد وقیام پر دلائل نہایت دلچسپ پیرایہ میں درج ہیں۔ کتاب کا پہلا اڈیشن ۵۶ صفحات پر مشتمل ہے۔

نور بخش توکلی کے عہد میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ولادتِ پاک کے مبارک دن ۱۲ ربیع الاول کو یومِ وفات کے طور پر منایا جاتا تھا۔ یہ سلسلہ عرصۂ دراز سے چلا آرہا تھا مگر حضرت توکلی کی تحقیق نے یہ ثابت کیا کہ ۱۲ ربیع الاول شریف یوم ولادت ہے۔ آپ نے اس عوامی غلطی کے تدارک کیلئے تحریک چلائی اور انگریز سرکار کو متعدد خطوط لکھے اور وفود کی صورت میں یہ باور کرایا کہ ۱۲ ربیع الاول تو ہمارے پیارے آقا ومولا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یومِ ولادت ہے نہ کہ افسردگی کا دن۔ اس طرح آپ کی شبانہ روز کوششوں سے انگریز سرکار نے سرکاری گزٹ میں ۱۲ ربیع الاول کو یوم ولادت قرار دیا اور ساتھ ہی وفود کے مطالبہ کو تسلیم کرتے ہوئے اس روز سرکاری چھٹی کا اعلان بھی کیا اور اس دن کو سرکاری طور پر منانے کے آرڈر بھی جاری کیے کچھ عناصر کو یہ بات بہت ناگوار گزری تو انہوں نے ولادت پاک کے دن خوشیاں منانے اور درود وسلام کی محافل کو ناجائز قرار دیا۔ علامہ توکلی نے ایک بار پھر قلم تھاما اور زوردار استدلال سے ثابت کیا کہ یومِ ولادت کو یوم عید کے طور پر منانا اور اس دن درود وسلام کے نغمے گانا جلوس نکالنا اور صدقات وخیرات کا اہتمام کرنا جشنِ ولادت کی محافل سجانا نعتیں پڑھنا سب جائز ہے اور یہ سب قرآن وسنت کے عین مطابق اور صحابہ کرام اور اسلاف صالحین کے معمولات سے بالاسناد ثابت شدہ ہے۔ اس ضمن میں علامہ موصوف کتاب کے مقدمہ میں رقمطراز ہیں

* بندہ عاصی نور بخش حنفی نقشبندی توکلی برادرانِ

اسلام کی خدمت میں گزارش پرداز ہے کہ
ماہِ ربیع الاول ہمارے واسطے غایت درجے کی خوشی کا
مہینہ ہے کیونکہ اس کی بارہویں تاریخ کو ہمارے
آقا ہمارے مولا حضرت محمد مصطفی احمد
مجتبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے * [1]

کتاب کا آغاز قصیدہ مولود بہاریہ سے نعت شریف لکھ کر کیا گیا ہے۔اس کے بعد حضور سید الکونین کے فضائل ومناقب کے مضامین کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ پہلے مضمون میں مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کو سب سے پہلے پیدا کیا گیا۔اس کے بعد مولود پاک کے وقت جو خوارق واقع ہوئے ان کو بالتفصیل ذکر کیا گیا ہے اور مستند کتب سیرت وتفاسیر سے اسناد پیش کی گئی ہیں اس کے بعد آپ کی صفت رحمت کا ذکر ہے جو قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے بایں الفاظ فرمایا کہ:﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ [2] اس ضمن میں مصنف علیہ رحمۃ نے بالانفراد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت سے جو مخلوق بہرہ ور ہوئی اس کا ذکر کیا ہے،اس کے اہم مضامین میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرشتوں کیلئے رحمت،مومنوں کے لئے رحمت،کفار کے لئے رحمت، یتامیٰ ومساکین اور بیوگان کے کیلئے رحمت،بچوں کے لئے رحمت،غلاموں کے لئے رحمت،حیوانات وجمادات کے لئے رحمت ہونا ہے۔ اس کے بعد وضاحت کی گئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے وہ شانِ عظیم اور مرتبہ ٔفضیلت عطا فرمایا ہے کہ جو دیگر انبیاء میں سے کسی کو عطا نہیں فرمایا۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے جب خطاب فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم ذاتی سے نہیں بلکہ کنایہ سے فرمایا،بخلاف دیگر انبیاء کے۔اس ضمن میں مصنف علیہ الرحمۃ نے قرآن پاک سے متعدد آیات قرآنیہ بیان

---

[1] عید میلاد النبی،ص:ا
[2] پارہ ۱۷،سورۃ انبیاء رکوع ۷

کی ہیں جن میں دیگر انبیاء عظام کو اللہ تعالیٰ نے جب کہیں خطاب فرمانا چاہا تو انہیں ان کا نام لے کر یاد کیا مگر جب اللہ تعالی نے ہمارے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب فرمایا تو انہیں اسم ذاتی کے بجائے اسم صفاتی سے خطاب فرمایا اس میں مصنف علیہ رحمۃ نے جو قرآنی استنباط درج کئے ہیں وہ فاضل مصنف کی قرآن پاک میں گہری دلچسپی کا اظہار ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مصنف علیہ الرحمۃ نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قسموں کو، جو قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے کھائی ہیں، بھی زیبِ بحث بنایا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خاص فضیلت حاصل ہے کہ اللہ تعالی نے انہیں معراج عطا فرمائی جو دیگر انبیاء میں سے کسی کو عطا نہ ہوئی۔ اسی طرح سے مصنف نے ان معجزات کا ذکر کیا ہے جو صرف ہمارے کریم آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا ہوئے مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگشت مبارک کے اشارہ سے چاند کا دو ٹکڑے ہونا، مبارک انگلیوں سے چشمہ کی طرح پانی کا جاری ہونا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فراق میں ستون حنانہ کا رونا۔ اس کتاب کے جملہ مضامین کی تعداد چالیس ہے ان مضامین میں جو مباحث آئی ہیں ان کے استدلال میں آیاتِ قرآنیہ، احادیثِ نبویہ، کتبِ تفاسیر اور کتبِ سیرت کے علاوہ کتبِ تاریخ سے حوالہ جات پیش کئے گئے ہیں اور تقویتِ دلائل کے لیے عربی اور فارسی قصائد سے اشعار اور نعتیہ کلام بھی درج کیا گیا ہے۔ استدلالیت کی اس رَو کے ہمراہ مصنف کا اپنے آقا و مولا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عشق و محبت کا اظہار اس قرینے سے کیا گیا ہے کہ ہر مبحث کے آخر میں ایک درود پاک با تکرار درج کیا گیا ہے۔ اور آخر میں قارئین کو میلاد شریف کی اہمیت بتاتے ہوئے اس طرح میلاد منانے کی ترغیب دیتے ہیں

* اے ناظرین غور فرماویں کہ ہمارے واسطے ایسے جلیل القدر آقا بابی و امی کے یوم میلاد سے بڑھ کر کونسا دن مبارک ہوسکتا ہے لہذا ہم پر

واجب ہے کہ: ﴿وَ اَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ﴾ اس روز اللہ کے اس عظیم احسان کا شکر ادا کریں اور مجالسِ میلاد میں حاضر ہو کر آپ کے پیارے پیارے حالات سنیں اور اپنے بچوں کو سنائیں*[1]

اختتام کتاب میں محفلِ میلاد کے انعقاد کی شرعی حیثیت اور مجالسِ میلاد کے آداب میں بالتفصیل سوال و جواب کی صورت میں بحث کی گئی ہے اس ضمن میں لکھتے ہیں۔

اس مقام پر اتنا اور عرض کر دینا ضروری ہے کہ مجالسِ میلاد میں قصے بیان نہ کئے جائیں بلکہ کوئی مستند مولود پڑھا جائے جہاں تک مجھے معلوم ہے مولودِ برزنجی سب سے عمدہ ہے اور عرب شریف میں یہی پڑھا جاتا ہے علامہ نبہانی نے جواہر البحار میں اس کی نسبت لکھا ہے کہ لیس لہ نظیر میلاد کے خاتمہ پر کھڑے ہو کر سلام پڑھنا چاہیے بطور نمونہ ایک سلام نقل کیا جاتا ہے — یا نبی سلام علیک — یارسول سلام علیک — یاحبیب سلام علیک، صلوٰت اللہ علیک[2]

---

[1] عید میلاد النبی، ص:۴۶

[2] ایضاً: ص ۵۳

اختتام کتاب میں ایک فارسی غزل اور ایک اردو نعت درج کی گئی ہے۔

حلیۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اس رسالہ کا موضوع بھی سیرت پاک ہے ربیع الاول ۱۳۳۶ھ کو طباعت پذیر ہو کر منظر عام پر آیا۔ کمال خلق کی طرح کمال خلعت میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مثل اللہ تعالیٰ نے کسی کو پیدا نہیں فرمایا۔ مصنف نے اس کتاب کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلیہ مبارک کے بیان میں تالیف کیا ہے اس کے مقدمہ میں لکھتے ہیں

فقیر توکلی برادرانِ اسلام کی خدمت میں گزارش پرداز ہے کہ گزشتہ سال کے ماہِ میلاد شریف کے رسالہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلق یعنی کمال باطنی کا صرف ایک شمہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی تھی کیونکہ اس سے کما حقہ عہدہ برآ ہونا طاقتِ بشری سے خارج ہے لہٰذا جو کچھ اس رسالہ میں مذکور ہوا اسے حضور اقدس بابی وامی کے خلق عظیم کے سمندر کا صرف ایک قطرہ تصور کرنا چاہئے اس سال نظر بریں کہ ظاہر باطن کا عنوان ہوتا ہے مناسب معلوم ہوا کہ حضور کے خلق یعنی کمال ظاہری کا تصور فی الجملہ دلایا جائے[1]

اللہ تعالیٰ نے جس طرح اخلاق کی غایت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمائی اسی طرح ظاہری اوصاف میں بھی کوئی بھی آپ کے رتبہ علو کو نہ پہنچ سکا۔ اس ضمن میں علامہ کمال

---

[1] حلیۃ النبی ص:۱

الدین دمیری کسی شاعر کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ

* اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مثل کبھی بھی پیدا نہیں کی اور مجھے یقین ہے کہ وہ کبھی پیدا بھی نہیں کریگا* ①

جن بزرگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف ظاہری بیان کئے ہیں انہوں نے بے شک آپ کے سراپا مبارک میں حسبِ طاقت بشری ابلغ انواعِ بلاغت اور اکمل قوانینِ فصاحت سے کام لیا ہے مگر وہ جس نتیجہ پر پہنچے ہیں وہ یہی ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسنِ سراپا جمال کی ایک جھلک کا ادراک کیا ہے اور حقیقتِ وصف کے ادراک سے عاجز رہ گئے ہیں خلاصہ یہ ہے کہ وہ صورتِ وصف کو بیان کر سکے ہیں حقیقتِ وصف کو پیش نہ کر سکے کیونکہ حقیقتِ وصف کو سوائے اللہ تعالی کے کوئی نہیں جانتا اس کی وضاحت امام شرف الدین بوصیری اپنے قصیدہ ہمزیہ میں یوں بیان فرماتے ہیں

انما مثل صفاتك للناس كما مثل النجوم الماء ②

[ترجمہ: انہوں نے صرف صورت دکھائی تیری صفات کی لوگوں کو جیسے پانی صورت دکھا دیتا ہے ستاروں کی]

بیانِ اوصاف میں جو تشبیہات وارد ہوئی ہیں وہ صرف لوگوں کو سمجھانے کے لئے ہیں ورنہ حقیقت میں کوئی شے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف خلقیہ وخُلقیہ کے مماثل و معادل نہیں۔ فاضل مصنف نے اس رسالہ میں آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلیہ مبارک کو اس طرح سے عشق ومحبت میں ڈوب کر تحریر فرمایا ہے کہ سراپا پر انوار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

---

① حیاۃ الحیوان: کمال الدین الدمیری، ۱/۱۸۱

② بوصیری، شرف الدین، امام، قصیدہ ہمزیہ ص:۷۸، لاہور: رضا پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء

خدوخال کو بیان کرتے ہوئے جسمِ اطہر کے ایک ایک عضو مبارک کی صفات کو الگ الگ بیان کیا اور پھر اس عضوِ پاک سے صادر ہونے والے معجزات کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً روئے پُرنُور کی نقشہ کشی بایں الفاظ کرتے ہیں۔

* حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا روئے مبارک جو جمال الٰہی کا آئینہ اور انوار تجلی کا مظہر تھا پر گوشت اور کسی قدر گول تھا حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ☆كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَحْسَنَ النَّاسِ وَجْهاً وَ أَحْسَنَهُ خَلْقاً☆ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب لوگوں سے بڑھکر خوبرو اور خوش خو تھے * [1]

اس کے بعد چشم مبارک وابرو مبارک، گوش مبارک و بینی مبارک، پیشانی مبارک و دہن مبارک، لعابِ دہن مبارک و آواز مبارک، فصاحت مبارک، خندہ و گریہ مبارک، پائے مبارک، سر مبارک، گردن مبارک، دست مبارک، قلب شریف، شکم مبارک، پشت مبارک، پائے مبارک کا ذکرِ جمیل کرتے کرتے قد مبارک کے بیان میں رقم طراز ہیں

* آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ بہت دراز قد تھے نہ کوتاہ قد بلکہ میانہ قد مائل بہ درازی تھے حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت دراز قد نہ تھے اور مائل بہ درازی ہونے کے سبب اوسط قد سے زیادہ تھے مگر جب لوگوں کے سامنے ہوتے تو سب سے

[1] صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب: صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، رقم: ۳۵۴۹

بلند و سرفراز ہوتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قامت زیبا کا سایہ نہ تھا* [1]

اسی طرح جلد مبارک اور بوئے خوش کا تذکرہ بایں الفاظ کرتے ہیں۔

اب بھی مدینہ منورہ کے درودیوار سے خوشبوئیں آرہی ہیں جنہیں محبان وعاشقان جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شامہ محبت سے محسوس کرتے ہیں [2]

موئے مبارک کے بیان میں مصنف اپنی محدثانہ مہارت کو مندرجہ ذیل ردائے الفاظ سے مزین کرتے ہیں۔

*سر مبارک کے بال نہ تو بہت گھونگروالے تھے اور نہ بہت سیدھے بلکہ دونوں کے بین بین تھے ان بالوں کی درازی میں مختلف روائتیں آتی ہیں، کانوں تک کانوں کے نصف تک، کانوں کی لو تک شانے مبارک کے نزدیک تک، شانوں تک یہ سب مختلف روائتیں ہیں تطبیق کا طریق یوں ہے کہ ان کو مختلف اوقات و احوال پر محمول کیا جائے یعنی جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کٹوادیتے تو کان تک رہ جاتے پھر بڑھ کر نصف گوش یا نرمہ گوش یا شانہ

---

[1] حلیۃ النبی، ص:۲۶

[2] ایضاً ص:۲۷ ۔

مبارک تک پہنچ جاتے اگر موئے
مبارک خود بخود پراگندہ ہو جاتے تو آپ
انہیں دو حصے بطور مانگ کر لیتے اور اگر از خود نہ
بکھرتے تو بحال خود رہنے دیتے اور بتکلف
مانگ نہ نکالتے* (1)

اس کے بعد مصنف علیہ رحمۃ لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضلات سب پاک تھے اور اس ضمن میں بطور استدلال خصائص کبریٰ سے، جسے جلیل القدر عالم و مفسر امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۹۱۱ھ نے مدون کیا، عربی عبارت کا ایک طویل اقتباس نقل کرتے ہیں جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بول و براز مبارک اور خون مبارک کے پاک ہونے کے ثبوت ملتے ہیں۔

الغرض ''حلیۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' حلیہ مبارک کے بیان میں بہت عمدہ کتاب ہے، مصنف علیہ الرحمۃ نے ذاتی رائے زنی کرنے کی بجائے ہر مضمون کی تائید میں آیاتِ قرآنیہ، احادیث مبارکہ، کتب تفاسیر، اور تاریخ و سیرت کی معتبر کتابوں سے بحسب موقع و ضرورت استدلال کیا ہے۔ حلیہ شریف سے متعلق ہر مبحث کے اختتام پر درود پاک باہتمام لکھا گیا ہے جو مصنف علیہ الرحمۃ کی عقیدت و محبت کا واضح اظہار بھی ہے اور سراپا نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اقدس کا بیان پڑھتے ہوئے اس ادائیگی حق کی حقیر سی کوشش بھی۔

معجزات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

یہ رسالہ بھی سیرت پاک پر لکھا گیا ہے۔ جس کا عنوان معجزات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات مبارکہ کا بیان ہے۔ جو باری تعالی نے آپ کو

(1) معجزات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ص: ۲

احقاق حق اور اسلام کی ترویج کے لئے عطا فرمائے۔ یہ رسالہ ۱۳۳۷ھ کو زیور طبع سے آراستہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے مختلف ادوار میں لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے انبیائے عظام کو بھیجا۔ اور انہیں بطور دلائل معجزات سے نوازا تا کہ ان کی رسالت کی تصدیق ہو جملہ انبیائے کرام میں کوئی ایسا نہیں جسے معجزہ عطا نہ ہوا ہو۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات سب سے اکثر و اقویٰ اور اظہر و اشہر ہیں اور انہیں احاطۂ تحریر و افراد میں لانا انسانی طاقت سے خارج ہے۔ قرآن مجید بظاہر تو ایک ایسا معجزہ ہے مگر کہ اس کے اندر ہزار ہا معجزے ہیں کیونکہ فصحائے عرب کسی ایک سورہ کا معارضہ نہ لا سکے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس رسالہ جلیلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت سے معجزات کا ذکر کیا ہے۔ جس سے عظمت و مقام مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادراک حاصل ہوتا ہے اس سلسلہ میں مصنف رقمطراز ہیں۔

* اس عاجز نے سال گزشتہ میں رسالۃ حلیۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لکھا تھا جس میں ضمنی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اطہر کے بعض معجزات بھی مذکور ہیں لہذا اس سال مناسب معلوم ہوا کہ آپ کے معجزات اور بالخصوص اعجاز القرآن پر کچھ لکھا جائے *[1]

کتاب گیارہ ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلا باب عالم علوی سے متعلق ہے جو دیگر معجزات کے علاوہ معراج شریف کی بحث پر مشتمل ہے۔ اس میں شق القمر اور رد الشمس جیسے اہم موضوعات شامل ہیں۔ مصنف نے بیانیہ سطح پر اس کتاب میں جو تحقیقی منہاج اپنایا ہے وہ یہ ہے کہ پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات کو بیان کیا ہے پھر ان

[1] ایضاً، ص: ۴۶

پر اٹھنے والے سوالات کے جوابات مدلل انداز میں بیان کیے ہیں۔ دوسرے باب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات اِحیاء الموتی کا بیان ہے جن میں سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعدد واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ جبکہ تیسرا باب ان معجزانہ واقعات پر مشتمل ہے جو بیماروں کو شفائے مصطفوی عطا کرنے کے ضمن میں وقوع پذیر ہوئے۔ چوتھے باب میں طعام قلیل کو کثیر بنانے کے معجزات کا ذکر کیا ہے۔ پانچویں باب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجابتِ دعا کا ذکر ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ بھی ایک معجزہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو بھی دعا مانگتے وہ بارگاہ رب العزت میں قبول ہوتی۔ اس ضمن میں متعدد دعاؤں کا ذکر ہے جو صحابہ کرام اور امت کے حق میں مانگی گئیں اور شرفِ قبولیت سے بہرہ ور ہوئیں۔ چھٹے باب میں جو معجزات بیان کئے گئے ہیں ان میں انگلیوں سے چشموں کی طرح پانی کا جاری ہونا وغیرہ شامل ہیں۔ ساتویں اور آٹھویں باب میں متفرق معجزات کا بیان ہے جو اوقاتِ مختلفہ میں آپ سے وقوع پذیر ہوئے جن میں حیوانات کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کلام اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرنا، اونٹ کا آپ کے پاس شکائت کرنا، بکری کا اطاعت اور سجدہ کرنا، بھڑیئے اور شیر کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطا عت کرنا اور نباتات کا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اور آپ کی بارگاہ میں سلام پیش کرنا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی شہادت دینا شامل ہیں۔ نویں باب میں جمادات کی طاعت و تسبیح اور سلام کے معجزات کا بیان اور دسویں اور گیارہویں ابواب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مغیبات پر مطلع ہونا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محاسنِ ظاہری و باطنی سے اظہار معجزات کا بیان ہے۔ آخر میں فاضل مصنف رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں

*مختصر طور پر یوں سمجھنا چاہیے کہ جو
معجزات اور فضائل دیگر انبیاء کرام

صلوات اللہ علیہم اجمعین میں جدا
جدا موجود تھے وہ سب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات
شریف میں مجتمع تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام
مبارک میں بھی اسی طرف اشارہ
معلوم ہوتا ہے کیونکہ بحساب جمل کبیر
آپ کے اسم شریف کے عدد تین سو چودہ
ہیں بریں تفصیل "محمد، میم ۹۰، حا۹، میم ۹۰، میم ۹۰،
دال ۳۵" اور رسولوں کی تعداد حدیث کے
مطابق تین سو تیرہ آئی ہے۔ مونالا روم فرماتے
ہیں

نام احمد جملہ انبیاء است
چونکہ صد آمد نود ہم پیش ماست [1] *

کتاب کے آخر میں عیسائیوں کی طرف سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات پر ان اعتراضات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو خطوط بنام جوانان ہند میں مذکور ہیں۔ پھر ان کے بڑے مدلل جوابات تحریر کئے گئے ہیں۔ اور فاضل مصنف کے عمیق مطالعہ اور تحقیق کا اظہار ان امور سے ہوتا ہے کہ عیسائیوں کی کتب، متی، مرقس، لوقا، یوحنا سے استدلال کر کے ان کے اعتراضات کا ان ہی کی کتابوں سے دندان شکن جوابات دے کر ان کے باطل عزائم کو تہ وبالا کیا ہے۔ [2]

اختتام کتاب میں تین نعتیں بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں لکھی گئی ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات کو بیان کیا گیا ہے۔

---

[1] ایضا، ص:
[2] خطوط بنام جوانان ہند پنجاب رلیجس بک سوسائٹی، لودیانہ امریکن مشن پریس ۱۸۹۰ء ص: ۲۴۳، ۲۴۴)

رسالہ نور

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات بے مثل و بے چگوں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو عظمتیں اور مراتب عطا کئے ہیں وہ وہم وقیاس سے مبرا ہیں کسی بھی بشر کی یہ طاقت نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کا فہم وادراک حاصل کر سکے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقت کو اللہ تعالی کے سوا کوئی نہیں جانتا اور نہ ہی کسی بشر کو یہ زیب دیتا ہے کہ وہ اس ذات والا صفات کیلئے شان وعظمت کی حدیں مقرر کرے اور اس بے عیب ذات کو خود پر قیاس کرتے ہوئے ابلیس کے مزموم مقاصد کو تقویت دینے کا مرتکب ہو جائے جس کا اظہار اس نے حکم خداوندی کا انکار کر کے کیا تھا کہ میں حضرت آدم علیہ السلام سے بہتر ہوں نار سے بنا ہوں یہ مٹی سے بنے ہیں اور انہی عقلی قیاسات کی پیروی کی پاداش میں اس نے اپنی صدیوں کی عبادت وریاضت کو آن ہی آن میں غارت کر لیا اور اسے ہمیشہ کیلئے دھتکار دیا گیا۔ توہین اور بے ادبی کا یہ مادہ ابلیس نے کچھ انسانوں میں بھی منتقل کر دیا اور اس کے دام فریب میں آ کر کچھ لوگ عقل کی غلامی میں اس قدر اندھے ہو گئے کہ انبیاء علیہم السلام خصوصاً سید الانبیاء کی شان میں بے ادبی اور گستاخی کے مرتکب ہوئے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے جیسا بشر تصور کر لیا۔ لہٰذا کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اختیارات کی نفی کی تو کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم کی نفی کی؛ کسی نے آپ کی نورانیت کا انکار کر دیا تو کسی نے آپ کے جسم اطہر کے بے سایہ ہونے کی تردید کی؛ حد یہ ہو گئی کہ کوئی آپ کے خاتم النبین ہونے کا منکر ہوا تو کوئی ظلی نبی کا تصور پیش کرنے لگا۔ ''رسالۂ نور'' انہیں توہین آمیز سوالات کے جواب میں لکھا گیا ہے ۱۹۲۰ء کی دہائی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور ہونے پر دو مختلف علاقوں کے مولویوں کے درمیان تحریری مناظرہ ہوا ایک کا نام مولانا کرم دین جس کا تعلق ضلع جہلم

سے تھا اور دوسرے کا نام مولوی محمد فاضل تھا جس کا تعلق ٹوبہ ٹیک سنگھ (ضلع لائلپور) سے تھا۔ ان میں سے مولانا کرم دین حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نورانیت کے قائل تھے۔ جبکہ مولوی فاضل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نورانیت کا منکر تھا۔ یہ تحریری مناظرہ قریباً ایک سال تک فریقین کے درمیان چلتا رہا۔ مولوی فاضل نے اپنے ایک مکتوب میں مولوی محمد کرم دین کی پیش کردہ حدیث "میں اللہ کے نور سے ہوں اور ساری مخلوق میرے نور سے ہے" کا تمسخر اڑاتے ہوئے لکھا۔

* جب ہر چیز خدا کے نور سے ہے مثلاً چمار، سکھ، کتا، بلا، نتھو خیرہ تو حضرت رسول اللہ اس گندہ سانجھ کھاتے میں شریک نہیں ہونا چاہیے * [1]

مولویِ مذکور مزید کج بحثی کرتے ہیں کہ

* جن چیزوں کا سایہ نہیں ہے کیا وہ سب خدا کے نور سے ہیں مثلاً ہوا، جن، بھوتنے، وغیرہ * [2]

پھر اپنی جہالت کا انوکھا شادیانہ یوں بجاتے ہیں کہ

* خدا کا نور شادیاں کرے، اپنے وطن سے نکالا جائے، کفار سے جنگ کرے اور دانت شہید ہوں، غاروں میں پوشیدہ رہے، کیا یہ باتیں شایانِ شانِ نورِ خداوندی ہیں؟ * [3]

اور جہلِ مرکب کا شدید مظاہرہ کرتے ہوئے موصوف گویا ہیں کہ

[1] نور بخش توکلی، نور ص: ۱۱۱ مکتوب مولوی محمد فاضل، امام مسجد چک نمبر ۲۸۷ گ ب، تحصیل ٹوبہ ضلع لائل پور
[2] ایضاً
[3] ایضاً، ص:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عرش کے اوپر تشریف لے گئے کیا ثبوت ہے آج کل لوگ ہوائی جہاز میں سفر کر رہے ہیں تو وہ سب لوگ نوری ہو جائیں گے؟[1]

مولانا کرم دین نے بڑے مدلل جوابات دیئے مگر مولوی فاضل کی تشفی نہ ہوئی اور وہ اپنے موقف پر بضد رہا۔ جب یہ تحریری مناظرہ تنازع کی صورت اختیار کرنے لگا تو اہل علاقہ معاملہ کی نزاکت کے پیشِ نظر متحرک ہو گئے۔ جس کے نتیجے میں راجہ چوہدری خاں راجپوت ساکن چک نمبر ۲۸۸ گ ب نے اس مسئلہ کو لکھ کر انجمن نعمانیہ لاہور جو اس وقت بہت بڑا دینی ادارہ تھا سے رجوع کیا جس پر انجمن نعمانیہ کی انتظامیہ نے علامہ نور بخش توکلی سے، جو اس وقت انجمن کے ناظم تعلیمات تھے اور ماہواری رسالہ کی ادارت بھی فرماتے تھے، اس کا جواب بالفتوٰی لکھنے کو کہا۔ جس کا اظہار توکلی صاحب ان الفاظ میں کرتے ہیں

*اما بعد! ناظرین کی خدمت میں گزارش ہے کہ مسئلہ نور النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں دو مولویوں میں تنازع تھا۔ انہوں نے آخر کار انجمن نعمانیہ لاہور کو محاکمہ پر رضامندی ظاہر فرمائی۔ لہذا انجمن نے مناسب سمجھا کہ ان تحریرات کو لفظ بہ لفظ نقل کر کے فیصلہ صادر کیا جائے اور اسے بغرض افادہ عامۃ المسلمین ایک علیحدہ رسالے کی

[1] ایضاً، ص:

شکل میں شائع کیا جائے بنا بریں
فقیر توکلی نے تمام تحریرات کو ترتیب
دے کر رسالہ مسمیٰ بہ "نور" تیار کیا ہے جسے
انجمن نے چھپوا کر شائع کر دیا۔[1]

اس رسالہ نور کے اندر دونوں مولویوں کے درمیان جو خط وکتابت ہوئی اسے من وعن درج کیا گیا ہے اور پھر حضرت توکلی نے آیاتِ قرآنیہ، احادیثِ صحیحہ اور معتبر شروحاتِ احادیث اور عربی وفارسی قصائد سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نورانیت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اطہر کا سایہ نہ ہونا ثابت کیا ہے جس سے علامہ موصوف کے تبحر علمی اور وسعتِ مطالعہ اور قوتِ استدلال کا پتہ چلتا ہے۔ جواب اس قدر اہمیت کا حامل تھا کہ انجمن نعمانیہ ہند نے اسے چھپوا دیا اور ۱۹۲۰ء کو منظر عام پر آیا آج ایک صدی ہونے کو ہے مگر اس کی اہمیت روز اول کی طرح قائم ہے۔

"اِتمام الحجة على منكر السنة"

المسمیٰ سنتِ رسول کی ضرورت واہمیت

ذات مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ نعمت متبرکہ ہیں کہ جس نے بھی آپ ذات والاصفات سے محبت وعقیدت کا اظہار کیا اللہ تعالی نے اس پر اپنے فضل وکرم کے در وا کر دیئے اور وہ ایسا نوازا گیا کہ نہ صرف دنیا اور آخرت کی سرفرازیاں اس کا مقدر ٹھہریں بلکہ عزت واحترام اس کی ذات کا جزو لاینفک بن گیا مگر جس نے بھی اس محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات میں ذرا سی بھی گستاخی یا کمی یا بدنیتی کا ارتکاب کیا دارین کی رسوائی اس کا مقدر بن کر رہ گئی اور اس کے مذموم مقاصد اپنے

[1] ایضاً، ص:

سفرِ آغاز میں ہی دم توڑ گئے اور اسے منہ کی کھانا پڑی۔ کسی نے تقلید کو تو خیر باد کہا مگر محدثین کی نسبت کمال حسن ظن رکھا پھر اک فرقہ پیدا ہوا جس نے مجتہدین تو درکنار محدثین کا بھی انکار کر دیا اور جو حدیثیں اپنے مطلب کی نظر آئیں انہیں تو آمنا وصدقنا کہا مگر بقیہ سے انکار کیا۔ جب اس سوئے ظن نے مزید ترقی کی تو ایک فرقہ مرزائیہ پیدا ہو گیا۔ جس نے تاویلاتِ باطلہ سے احادیث تو درکنار قرآن پاک میں ہی تحریفِ معنوی کر دی۔ پھر ایک فرقہ چکڑالوی نمودار ہوتا ہے جو احادیث کا صاف انکار کرتے ہیں مگر قرآن پاک میں رائے زنی ان کا شعار ہے۔ منکرینِ حدیث میں سے ایک شخص احادیث کو بریں الفاظ یاد کرتا ہے

جن ناپاک مصنوعی لچر حدیثوں اور روایتوں کے دفتر نام نہاد کتب صحاح ستہ کے اثر سے ملا اسلام راہ سے بے راہ ہو کر نہ دنیا کا رہا نہ دین کا[1]

مندرجہ بالا حقائق سے پتہ چلتا ہے کہ کیا کیا فرقے معرض وجود میں آئے جنہوں نے اپنے مذموم عزائم کو ہوا دینے کی کوششیں کی مگر علمائے حق نے بطریق احسن ان کا دفاع کیا۔ زیر بحث کتاب "إتمام الحجة على منكر السنة" بھی اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ جس میں علامہ توکلی نے بھرپور انداز میں منکرینِ حدیث کی بیخ کنی کی ہے اور دلائل و براہین سے سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرورت واہمیت کو واضح کرنے کی سعی کی ہے۔ اس ضمن میں آغاز کتاب میں علامہ موصوف رقمطراز ہیں:

*یا معشر المسلمین آپ کو معلوم ہے ہمارا دین شارع علیہ السلام سے ہم تک بالواسطہ

---

[1] محمد حسین، رنگون، رسالہ اتحاد مذاہب عالم، ص:۵۵، جولائی واگست ۱۹۰۸

پہنچا ہے۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صحابہ کرام کو پہنچا ان سے تابعین کو پھر تبع تابعین کو۔ علی ھذا القیاس اس سلسلہ میں یہ قاعدہ رہا ہے کہ ہر قرن اپنے اسلاف کو وقعت کی نگاہ سے دیکھتا اور انہیں کے مسلک کو اختیار کرتا ہے مگر ملک ہند میں کچھ عرصہ سے آزادی کے سبب اسلام کا کرہ ہوائے سوئے ظن کے بخارات سے روز بروز زیادہ مکدر ہوتا جاتا ہے۔ ان بخارات کا ازالہ علمائے کرام کا فرض ہے"[1]

اس کتاب میں علامہ موصوف نے بہت سے مضامین کو اپنے قلم کی روشنائی سے سپرد اوراق کیا ہے۔ جن میں منکرینِ احادیث وسنت کا رد کرتے ہوئے ان کے اعتراضات کے مدلل جوابات دیئے ہیں۔ منکرینِ احادیث قرآن پاک کی اس آیت کریمہ کو پیش کرتے ہیں

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ[2]

[اور ہم نے تم پر قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے]

اس آیت کو دلیل بنا کر منکرین کہتے ہیں قرآن میں سب کچھ موجود ہے۔ حدیث کی کیا ضرورت ہے؟ علامہ موصوف نے اس کے مدلل جواب دیئے ہیں اور ثابت کیا ہے کہ حدیث اور سنت کے بغیر قرآن پاک کے فرامین پر عمل نہیں کیا جا

---

[1] محمد نور بخش توکلی، اتمام الحجۃ علی منکر السنۃ، ص:۱۵، لاہور: دار العلوم انجمن نعمانیہ لاہور

[2] سورۃ نحل: آیت ۸۹

سکتا۔ قرآن میں ادائیگی نماز کا حکم ہے مگر سنت اس کو واضح کرتی ہے۔ قرآن میں زکوٰۃ کا حکم ہے مگر نصاب کا تعین احادیث سے ہوا۔ اس طرح حدود کی بحث میں احادیث ان کا تعین کرتی ہیں۔

اس طرح ص ٦٦، ٦٧ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے کس طرح خطاب کیا قرآن میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہونے کے آداب مدلل انداز میں پیش کرتے ہیں۔ الغرض یہ کتاب جہاں منکرین سنت کا ارتداد کرتی ہے وہاں سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت سے پہلوؤں کو بھی اجاگر کرتی ہے۔

حقوق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

زیر نظر کتاب بھی علامہ نور بخش توکلی کی تالیف کردہ ہے۔ جس میں امت پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقوق کا ذکر بالتفصیل قرآن پاک اور احادیثِ نبویہ کی روشنی میں کیا گیا ہے۔ اور یہ تعلیم دی گئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ بابرکات سے محبت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اتباع کے بغیر تکمیلِ ایمان ناممکن ہے۔ اس کتاب کے اہم مضامین میں سے پہلا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارکہ پر ایمان لانا اور پھر آپ کا اتباع کرنا ہے۔ فاضل مصنف نے اس مضمون میں آیاتِ قرآنیہ، کتب تفاسیر واحادیث اور آثار صحابہ سے متعدد روایات وواقعات پیش کئے ہیں۔ اس کے بعد آمدہ مضمون محبت اور عشق کے عنوان سے سجا ہوا ہے۔ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کو واجب قرار دیا گیا ہے اور پھر اس ضمن میں قرآنِ عظیم سے استدلال کیا گیا ہے اسی طرح سے احادیثِ صحیحہ اور افعال واقوالِ صحابہ سے بطور دلائل قوی روایات وواقعات بیان کیے گئے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حبِّ صادق کی علامات درج کی گئی ہیں۔ اس کے بعد حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ کی تعظیم وتوقیر کا بیان

ہے۔جس پر قرآن پاک کی صریح آیات اور احادیثِ صحیحہ سے استدلال کیا گیا ہے۔ جبکہ آخری بحث فضائلِ درود شریف اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضہ انور کی زیارت پر مشتمل ہے۔اس مبحث میں اللہ تعالیٰ کے درود پڑھنے کی کیفیت اور فرشتوں اور مؤمنین کے درود پڑھنے کے اسالیب بیان کر کے تمام اہلِ ایمان کو درود پاک پڑھنے کی ترغیب دی گئی ہے۔پھر روضۂ انور کی زیارت وآداب میں مذکورہ احادیث مبارکہ کو بیان کیا گیا ہے۔الغرض زیر بحث کتاب ''حقوق مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل ومناقب اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ کے آداب اور اس بارگاہ کے جو حقوق شریعت نے وضع کئے ہیں ان کا مکمل احاطہ کرتی نظر آتی ہے۔

نور ہدایت

تقریباً ۲۸۰ صفحات پر مشتمل ''نور ھدایت'' دراصل علامہ توکلی کی اپنی فارسی تصنیف ''مصابیح الظلام'' کا اردو ترجمہ ہے جو انہوں نے ایران کے ایک عیسائی مشنری کی کتاب ''ینابیع الاسلام'' کے ردِ بلیغ میں لکھی تھی اور جو ۱۳۳۶ھ میں چھپ کر منظر عام پر آئی تھی۔عیسائی مشنری نے اپنی کتاب میں اسلام اور اس کی حقانیت پر متعدد اعتراضات اٹھائے تھے۔عیسائی دنیا نے ''ینابیع الاسلام'' کی اشاعت پر بڑی خوشیوں کا اظہار کیا یہاں تک کہ سر ولیم میور نے اس کتاب کا انگریزی میں ترجمہ کیا، اور چرچ مشن حلقہ کو مبارک دیتے ہوئے ایک انگریزی اخبار میں اپنے انٹرویو میں کہا کہ: اہل اسلام کی طرف سے اس کتاب کا جواب ناممکن معلوم ہوتا ہے۔[1]

مگر علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ نے ''مصابیح الظلام'' لکھ کر اس کا ایسا دندان شکن جواب دیا کہ دنیائے کفر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ظلامِ سکوت کے گھٹاٹوپ میں دبک گئی

[1] نور بخش توکلی، مقدمہ نور ہدایت۔ص:۱۵۸، انجمن نعمانیہ، لاہور، س ن

لہٰذا دشمنانِ اسلام کو پھر قلم فرسائی کی کبھی جرأت نہ ہوئی۔ موضوع کی نوعیت کے اعتبار سے "مصابیح الظلام" میں متعدد مقامات پر ابحاثِ سیرت موجود ہیں مثلاً صفحہ ۱۵۹ سے ۱۶۸ تک حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسمِ مبارک پر، جو سابقہ الہامی کتب میں مذکور ہے، جوابی بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں

* جو شخص یوحنا باب ۱۴، ۱۵، ۱۶ بغور پڑھے گا اسے معلوم ہو جائے گا کہ فارقلیط سے مراد روح القدس نہیں کہ جس کا نزول حضرت مسیح کے سامنے ظہور میں آیا بلکہ اس سے مراد ذات بابرکات نبی آخر زمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں *[1]

کتاب کے صفحہ ۱۸۰ سے معراج النبی کی بحث شروع ہوتی ہے۔ جس پر عیسائیوں نے اعتراضات کیے ہیں اور معراج شریف کے واقعہ کو ایک افسانوی واقعہ قرار دیا ہے۔ جس کا علامہ موصوف نے بڑے مدلل انداز میں جواب دیا ہے یہ بحث صفحہ ۱۹۰ تک چلتی ہے۔

اس کے بعد نصرانی مصنف نے قصص الانبیاء کے حوالہ سے حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث مبارکہ: "اول شے جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا میرا نور ہے" پر اعتراضی بحث کی ہے مگر علامہ توکلی نے اس پر بڑے مدلل جوابات لکھے ہیں۔ اس کے بعد صفحہ ۲۲۸ سے آخر کتاب تک سیرت پر ابحاث کی ہیں۔ نصرانی مصنف نے بہت سے اعتراضات اٹھائے ہیں مگر علامہ توکلی نے اپنے تبحر علمی، وسعتِ مطالعہ اور تقابل ادیان پر گہری گرفت کی بدولت کماحقہ جوابات دے کر حقانیتِ اسلام کو ثابت کیا ہے۔ اور نصرانی واعظ کے سطحی و عقلی علم کی قلعی کھول دی ہے۔

[1] نور ہدایت، ص: ۱۵۸

عقائدنامہ انجمن نعمانیہ

شریعت مطہرہ کے بنیادی اجزاء دو ہیں: اول اعتقاد، دوسرا عمل۔ چونکہ اعتقاد کا تعلق اصولِ دین اور ضروریاتِ اسلام سے ہے اس لئے اعتقاد کی درستی ہر عمل پر مقدم ہے کیونکہ اعتقاد کی صحت ہی قبول واستقامتِ اعمال کا سبب ہے۔ زیر بحث کتاب علامہ نور بخش توکلی کی مرتب کردہ کتاب ہے۔ انجمن نعمانیہ کی رکنیت حاصل کرنے کے لئے اس کتاب کو پڑھنا اور اس میں بیان کردہ عقائد کو تسلیم کر کے ان پر عمل کرنا ضروری تھا۔ اس عقائد نامہ کے اندر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات کے لئے جو اعتقاد ترتیب دئے گئے وہ درج ذیل ہیں

① حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جملہ کمالات جو نصِ قطعی سے ثابت ہیں ان کو دل سے تسلیم کرنا۔

② آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مظہر اتم اور سرّ اللہ الاعظم ہیں جملہ انبیاء سے افضل واعلیٰ اور سید الانبیاء ہیں۔

③ جس طرح تمام بنی آدم سے اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید اور ربوبیت کا عہد لیا ایسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اور تعظیم کا عہد لیا جانا قرآن کریم سے ثابت ہے۔

④ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم ماننا۔ آپ کی پیروی کرنا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت رکھنا فرض ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کی علامات یہ ہیں

✪ —— آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اقتداء اور آپ کے قول وفعل کا اتباع۔

✪ —— زبان سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کثرت سے کرنا۔

✪ —— آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جمالِ پاک کا مشتاق ہونا۔

✪ —— دل وزبان اور بدن سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی تعظیم کرنا۔

- ✪ —— آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے اہل بیت اور صحابہ کرام سے محبت رکھنا۔
- ✪ —— آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے تارک کو برا سمجھانا۔
- ✪ —— قرآن مجید سے محبت اور اس پر عمل کرنا۔
- ✪ —— آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کی خیر خواہی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذکرِ پاک، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث مبارک اور اسمِ عالی سنتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعظیم و توقیر جیسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ ظاہرہ میں ہر مسلمان پر واجب تھی ویسے ہی اب بھی واجب ہے۔ اس کے بعد آپ کے علم غیب اور آپ کے معجزات مبارکہ کا بیان ہے جن پر صدق دل سے ایمان رکھنا لازمی قرار دیا گیا ہے۔

مذکورہ ابحاث سیرت کے جائزہ سے پتہ چلتا ہے کہ علامہ محمد نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت میں کتنی علمی و ادبی خصوصیات پنہاں تھیں اور بحیثیت سیرت نگار انہوں نے ایک ضخیم علمی و ادبی سرمایا چھوڑا ہے۔



دسواں باب

علامہ محمد نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ بحیثیت مترجم کتب سیرت

علامہ محمد نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کو اللہ تعالی نے ان گنت خوبیوں سے نواز رکھا تھا جن کا اظہار ان کے گرانقدر علمی کارناموں سے ہوتا ہے۔ علامہ محمد نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار ان نابغہ روزگار شخصیات میں ہوتا ہے جو اللہ تعالی کی عطا کردہ صلاحیتوں سے بھر پور فائدہ اٹھاتے ہوئے انہیں عوام الناس کی بہتری کے لئے دن رات ایک کر کے بروئے کار لائے۔ جناب توکلی نہ صرف ایک قابل استاد، زیرک صحافی، کہنہ مشق ادیب، نقاد اور سیرت نگار تھے بلکہ ایک ماہر تجربہ کار مترجم بھی تھے سیرت طیبہ کے موضوع سے انہیں ایک خاص دلی لگاؤ اور گہری دلچسپی تھی اس لئے سیرت مطہرۃ کی بہت سی مایہ ناز کتب مدون کرنے کے ساتھ ساتھ انہوں نے سیرت پر لکھی گئی منظوم ومنثور عربی، فارسی، انگریزی اور پنجابی کتب کے تراجم اور حواشی لکھے جن سے آپ کی علمی وادبی قابلیت کا اظہار بھی ہوتا ہے اور دیگر زبانوں پر دسترس کا ثبوت بھی ملتا ہے۔ انہوں نے جن کتب کو اردو تراجم کے قالب میں ڈھالا ان میں عالم اسلام خصوصاً عربوں میں مقبول ترین میلاد نامہ "مولود برزنجی" لازوال شہرت کا حامل "قصیدہ بردہ شریف" گبن کی تحریر کردہ سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنام "سیرت حسن" علامہ مشتاق احمد انبیٹھوی کی کتاب "التحفة

الإبراهيمية فی إعفاء اللحية'' خاندان بٹالہ شریف کے مورث اعلی نصیر فاضل شاہی کا مرتب کردہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پنجابی منظوم ''حلیہ شریف'' اور ''مصابيح الظلام فی جواب ينابيع الاسلام'' بنام ''ھدایت اسلام''خصوصی ذکر کی حامل ہیں۔

توکلی رحمۃ اللہ علیہ کا منہاجِ ترجمہ

علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ کو تراجم میں ایک خاص ملکہ حاصل تھا ان کے کئے ہوئے تراجم کو پڑھتے ہوئے قاری ذرا سی بھی الجھن یا دقت محسوس نہیں کرتا۔ ان کے تراجم کی ایک خاصیت یہ ہے کہ ترجمہ کرتے وقت اصولِ ترجمہ کا لحاظ اور لغت کے جملہ محاسن کا التزام رکھتے ہیں؛ مشکل الفاظ کی لغوی تشریح مگر مفہومی ترجمہ کرتے ہیں۔ تحت اللفظ ترجمہ کرتے وقت کچھ الفاظ کے کئی معانی نکلتے ہیں مگر وہ ان میں سے آسان لفظ کا انتخاب کرتے ہیں۔ خاص بات یہ کہ ترجمہ کرتے وقت اختصار کو ملحوظ رکھتے ہیں کم الفاظ میں مفہوم واضح کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ طوالت کی وجہ سے مفہوم میں کثافت واقع نہ ہو۔

مولودِ برزنجی

''مولود برزنجی'' جعفر بن حسن بن عبدالکریم حسینی برزنجی رحمۃ اللہ علیہ کا عربی زبان میں تالیف کردہ معروف منظوم میلاد نامہ ہے۔ توکلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مخصوص منہجیت کے مطابق ترجمہ کرتے ہوئے مندرجہ ذیل باتوں کا خصوصی التزام کیا:

① ترجمہ اصل متن سے قریب تر ہو تاکہ مولف کی کہی ہوئی بات من وعن اپنی اصل صورت میں قارئین کے سامنے آجائے۔

② مشکل الفاظ کی لغوی تشریح کردی گئی۔

③ متن میں جہاں کہیں کسی قرآنی آیت کی طرف اشارہ کیا گیا فاضل ترجمہ نگار نے ترجمہ کرتے ہوئے حاشیہ میں اس آیت کو مکمل حوالہ کے ساتھ درج کر دیا۔

④ مولف نے جہاں حدیث سے استدلال کیا مگر متن میں مکمل حوالہ نہیں بلکہ اشارہ میں اس کا ذکر کیا مترجم نے حاشیہ میں اس حدیث کو بھی مکمل حوالہ کے ساتھ لکھ دیا۔

⑤ مصنف نے متن میں کسی تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ کیا تو مترجم نے اس واقعہ کو حاشیہ میں بیان کر دیا۔

مولود برزنجی کے ترجمہ کا جائزہ

مولود برزنجی منظوم میلاد نامہ ہے۔ جو علامہ برزنجی رحمۃ اللہ علیہ کی فنون میں مہارت، فصاحت وبلاغت اوران کی شاعرانہ لیاقت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ الفاظ کے چناؤ سے ان کی لغت پر گرفت کا پتہ چلتا ہے۔ ایسے فصیح وبلیغ عالم کی تحریر کو قالب ترجمہ میں ڈھالنا ایک علمی وادبی کارنامہ ہے۔ مولود پاک کی ابتداء ان الفاظ سے ہوتی ہے۔

الجنة ونعيمها سعد لمن يصلي ويسلمه ويبارك عليه

[جنت اور اس کی نعمت اس شخص کو مبارک ہو جو جناب رسالت مآب پر درود وسلام اور برکت بھیجتا ہے]

فاضل ترجمہ نگار نے مفہومی ترجمہ کر کے مطلب کو صاف واضح کر دیا ہے اور شائبہ تک نہیں ہونے دیا کہ یہ ترجمہ شدہ عبارت ہے۔

واثني بحمد موارده سائغة هنية

اور ایسی حمد سے شناء کرتا ہوں جس کے چشمے خوشگوار ہیں۔

اس شعر کے اندر علامہ برزنجی رحمۃ اللہ علیہ نے لفظ حمد کا ذکر کیا ہے جس کی تشریح توکلی رحمۃ اللہ علیہ نے حاشیہ میں یوں بیان کی ہے:

حمد کہتے ہیں تعظیم کے ارادے پر زبان سے شناء کرنے کو خواہ وہ شناء نعمت کے مقابلے میں ہو یا غیر نعمت کے۔ شکر وہ فعل ہے جس سے متعدد منعم کی تعظیم ہو اور وہ فعل نعمت کے مقابلے میں ہو خواہ زبان سے یا دل سے دیگر اعضاء سے پس حمد کا مورد زبان ہے اور اس کا متعلق نعمت وغیرِ نعمت ہے اور شکر کا متعلق صرف نعمت ہے

واصلی واسلم علی النور الموصوف بالتقدم و الاولیة

اور میں درود بھیجتا ہوں اس نور پر جو پہلے ہونے اور اول ہونے سے متصف ہے۔

کتنا سادہ، عام فہم اور بامحاورہ ترجمہ ہے۔ اس کے ساتھ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ علامہ برزنجی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ میں درود بھیجتا ہوں اس نور پر اب یہاں نور سے ان کی کیا مراد تھی اور لفظ نور سے کس طرف اشارہ کیا ہے۔ اس کی وضاحت فاضل ترجمہ نگار نے حاشیہ میں کی ہے۔ کہ اس سے مراد وہ حدیث شریف ہے جو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جسے امام عبدالرزاق نے بالاسناد اپنی کتاب

المصنف میں تحریر کیا ہے۔جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تیرے نبی کے نور کو پیدا فرمایا[1]

وانشر۔من قصة المولد النبوی برودا احسانا
عبقرية

اور حضور کی پیدائش کے ذکر کی خوبصورت عبقری چادریں بچھاتا
ہوں

اس شعر کے اندر لفظ عبقرية استعمال ہوا ہے۔جس کی شرح میں فاضل مترجم دو جاہلی شعراء کے اشعار کو لائے ہیں اور لکھتے ہیں اہل عرب ہر ایک شے کو خواہ وہ انسان ہو یا حیوان یا کپڑا وغیرہ جس میں کمال درجے کی قوت وحسن ولطافت ہو اس کی طرف منسوب کرتے ہیں چنانچہ عجیب وغریب منقش کپڑے کو ثوب عبقری کہتے ہیں[2]

مولود برزنجی کے صفحہ ۹ پر قصیدہ بردہ شریف کے دو اشعار علامہ برزنجی نے بطور استدلال ذکر کئے ہیں جنہیں علامہ توکلی نے حاشیہ کے اندر ذکر کیا ہے۔تاکہ قارئین کو پتہ چلے کہ یہ شعر علامہ برزنجی کے نہیں ہیں۔اس سے علامہ توکلی کی ادب عربی سے گہری دلچسپی اور اس سے مکمل آشنائی کا اظہار ہوتا ہے۔

علامہ برزنجی رحمۃ اللہ بارگاہِ رسالت میں ہدیہ تبرک پیش کرتے ہیں

عطر اللهم قبره الكريم
بعرف شذی من صلاة وتسليم

اور علامہ توکلی اس کا نہایت برمحل فارسی ترجمہ کرتے ہیں:

---

[1] توکلی، پروفیسر علامہ نور بخش توکلی، مولود برزنجی ترجمہ وحواشی، ص: ۳، لاہور: جامعہ اسلامیہ، س ن

[2] ایضا، ص: ۳

الٰہی بعطر درود و سلام
معطر بکن قبر خیر الانام

قصیدہ بردہ شریف کا ترجمہ و تشریح

آقائے نامدار حضور سرور کائنات فخر موجودات حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح سرائی میں بے شمار منظوم کتابیں عربی، فارسی، اردو، اور دیگر زبانوں میں تحریر کی گئیں اور ان میں بہت سے قصائد نے اہل ذوق سے داد تحسین حاصل کی لیکن جو مرتبہ علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کے قصیدہ بردہ شریف کو حاصل ہوا اس کی عظمت و بلندی کو کوئی نہ پہنچ سکا۔ اس قصیدہ کی مقبولیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ کتاب اللہ کے بعد سب سے زیادہ شروحات اس قصیدے کی لکھی گئیں ہیں اس کی فصاحت و بلاغت کو آج تک کوئی قصیدہ نہ پہنچ سکا۔ اس کے ایک ایک شعر کیا ایک ایک لفظ میں محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اثر انگیزی ہے۔ قصیدہ بردہ کے علمی اور ادبی محاسن کے علاوہ اسے جو شان امتیاز حاصل ہوئی وہ بارگاہ نبوت میں اس کی پسندیدگی اور قبولیت ہے۔ یہ قصیدہ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ایک لافانی شہرت کا حامل ہے۔ تقریباً دو سو سے زیادہ مختلف زبانوں میں نظم و نثر میں اس کی شرحیں ہو چکی ہیں [1] اور حقیقت یہ ہے کہ بردہ شریف سوزِ عشق، درد دل، ہجر و فراق کی وارداتوں سے مزین نفس انسانی کے ذکر، انسانی فطری کمزوریوں کے بیان، حکیمانہ اشعار اور ضرب الامثال کا شاہکار ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ زبان کی سلاست، بیان کی شرینی، ترکیب کی چستی، بندش کی ہم آہنگی اور فنِ بدیع و جناس کی حسن کاری کی بدولت عربی قصیدہ نگاری کی معراج ہے۔ یہاں تک کہ اگر اسے نعتِ نبی مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، خصائص و فضائلِ سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، عشق و

[1] حمید اللہ شاہ ہاشمی، پروفیسر، دیباچہ، شرح قصیدہ بردہ شریف، ص: ۱، لاہور مکتبہ دانیال، س ن

محبتِ حبیبِ کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور معجزات نبوی کا انسائیکلوپیڈیا کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

قصیدہ بردہ شریف کے مشہور شارحین

قصیدہ بردہ شریف کے شارحین میں علامہ تفتازانی، فاضل زرکشی، امام جلال الدین محلی، ملا علی قاری، امام احمد خفاجی، محی الدین شیخ زادہ اور امام قسطلانی ایسی باکمال ہستیاں شامل ہیں۔ برصغیر میں بھی کئی علماء کو اس کا ترجمہ اور تشریح کرنے کی سعادت میسر آئی۔ جن میں ایک نام علامہ نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ بحیثیت مترجم و شارح قصیدہ بردہ

قصیدہ بردہ شریف امام شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کا وہ ادبی شاہکار ہے کہ جس میں انہوں نے فصاحت و بلاغت کی ان بلندیوں کو چھوا کہ عربی لغت کے ماہر بھی اس کے ادبی محاسن کے سامنے متحیر نظر آتے ہیں۔ اسی لیے اس کے ایک ایک لفظ کو سمجھنے کے لئے اس کی شروحات لکھی گئیں بظاہر ۱۶۴ ابیات پر مشتمل اس قصیدے کی جب شرح و توضیح کی گئی تو شروحات کے دفتر لگ گئے۔ اس قصیدہ کی تدوین کے بعد کوئی بھی سیرت نگار ایسا نہ ہوگا کہ جس نے اس سے استشہاد نہ کیا ہو۔ علامہ نور بخش توکلی کو بھی اس کے ترجمہ اور شرح کا شرف حاصل ہوا۔ جس سے مابعد شروحات لکھنے والوں نے استفادہ کیا پروفیسر حمید اللہ ہاشمی نے بھی اپنی شرحِ قصیدہ بردہ کے صفحہ ۳ پر اس بات کا اظہار کیا ہے۔

علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ کا شرح و ترجمہ قصیدہ بردہ شریف میں منہج واسلوب

علامہ توکلی نے قصیدہ بردہ شریف کے ترجمہ اور شرح کرتے وقت جو طریقہ اپنایا ہے وہ بہت مفید اور مقبول طریقہ ہے۔ سب سے پہلے قصیدہ بردہ شریف کا شعر یا کچھ

اشعار لکھتے ہیں پھر اس شعر کے اندر جو مشکل اور دقیق الفاظ استعمال ہوئے ہیں انہیں لغات میں لکھ کر ان کا معنی بیان کرتے ہیں اور جہاں ضرورت ہو مزید وضاحت اور توجہ طلب امور میں اس کی صرفی ونحوی تشریح وتوضیح کرتے ہیں تا کہ لفظ کی مکمل سمجھ آجائے۔ اس کے بعد شعر کا با محاورہ ترجمہ کرتے ہیں جس میں الفاظ کو اس طرح سے ترتیب دیتے ہیں کہ ایک تو مفہوم شعر کی مکمل عکاسی کرتا نظر آئے اور دوسرا مفہوم عام اور سادہ اسلوب میں ہو تا کہ پڑھنے والے کو بغیر دقت کے نفسِ مضمون کی سمجھ آجائے۔ اس کے بعد صاحب قصیدہ نے اگر کسی آیت قرآنیہ، حدیث، یا سیرت پاک کے کسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہو یا کسی جغرافیائی محل وقوع یا اماکن کو بیان کیا ہو تو اس کی مکمل تشریح کرتے ہیں اور اسے کھول کے بیان کرتے ہیں تا کہ پڑھنے والے کے لیے کوئی اشکال نہ رہے بلکہ احقاقِ حق حاصل ہو جائے۔ اگر مختصر تشریح سے مطلب بآسانی واضح ہو جائے تو اختصار کو اپناتے ہیں۔ اور ساتھ ہی ساتھ اصطلاحاتِ شعریہ کو بھی بیان کرتے ہیں اور جہاں مناسب ہو وہاں عربی وفارسی اشعار سے استشہاد بھی کرتے ہیں۔ یہ وہ نکات ہیں جو فنِ شرح وترجمہ نگاری پر ان کے عبور اور مہارت پر دال ہیں۔ اس منہاج کی وضاحت کے لیے چند ایک مثالیں ہدیۂ قارئین ہیں:

امن تذکر جیران بذی سلم
مزجت دمعاً من مقلۃ مدم
ام ھبت الریح من تلقاء کاظمۃ
واومض البرق فیالظلماء من اضم

لغات: جیران: ہمسائے صیغہ جمع ہے۔ مگر مراد اس سے محبوب واحد ہے یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

ذوسلم: ایک مقام کا نام ہے۔ مکہ اور مدینہ کے درمیان

مقلة: آنکھ

کاظمة: مدینہ منورہ کے قریب ایک مقام کا نام ہے۔

ترجمہ: کیا تو نے ذوسلم کے ہمسائیوں کی یاد سے آنکھ کے جاری آنسو کو خون آلود کیا ہے یا کاظمہ کی طرف سے ہوا چلی یا اندھیری رات میں اضم کی طرف سے بجلی چمکی ہے۔

تشریح و مطالب: یوں سمجھو کہ کسی شخص کا محبوب جو ذوسلم میں قیام کیا کرتا تھا اور کاظمہ اور اضم میں بھی آیا جایا کرتا تھا اس شخص سے دور ہے اور وہ اس سے مہجور وہ شخص اس کے فراق میں روتا ہے۔ مگر حسب عادت عشاق اپنے عشق کو چھپاتا ہے۔ شاعر جو اس شخص کے عشق سے واقف ہے اس کو روتا دیکھ کر یوں کہتا ہے کہ تم جو اس قدر زار و زار روتے ہو بتاؤ اس رونے کا سبب کیا ہے۔ کیا تمھیں ذوسلم کے دوست یاد آ گئے ہیں یا کاظمہ کی طرف سے ہوا محبوب کی خبر لے کر آئی ہے۔ یا کوہ اضم کی طرف سے تاریکی مین بجلی چمکی ہے۔ جس سے تم کو محبوب کا نورانی چہرہ یاد آ گیا۔ صاحب قصیدہ جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عاشق صادق تھا فصاحت و بلاغت میں یگانہ روزگار شاعر تھا اس لئے اس نے قصیدہ کو تشبیب یعنی

لوازم عشق سے آغاز کیا ہے اور شروع میں ایسے الفاظ (قرب مدینہ کے مقام ذوسلم، کاظمہ، اضم) لایا ہے جو قصیدے کی اصلی غرض (مدح تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر دلالت کرتے ہیں۔ شاعروں کی اصطلاح میں اس صفت کو براعت استہلال کہتے ہیں۔ ناظم جس شخص

سے رونے کا سبب دریافت کرتا ہے۔وہ خود ناظم ہی ہے وجہ یہ ہے
کہ محب صادق تو زمانے میں ملتے ہی نہیں جن سے رموز عشق کا
اظہار کیا جائے۔اس لئے شعراء کی عادت ہے، کہ اپنی ہی ذات کو
ایک الگ شخص فرض کر کے اسی سے سوال و جواب اور باز وعتاب
کرتے ہیں اس صنعت کو اصطلاح میں تجرید بولتے ہیں [1]

اپنے مقرر کردہ منہج کے عین مطابق مذکورہ بالا اشعار کا لغوی مفہوم بیان کرنے کے بعد فاضل مترجم وشارح نے ترجمہ بیان کیا۔مگر صرف ترجمہ کرنے سے مطالب واضح نہیں ہوئے تو ساتھ تشریح بھی کی جس میں صورت واقعہ کے ساتھ ساتھ اماکن کی تشریح بھی کی اور پھر استعمال کردہ ادبی اصطلاحات کو بھی بیان کیا تا کہ مطلب عین کھل کر واضح ہو جائے۔موقع ومناسبت کے لحاظ سے یہ جامع تشریح کی ایک مثال تھی۔تاہم جہاں لغوی معنی اور ترجمہ کرنے سے ہی صورت واقعہ کی وضاحت ہو رہی ہو تو تشریح سے گریز کرتے ہیں

نعم سری طیف من اھوی فارقنی
والحب یعترض اللذات بالالم

لغات: سریٰ، رات کو آیا
طیف، خیال
اھوی، دوست رکھتا ہوں
ارق: اس نے جگایا

ترجمہ: ہاں رات کو محبوب کا خیال آیا پس اس خیال نے مجھے جگا دیا عشق خوشیوں میں رنج والم لایا ہی کرتا ہے۔اس شعر کا مطلب ظاہر

[1] ایضاً، ص ۲۷۔۲۸

ہے [1]

اس شعر کے لغوی معنی بیان کرنے کے بعد اس کا ترجمہ کیا گیا ہے مگر اس کی تشریح کی ضرورت نہیں تھی تو اس کی تشریح نہیں کی گئی۔ اسی طرح سے بعض مشہور اشعار جو آسان الفاظ پر مشتمل ہوں ان کے لغوی معنی بھی بیان نہیں کرتے اور نہ تشریح بلکہ صرف ترجمہ پر اکتفاء کرتے ہیں

محمد سید الکونین و الثقلین
و الفریقین من عرب و من عجم

ترجمہ: اوصاف مذکورہ بالا کے مصداق حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہیں۔ جو سرور دو جہاں اور سردار جن وانس اور سردار دو گروہ عرب وعجم ہیں [2]

شعر میں مذکور واقع کی طرف اشارہ تشبیب کی تشریح کا انداز:

نبذا بعد تسبیح ببطنهما
نبذ المسبح من احشاء ملتقم

لغات: نبذا، پھینکنا مفعول مطلق ہے رمی کا جو شعر سابق میں ہے یا فعل محذوف کا

مسبح، تسبیح گو، مراد حضرت یونس علیہ السلام جو مچھلی کے پیٹ میں تسبیح لا الہ الا انت سبحانك انی کنت من الظالمین پڑھتے ہیں

احشاء: انتڑیاں وغیرہ جو شکم میں ہیں مراد شکم

ملتقم: نگلنے والا، مراد مچھلی جو حضرت یونس علیہ السلام کو نگل گئی تھی

---

[1] ایضاً ص: ۳۳

[2] ایضاً ص: ۴۵

ترجمہ: حضرت نے کنکریوں کو جبکہ وہ آپ کے مبارک ہاتھوں میں تسبیح پڑھ رہی تھیں یوں پھینکا جیسا کہ اللہ تعالی نے مچھلی کے پیٹ سے حضرت یونس علیہ السلام کو پھینکا۔

تشریح مطلب: حضرت کے دست مبارک پر کنکریوں کی محض تسبیح خوانی ایک اور موقع پر مروی ہے۔ مگر ناظم کے ظاہر کلام سے پایا جاتا ہے کہ کنکریوں کا پھینکنا اوران کی تسبیح خوانی ایک ہی موقع پر وقوع میں آئی ۔ممکن ہے جنگ بدر و حنین میں کنکروں کی تسبیح خوانی آہستہ وقوع میں آئی ہو۔ حضرت یونس علیہ السلام شہر نینوا میں جو موص کے متصل تھا مبعوث ہوئے تھے انہوں نے اپنی قوم کو بہت سمجھایا مگر وہ ایمان نہ لائے۔ آخر کار آپ نے ان کو عذاب الٰہی کے آنے کی اطلاع دی۔ جب عذاب میں تاخیر ہوئی تو آپ اپنی قوم سے چھپ کر نکل آئے اور سمندر کے کنارے پر پہنچ کر ایک کشتی میں سوار ہو گئے وہ کشتی چلنے سے ٹھہر گئی ملاحوں نے کہا کہ اس کشتی میں کوئی غلام ہے۔ جو اپنے مالک سے فرار ہو کر آیا ہے۔ جب تک وہ کشتی سے نہ اترے گا نہ چلے گی قرعہ اندازی کی گئی تو قرعہ حضرت یونس علیہ السلام کے نام پر نکلا آپ نے فرمایا وہ بھاگا ہوا غلام میں ہی ہوں اور سمندر میں کود پڑے ایک مچھلی آپ کو نگل گئی یہ قصہ سورۃ صآفات میں مذکور ہے [1]

التحفة الإبراهيمية فى إعفاء اللحية

یہ کتاب علامہ مشتاق احمد چشتی صابری انبیٹھوی کی ہے جو انہوں نے عربی میں تالیف کی جس میں داڑھی کو بڑھانے کی فضیلت اور منڈوانے کی قباحت پر بحث کی

[1] ایضاً ص:۹۰

گئی ہے۔ علامہ مشتاق احمد مدرسہ عربیہ انبیٹھویہ میں رئیس المدرسہ کے اعلی منصب پر فائز تھے آپ نے عقائد اور فقہ واصول فقہ پر اور دیگر متنوع اسلامی موضوعات پر گرانقدر کتب لکھیں اس کے علاوہ آپ رحمۃ اللہ علیہ، علامہ توکلی کے شیخ طریقت بھی ہیں علامہ توکلی نے آپ کی کئی عربی کتب کو اردو زبان کا جامہ پہنایا جن میں سے ایک زیر بحث کتاب ہے۔ علامہ توکلی کو سیرت پاک کے موضوع سے خاص دلی شغف تھا گویا سیرتِ طیبہ کا پرچار آپ کی زندگی کا واحد مشن تھا۔

التحفة الإبراهيمية فی إعفاء اللحية میں آپ کا منہج واسلوب

اس کتاب کے ترجمہ اور حواشی میں فاضل ترجمہ نگار نے پہلے عربی عبارت کا عام فہم اور آسان اردو زبان میں ترجمہ کیا ہے پھر جہاں پر فقہی مسئلہ زیر بحث آیا وہاں نشان لگا کر اس کی وضاحت نیچے حاشیہ میں بیان کی ہے اور اس پر اگر کوئی آیت کریمہ دلالت کرتی ہے تو اسے حاشیہ میں نقل کر دیا ہے اور اگر کوئی حدیث شریف اس امر کی موافقت کر رہی ہو تو اسے بیان کر دیا ہے اور اگر محدثین ومفسرین نے اس کے بارے میں کوئی رائے قائم کی ہو تو اسے مکمل حوالہ کے ساتھ درج کر دیا ہے اور استشہاد کے طور پر اگر عربی یا فارسی عبارت ہو تو اسے بھی زیبِ حاشیہ بنا دیا ہے۔ مثلاً کتاب کے عین آغاز سے اسی منہاج کو اپناتے ہوئے فرماتے ہیں

آج کل ہمارے مسلمانوں علی الخصوص نوعمر تعلیم یافتوں میں داڑھی منڈوانا رائج ہو گیا ہے جس کا سخت افسوس ہے کیونکہ اس کے ناجائز اور حرام ہونے میں ذرا شبہ نہیں

مذکورہ عبارت میں لفظ ''حرام'' آیا ہے جس کو فاضل ترجمہ نگار نے نمبر لگا کر

مخصوص کردیا ہے پھر حاشیہ میں اس کے استشہاد میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے حوالہ سے اس کی توضیح کرتے ہیں کہ انہوں نے اشعۃ اللمعات میں یوں تحریر کیا ہے کہ: وحلق کردن لحیہ حرام وروش افرنج وہنود وجوالقیان است[1]

اسی طرز پر قرآن وتفاسیر سے استشہاد کرتے ہوئے ایک مقام پر رقمطراز ہیں:

* داڑھی منڈوانے میں ایک قباحت یہ بھی ہے کہ مردوں کی مشابہت عورتوں سے پیدا ہو جاتی ہے اور مردوں کو عورتوں سے مشابہت پیدا کرنا ناجائز ہے[2]

اس عبارت میں فاضل مترجم نے لفظ "ناجائز" پر حاشیہ لگا کر اس پر استدلال کرتے ہیں کہ

* ناجائز ہونے کی علت یہ ہے کہ یہ مشابہت تغیر خلق اللہ کے قبیل سے ہے جو حرام ہے چنانچہ قرآن پاک میں حکایۃ عن الشیطان وارد ہے ــــــ *[3]

آگے چل کر لفظ "مشابہت" پر حاشیہ لگا کر اس کی وضاحت میں بخاری شریف اور مسلم شریف سے استدلال کرتے ہیں

* دونوں حدیثوں سے معلوم ہوگیا کہ داڑھی منڈوانے اور مونچھوں کے بڑھانے میں مشرکین اور مجوس کے ساتھ مشابہت پیدا ہوتی ہے* [پھر علامہ جلال الدین سیوطی کے رسائل اثنا عشر

[1] ترجمہ وتشریح التحفۃ الابراھمیہ فی اعفاء اللحیۃ: نور بخش توکلی ص: ۱
[2] ایضاً
[3] ایضاً ص ۲

بلوغ المآرب فی قصص الشوارب کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ انہوں نے بخاری ومسلم سے یہ حدیث حضرت ابن عمر کی روایت کے ساتھ نقل کی ہے کہ:] * نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مشرکین کے خلاف کرو داڑھی بڑھایا کرو، اور مونچھوں کو اخفاء اس سے مراد یہ ہے کہ ان کے کاٹنے میں مبالغہ کیا جائے * [1]

پنجابی زبان میں منظوم حلیہ شریف ۔ مولف نصیر فاضل شاہی، لغات وحواشی علامہ محمد نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ

نصیر فاضل شاہی خاندان بٹالہ شریف کے مورث اعلی تھے۔ اس خاندان کو سرزمین ہندوستان میں ایک منفرد مقام حاصل ہے، نصیر فاضل شاہی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں اپنے عشق ومحبت کا اظہار پنجابی میں منظوم حلیہ شریف لکھ کر کیا، ضرورت شعری اور وزن شعر کا لحاظ کرتے ہوئے مشکل الفاظ بھی زیر استعمال آئے ہیں۔ ہندی اور سنسکرت الفاظ کے ساتھ ان کی اس طرح تشریح کی ہے کہ قدیم پنجابی نہ سمجھنے والے قارئین بآسانی اس منظوم حلیہ شریف کو سمجھ جاتے ہیں اور مولف کی کمال مہارت کو داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے یہ منظوم حلیہ شریف علامہ توکلی نے اپنے کتاب حلیۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آخر میں نقل کیا ہے۔

اندازِ تشریح وتحشیہ

منظوم حلیہ شریف کی توضیح وتشریح کیلئے علامہ توکلی نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ پہلے

---

[1] ایضاً ص ۷

اشعار کو لکھتے ہیں اور ہر شعر کے اندر جو الفاظ تشریح طلب اور وضاحت طلب ہوتے ہیں ان پر حاشیہ لگا کر نمبر لگا دیتے ہیں پھر نیچے حاشیہ میں ان کی لغوی تشریح کرتے ہیں مثلاً ایک جگہ پر گویا ہیں

صورت پاک نبی دی اتوں جندڑی گھول گھماواں
لکھ لکھ واری گھمے جاواں جے اک جھاتی پاواں
آپ اس خاوند سرجن ہارے اپنا یار پیارا
فیض اپنے تھیں آپ بنایا صورت اپر پارا
اپنے کارن جہڑی صورت رب نے چاء بنائی
ستر پردے پا کریہن سب تھیں بہت چھپائی

لغات: **گھول گھمانا:** وارنا، نچھاور کرنا

گھمے جانا: کے معنی ہیں قربان ہونا

جھاتی: کے معنی نگاہ، یہ ہندی مصدر جھانکنا سے حاصل مصدر ہے

سرجن: یہ حاصل مصدر ہے سنسکرت مصدر سرج سے جس کا معنی پیدا کرنا ہے۔ اور ہار ہندی میں علامت فاعلیت ہے۔ پس سرجن ہار کے معنی پیدا کرنے والا یعنی خالق ہے۔

اپر پارا: سنسکرت میں پرم پارا سے کہتے ہیں یعنی جو سمجھ میں آسکے کہ جس کی حقیقت کو پہنچ سکیں پرم پار کے شروع میں الف علامت نفی لگا کر اپرم پار بن گیا پھر پنجابی میں اپرم پار کو بگاڑ کر اپر اپار بنالیا گیا۔ پس اپر اپار کے معنی ہوئے وہ جس کی حقیقت تک نہ پہنچ سکیں۔ لہذا صورت اپر اپار سے مراد وہ صورت ہوئی جس کی حقیقت وصف کو کوئی

بھی مخلوق سے نہیں پہنچ سکتا۔

پاکریہن: پاکر ڈال کر

ابحاث مذکور اس امر پر دال ہیں کہ علامہ محمد نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ اقلیمِ ادب کے بادشاہ تھے کہ انہوں نے جس میدان میں بھی قلم کاری کی اپنی قابلیت کی دھاک بٹھا دی بالخصوص فن ترجمہ پر آپ کی دسترس سے ثابت ہو گیا کہ اردو کے علاوہ بھی آپ کو کئی زبانوں پر کمال عبور حاصل تھا، نہ صرف ماہر لسانیات تھے بلکہ ہر متعلقہ زبان کے رموز واوقاف اور اس کی لغات وفرہنگ اور صرفی ونحوی اصولوں پر انہیں ایسے ملکہ حاصل تھا جیسے انہوں نے اسی زبان کے ماحول میں پرورش پائی ہو۔ پھر لفظی چناؤ میں وہ خاص ادیبانہ شان کے حامل ہیں لہٰذا جب قلم اٹھاتے ہیں تو الفاظ کے ذخائر آپ کے سامنے نمودار ہو جاتے ہیں مگر آپ ان میں سے صرف سادہ اور معروف الفاظ کا انتخاب کرتے ہیں تاکہ جملہ قارئین اس سے استفادہ حاصل کر سکیں۔ ترجمہ اگر مشکل فن ہے تو حاشیہ نگاری اس سے بھی زیادہ مشکل فن ہے کیونکہ یہ فن وضاحتِ اشارات، توضیحِ ابہامات اور استدلال کے لیے قوی مطالعہ کا متقاضی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مترجم کے لئے لغات سے مکمل آگاہی اور متعلقہ زبان کے اصول وقواعد سے گہری آشنائی انتہائی ضروری ہے۔ اور عطائے نعمت کی بات ہے کہ علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ سعادتِ علم وآگاہی حاصل ہے۔

○ —— ○ —— ○

گیارھواں باب

علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ کے مباحث سیرت وتراجم کا ادبی وعلمی مقام

علامہ محمد نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالی نے نہ صرف عالمانہ خوبیوں سے نواز رکھا تھا بلکہ آپ فنِ خطابت میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے، بہت اچھے منتظم، بہترین ماہر تعلیم اور عمدہ صحافی تھے۔ تقریباً ایک دہائی سے اوپر ایک مجلہ کی ادارت میدان صحافت میں ان کی صلاحیتوں کا منہ بولتا ثبوت ہے، اسی طرح علمی وادبی دنیا میں شاہکار کتابیں ان کے ایک تجربہ کار اور محقق ادیب ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ درس وتدریس سے وابستگی اور تین ہزار کتب سے زیادہ پر مشتمل ان کی ذاتی لائبریری ان کی علم دوستی پر دال ہے۔ علامہ محمد نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ اس بات سے بخوبی آگاہ تھے کہ علم تقریر سے زیادہ تحریر کے ذریعے نفع بخش ہوتا ہے کیونکہ تحریر آنے والی نسلوں کو سنوارنے کا سبب بنتی ہے اور تحریر ہی کسی مصنف کے علمی وادبی مقام کا تعین کرتی ہے۔ اسی سے ہی اندازہ ہوتا ہے کہ لکھاری کیسا ماہرِ لسانیات، لغات سے کس قدر آشنا، تاریخ سے کس حد تک شناسا اور علوم وفنون پر اسے کتنا عبور حاصل تھا جبکہ اس کے اسلوبِ تحریر سے آگاہی اس کی اصولِ نگارش سے واقفیت کی راہیں متعین کرتی ہے۔

علامہ محمد نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ نے جن موضوعات کو اپنے ذوق کا مرکز بنایا وہ کائنات کی اس ہستی کے ذکر کو لیے ہوئے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے وجہ تخلیق کائنات قرار دیا ہے۔ جس کی عظمتِ شان میں پورے کا پورا قرآن رطب اللسان ہے۔ جناب

توکلی نے جب بھی قلم اٹھایا تو کبھی رحمتِ عالمین کی سیرتِ طیبہ اور کبھی ان کی صورت کے بارے میں رقمطراز نظر آئے۔ ان کے قلم کی جولانیاں قابلِ دید اور تحریر کی لطافتیں لائقِ تحسین ہوتی ہیں؛ بحر ادب میں غوطہ زن ہو کر فصاحت و بلاغت کے انمول موتیوں کی سلک ہائے درخشاں لے کر ابھرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی کتابیں گلستانِ ادب کے وہ پھول ہیں جن کا مقدر بہار ہی بہار ہے۔ میدانِ ادب میں یہ کامیابیاں عطیہ خداوندی ہے جسے چاہے نواز دے۔ علامہ موصوف بھی خوب نوازے گئے اور اپنے پیچھے علم و ادب کا وہ خزانہ چھوڑ گئے کہ جس کی بھی اس تک رسائی ہوئی اس نے خوب استفادہ کیا۔ علامہ موصوف کے مبحثِ سیرت و تراجم کے علمی و ادبی مقام کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ عرصہ دراز گزرنے کے باوجود آج بھی ان کی کتابیں اور تراجم تواتر سے چھپ رہے ہیں اور عوام الناس اور خواص ان سے مستفید ہو رہے ہیں۔ ان مباحث کے علمی اور ادبی مقام کے تعین کے لیے ذیل میں ایک تنقیدی جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

علامہ محمد نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ کے مباحث سیرت کے علمی و ادبی مقام کا جائزہ

علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ نے سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو ابحاث کتب و رسائل کی صورت میں لکھی ہیں یا انہیں کسی کتاب کا حصہ بنایا ہے ان کے جائزے کے لئے کچھ امور کو پرکھنے کی ضرورت ہے تا کہ پتہ چل سکے کہ ان کی سیرت پر کی گئی ابحاث کس نوعیت کی حامل ہیں اور علمی و ادبی لحاظ سے ان کا کیا مرتبہ اور مقام ہے۔

مآخذ کا جائزہ

کسی بھی کتاب، مضمون یا تحریر کی خصوصیات اور اس کے مقام و مرتبہ کی تعیین میں اس کے مآخذ کا بڑا اہم کردار ہوتا ہے کہ آیا جو کچھ لکھا ہوا ہے وہ مضمون نگار

ومصنف کی ذاتی رائی پر مبنی ہے یا اس نے اپنے ماقبل ماہرینِ فن سے استفادہ کیا ہے اور اپنی تحریر میں مستند اور معتبر کتابوں سے استدلال دیا ہے۔فن سیرت نگاری میں استدلال کے لیے سب سے پہلا ماخذ قرآن پاک ہے اس کے بعد احادیثِ صحیحہ و کتب سیرت اور پھر کتب تاریخ کو درجۂ ماخذ حاصل ہے۔علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ کے کارہائے سیرت کے جائزہ سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے ان سب بنیادی مآخذ سے استفادہ کیا ہے۔انفرادی سطح پر ان کے طرزِ اخذ کو ہم مندرجہ ذیل تقسیم سے باور کر سکتے ہیں۔

آیات قرآنیہ سے استدلال

علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ کو قرآن فہمی پر مکمل عبور حاصل تھا لہٰذا اپنے مباحثِ سیرت میں جگہ جگہ قرآنِ پاک سے آیاتِ کریمہ بطور استشہاد لاتے ہیں۔اس طرزِ استدلالیت سے ان کے علمی اور ادبی ذوق کے ساتھ ساتھ ان کی تحقیقی کاوشوں کا بھی ادراک ہوتا ہے۔

احادیث صحیحہ سے استدلال

علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ نے نہ صرف قرآنِ مجید بلکہ احادیث صحیحہ سے بھی اپنے استدلال میں ایک منجھے ہوئے عالم کی طرح بھر پور استفادہ کیا۔لہٰذا حسبِ موقع ومحل اپنی کتب میں برجستہ احادیثِ مبارکہ قارئین کی خدمت میں ہدیہ کرتے ہیں۔یہ حقیقت علم حدیث سے ان کے لگاؤ اور علومِ حدیث میں ان کی مہارتِ بعیدہ کو ظاہر کرتی ہے۔

مستند ومعتبر کتب سیرت سے استدلال

سیرتِ طیبہ کی جمع وتدوین کا آغاز عین ابتدائے اسلام میں ہی شروع ہو چکا تھا

اور پھر ہمیشہ جاری رہا۔ لہٰذا کتبِ سیرت کا شمار ہمیشہ سے کتبِ احادیث میں ہی رہا ہے صرف اس فرق کے ساتھ کہ کتبِ احادیث کی ترتیب میں واقعاتی پہلو کی بجائے موضوعاتی پہلو مدِ نظر رکھا جاتا ہے جبکہ کتبِ سیرت کو حالات و واقعات کے تحت مرتب کیا جاتا ہے۔ گویا کتبِ سیرت میں واقعات و حوادث بذاتِ خود موضوع بن جاتے ہیں جس کی بناء پر تاریخیت، نقد و استخراج اور علمی فقاہت اس کے تار و پو کا حصہ بن جاتے ہیں۔ یہی ہے کہ حیاتِ اسلامیان کے ہر شعبہ میں کتبِ سیرتِ طیبہ اور کتبِ احادیث سے بیک وقت استدلال کیا جاتا رہا ہے۔ علامہ توکلی اس نزاکت کو خوب سمجھتے ہیں لہٰذا اپنی ابحاثِ سیرت میں قرآن و حدیث کے ساتھ ساتھ معتبر اور مستند کتب سیرت سے بھی قوی انداز میں استدلال کرتے ہیں۔ اس ضمن میں ان کے پیش نظر عربی کتب سیرت کے علاوہ دیگر زبانوں میں لکھی گئی کتبِ قیمہ بھی رہی ہیں۔ اس امر سے واضح ہوتا ہے کہ علامہ توکلی نے اپنی ابحاث سیرت میں کس قدر معتبر اور مستند کتب سے استمداد کیا ہے جس کے نتیجہ میں ان کے ابحاث سیرت کو علمی اور ادبی لحاظ سے امتیاز حاصل ہوا۔

کتب تاریخ سے استفادہ

کسی بھی واقعات و حوادث کی ترتیب و تعیین میں تاریخ و جغرافیہ کو کسی صورت بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کیونکہ جب تک کسی واقعہ کے تاریخی اور جغرافیائی خد و خال نمایاں نہیں ہوں گے اس کا پس منظر و پیش منظر ہی مبہم نہیں رہے گا بلکہ اس واقعہ کے پیشِ نظر صحت مند استنباط و استخراج بھی محال ہوگا۔ علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ کو اس حقیقت کا بخوبی ادراک ہے یہی وجہ ہے کہ واقعہ نگاری کرتے وقت کسی موقع پر بھی کتبِ تاریخ و رجال کو پسِ پشت نہیں ڈالتے بلکہ اپنی تاریخ دان نقد و جرح کے ساتھ ان سے قوی

استدلال کرتے ہیں۔ جس سے ان سیری مباحث کو ایک خاص علمی و ادبی امتیاز حاصل ہو جاتا ہے۔

قصیدۃ بردہ شریف کے اشعار بطور استشہاد

قصیدہ بردہ شریف صرف ایک اہلِ ایمان کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عشق و محبت کی سرگزشت نہیں ہے بلکہ ایک جید عالمِ دین کے قلم سے صادر ہونے والی مستند و معتبر اعلی علمی و ادبی دستاویز بھی ہے جس سے اہلِ علم وفن ہمیشہ سے استشہاد و استدلال کرتے رہے ہیں۔ علامہ توکلی کی ابحاثِ سیرت اگرچہ مثالی طور پر مختصر ہیں تاہم اس میں قصیدہ بردہ شریف کے اشعار سے بھرپور انداز میں استشہاد کیا گیا ہے جو بذاتِ خود ان مباحث کی علمی و ادبی مقام کو دوبالا کر دیتا ہے۔

عربی و فارسی اشعار سے استشہاد

توکلی رحمۃ اللہ علیہ کی ابحاث سیرت میں عربی و فارسی کے قدیم وجدید اشعار کو بھی بطور استشہاد لایا گیا ہے وہ اشعار جو اپنے ادبی و علمی محاسن اور فصاحت و بلاغت کی وجہ سے اپنا ثانی نہیں رکھتے انہیں ابحاث سیرت میں بطور استشہاد لانا علامہ توکلی کے ادبی و علمی ذوق کی ترجمانی ہے۔

اختصار مگر جامعیت کا عکاس

علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت نگاری کا ایک مخصوص پہلو اختصار ہے تاہم شوقِ اختصار میں کسی واقعہ یا زیرِ بحث مسئلہ مسخ کرتے ہیں نہ ادھورا چھوڑتے ہیں بلکہ اس میں جامعیت کا ایسا رنگ بھرتے ہیں کہ قاری احساسِ تکمیل کے ساتھ متعلقہ مسئلہ یا واقعہ کا مطالعہ کرتا ہے۔ اختصار مع جامعیت کا یہی عنصر جہاں ان کے علمی وقار کو بلند کرتا ہے وہاں اعلی ادبی ذوق کا بھی آئینہ دار ہے۔

فصاحت و بلاغت

کسی بھی ادبی فن پارے کے علمی اور ادبی مقام کا تعین کرتے ہوئے اس میں فصاحت و بلاغت کو ضرور دیکھا جاتا ہے توکلی رحمۃ اللہ علیہ کی ابحاث سیرت میں ایک نمایاں خوبی ان میں فصاحت بلاغت کا استعمال ہے جوان کے علمی اور ادبی ہونے کی پہچان ہے۔

''سیرت رسول عربی'' بحیثیت ماخذ

علامہ توکلی کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ ان کی کتاب سیرت رسول عربی اپنے ما بعد کے لئے ماخذ بن گئی۔ جس سے بہت سے لکھنے والوں نے استفادہ کیا کسی نے اس کے منہج کی پیروی کی تو کسی نے اس کے علمی وادبی اسلوب کو سامنے رکھا یہ اعزاز بھی توکلی کی ابحاث سیرت کو علمی وادبی نقطہ نگاہ سے ممتاز کرنے کا سبب ہے۔

عام فہم اور سادہ اسلوب تحریر

توکلی رحمۃ اللہ علیہ کو تالیف وتصنیف کے میدان میں ایک اعزاز یہ بھی حاصل ہے کہ ان کی تحریر عام فہم اور سادہ الفاظ کی حامل ہوتی ہے۔ جسے قاری بغیر کسی دقت کے آسانی سے سمجھ جاتا ہے یہ کمال کسی بھی مصنف کی کامیاب تحریر کا منہ بولتا ثبوت ہے توکلی کے ابحاث سیرت سے ایک عام قاری کو بھی اتنا ہی استفادہ ہوتا ہے جتنا کہ ایک عالم و فاضل کو۔ یہ اسلوب بھی توکلی کے ابحاث سیرت کے علمی وادبی مقام کو واضح کرتا ہے۔

توکلی رحمۃ اللہ علیہ کے تراجم کا ادبی و علمی مقام

علامہ محمد نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالی نے جہاں اور بہت سی خوبیوں سے نواز رکھا تھا وہاں انہیں اعلی ترجمہ نگاری کی نعمت بھی عطا فرمائی تھی۔ دنیائے علم وادب میں متعدد

نابغہ روزگار شخصیات گزری ہیں جن کے تبحر علمی کا زمانہ آج تک معترف ہے انہوں نے بہت سے شاہکار علمی ادب پارے ورثہ میں چھوڑے ہیں ان شاہکاروں کو دنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمہ کیا گیا۔ علامہ محمد نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کچھ عربی وفارسی اور انگریزی شاہپاروں کو اردو زبان کے قالب میں ڈھالا ہے ان کا مقصود زیادہ سے زیادہ لوگوں کو ان سے مستفید کرنا تھا۔ اسی افادۂ عامہ کی خاطر انہوں نے ان مترجم کتب میں سے بعض پر حواشی بھی لکھے۔ حواشی لکھنا ترجمہ نگاری سے بھی مشکل کام ہے مگر علامہ توکلی کی خوبی ہے کہ انہوں نے کسی بھی کتاب کے متن کے اہم نکات پر جب حواشی لکھے تو ایسے پر مغز دلائل دیئے اور ایسا موافق استشہاد کیا کہ گمان تک نہیں ہوتا کہ وہ جس متن پر حواشی لکھ رہے ہیں وہ ان کا اپنا ہے یا وہ اس کے مترجم ومحشی ہیں۔

جہاں تک ان کے ملکۂ ترجمہ نگاری کا تعلق ہے تو وہ لوازمِ فن سے مکمل آگاہی رکھتے ہیں انہیں مترجم الیہ اور مترجم منہ دونوں کی لغوی ومعنوی باریکیوں، ضرب الامثال، علمی اصطلاحات، تراکیب واسالیب اور دیگر فنی نزاکتوں پر مکمل عبور تھا۔ اور یہی وہ لوازم ہیں جن پر گرفت کسی ترجمہ نگار کے لیے کامیابی کی حتمی ضمانت ہیں۔ یہاں پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پروفیسر توکلی کے محاسنِ تراجم کا ایک مختصر جائزہ لے کر ان کی ادبی وعلمی اہمیت کو واضح کیا جائے۔

توکلی رحمۃ اللہ علیہ کے تراجم کے نمایاں علمی وادبی محاسن کا جائزہ

ترجمہ کی دو اقسام ہیں: تحت اللفظ یا لفظی ترجمہ؛ بامحاورہ یا مفہومی ترجمہ۔ تحت اللفظ ترجمہ میں ہر لفظ کا ہو بہو ترجمہ کر دیا جاتا ہے اس سے عبارت کی ترتیب قائم نہیں رہتی اور ترجمہ میں عدم فہم کا عنصر شامل ہو جاتا ہے۔ مفہومی ترجمہ عام فہم اور آسان ہوتا ہے جس سے تسلسل اور روانی بھی برقرار رہتی ہے اور تحریر کے اندر حسن کلام کی صفت

بھی برقرار رہتی ہے۔

توکلی کے تراجم مفہومی ہیں۔ جن کو پڑھنے اور سمجھنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی اس لحاظ سے ان کے تراجم کو ادبی اور علمی لحاظ سے منفرد مقام حاصل ہے۔ تاہم حسبِ ضرورت صرفی و نحوی پیچیدگیوں کے پیشِ نظر بعض مقامات پر لغوی پہلو کو بھی مدِ نظر رکھا گیا ہے تاکہ قاری پر مفہوم واضح ہو جائے۔ لیکن ایسی لغوی بحث کا اہتمام الگ سے کیا گیا ہے باقاعدہ محاوراتی ترجمہ کو اس کی دراندازی سے مبرا رکھا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ آیاتِ کریمہ کے ترجمہ میں زیادہ تر لفظی و لغوی انداز اپنایا گیا ہے جو بسا اوقات ذوقِ لطیف پر ناگواری کے اثرات پیدا کرتا ہے۔

فصاحت و بلاغت پر مشتمل تراجم

توکلی رحمۃ اللہ علیہ کے تراجم کی ایک اہم بات ان میں معیاراتِ فصاحت و بلاغت کی پاسبانی ہے زبان اتنی فصیح و بلیغ ہے کہ مفہوم ترجمہ میں عین واضح ہو جاتا ہے اس لحاظ سے بھی ان کے تراجم کو ادبی و علمی دنیا میں ایک اہم مقام حاصل ہے۔

تراجم میں ادبی اسلوب

توکلی رحمۃ اللہ علیہ کے تراجم کا اسلوب سادہ و عام فہم مگر ادبی معیار کو برقرار رکھتا ہے جس سے اس کے مفہوم کو سمجھنے میں قاری کو زیادہ الجھاؤ کا شکار نہیں ہونا پڑتا۔ یہ خوبی بھی علامہ توکلی کے کیے گئے تراجم کے علمی و ادبی مقام میں اضافہ کرتی ہے۔

اختصار الفاظ

توکلی رحمۃ اللہ علیہ کے تراجم میں الفاظ کی کثرت کی بجائے اختصار کی خوبی نمایاں ہے الفاظ نص عبارت کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ اس کی وجہ مدلل الفاظ کا استعمال ہے جس سے ترجمہ کا حسن برقرار رہتا ہے اور مفہوم بھی نہیں بگڑتا یہ خوبی بھی تراجم کے علمی و ادبی

مقام میں اضافہ کا باعث ہے۔

مولود برزنجی کا استدلالی حاشیہ

مولود برزنجی عربی زبان میں میلاد نامہ ہے جس کا مفہومی ترجمہ علامہ توکلی نے کیا اور اس پر پُر استدلال حاشیہ بھی لکھا جس میں قرآن پاک، احادیث صحیحہ اور کتب سیر کے علاوہ عربی و فارسی ادب سے استدلال کیا گیا ہے جس کی بدولت ترجمہ کی علمی و ادبی حیثیت میں نمایاں اضافہ ہوا ہے۔

قصیدہ بردہ کا ترجمہ بطور ماخذ

علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ کے قصیدہ بردہ شریف کے ترجمہ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ مابعد ترجمہ نگاروں نے اسے بطور ماخذ لیا ہے اس ضمن میں پروفیسر حمید اللہ ہاشمی نے قصیدہ بردہ شریف کی جو شرح کی ہے اس کی کتابیات کے حصہ میں پروفیسر نور بخش توکلی کے ترجمہ و تشریح قصیدہ بردہ شریف کو بطور مآخذ ذکر کیا ہے اس حقیقت سے بھی علامہ توکلی کے تراجم کے بلند ادبی و علمی مقام کی تصدیق ہوتی ہے۔ [1]

قصیدہ بردہ کے ترجمہ میں الفاظ کی صرفی نحوی تشریح

علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ قصیدہ بردہ شریف کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں سب سے پہلے عربی مشکل الفاظ کی صرفی ونحوی تشریح کے بعد ترجمہ کیا گیا ہے اور پھر ترجمہ کے پیش نظر توضیح کی گئی ہے۔ علامہ بوصیری نے اپنے اشعار میں اگر کسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہوتا ہے تو اس کو استدلال کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔

مختصر یہ کہ علامہ توکلی کی سیرت و تراجم کو ایک علمی و ادبی مقام حاصل ہے۔

"سیرت رسول عربی" کتب سیرت میں ایک نمایاں حیثیت کی حامل ہے اور

[1] حمید اللہ ہاشمی، پروفیسر، شرح قصیدہ بردہ شریف، ص: ۲۴۷

پسندِ خاص و عام ہے یہی وجہ ہے کہ تنظیم المدارس کے نصاب میں اس کا انتخاب ہوا۔ تنظیم المدارس کی نصاب کمیٹی کسی بھی کتاب کی علمی و ادبی مرتبت کو ملحوظِ نظر رکھتے ہوئے اسے اپنے نصاب میں رکھنے کی منظوری دیتی ہے۔ لہٰذا اس کتاب کا شاملِ نصاب ہونا بذاتِ خود اس کی اہمیت کو واضح کر دیتا ہے۔ اسی طرح سے توکلی کے مباحثِ سیرت میں عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تحریر کردہ رسالہ بڑی اہمیت کا حامل ہے جس میں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت اور ثمرات کو بڑے دلائل کے ساتھ پیش کیا گیا۔[1]

اسی طرح سے ان کی ''حلیۃ النبی'' کو بھی ایک منفرد مقام حاصل ہے جبکہ ان کی کتاب ''معجزات النبی'' میں حضور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات مبارکہ کا تفصیلی بیان ہے یہاں تک کہ اس کتاب کو معجزاتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انسائیکلوپیڈیا کہا جا سکتا ہے۔ اسی طرح سے ''حقوق مصطفی'' میں امت پر واجب حقوقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تفصیلات ہیں اور حق یہ ہے کہ یہ کتاب مباحثِ سیرت میں بہت عمدہ اضافہ ہے۔ اس کے علاوہ ''سنتِ رسول کی ضرورت واہمیت'' میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت مبارکہ کی ضرورت و اہمیت قرآن و حدیث کی روشنی میں مدلل پیرائے میں بیان کی گئی ہے اور منکرین سنت کا ردو ابطال کیا گیا ہے جبکہ ''رسالہ نور'' میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نورانیت کا ثبوت قرآن وسنت سے مہیا کیا گیا ہے۔

ان ابحاثِ سیرت کے بعد تراجم میں عرب وعجم میں مقبولِ عام مولود برزنجی کا ترجمہ وحواشی، قصیدہ بردہ شریف کا ترجمہ وتشریح ''التحفۃ الابراھیمیۃ فی إعفاء اللحیۃ'' فارسی ''مصابیح الظلام'' کا اردو میں ''نور ھدایت''

[1] محمد نور بخش توکلی، عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، لاہور: رفاہ عام سٹیم پریس 1333ھ

کے نام سے ترجمہ کیا یہ کتاب عیسائیوں کی طرف سے حضور کی ذات پاک اور اسلام پر اعتراضات کے ضمن میں فارسی میں لکھی گئی تھی پھر اسے اصلاح عام کے لئے اردو میں ترجمہ کیا۔

پروفیسر توکلی رحمۃ اللہ علیہ کی مباحثِ سیرت و تراجم کا اجمالی جائزہ لینے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت علمی و ادبی خوبیوں کا مرقع تھی انہوں نے اپنی زندگی کو کتاب و قلم کیلئے وقف کر رکھا تھا اور ان کے مباحث سیرت و تراجم حقیقی معنوں میں ادب اسلامی میں ایک بیش قیمت اضافہ ہیں۔



بارھواں باب
علامہ محمد نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت نگاری کا منہج و اسلوب

مصنف ''سیرت رسول عربی'' محمد نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت ہمہ جہت خوبیوں کی حامل تھی، سیرت نگاری میں انہیں ایک منفرد مقام حاصل ہوا۔ انہیں جدید ادبی تقاضوں پر مکمل دسترس حاصل تھی۔ انہوں نے جو کچھ بھی سپرد قلم کیا اسے ایک منظم اور جاندار منہج و اسلوب کے زیور سے آراستہ و پیراستہ کیا۔ منہج کی داخلی و خارجی اقسام اور اسلوب نگارش کے مطالب و معانی کو سمجھنا ہو تو ان کی کتاب ''سیرت رسول عربی'' عمدہ مثال ہے۔

توکلی کے منہج و اسلوب کا جائزہ لینے سے پہلے ضروری محسوس ہوتا ہے لفظِ منہج اور اسلوب کی طرف مختصر سا اشارہ کر دیا جائے۔

منہج

منہج کا لغوی معنی راستہ یا طریقہ ہے اس لیے اسے اصول کا نام بھی دیا گیا ہے۔ یعنی کسی بھی کتاب کی خارجی درجہ بندی کو منہج کہتے ہیں کسی بھی کتاب کو لکھتے وقت جن قاعدوں اور کلیوں کی رعایت کو بنیاد بنایا جائے انہیں منہج سے موسوم کرتے ہیں۔

اسلوب

کسی بھی کتاب کی اندرونی درجہ بندی کرتے ہوئے جن امور کو پیش نظر رکھا جاتا

ہے اسلوب سازی میں قواعد زبان اور خصائص زبان کو سامنے رکھتے ہوئے جو انداز اپنایا جاتا ہے، یعنی محدثانہ، مورخانہ، فقہی، ادبی، مناظرانہ، مورخانہ، علمی وادبی، اسے اسلوب سے موسوم کیا جاتا ہے۔ سیرت رسول عربی میں منہج اور طرز اسلوب کے لئے جن امور کا جائزہ پیش کیا جائے گا ان میں

1. ترتیب موضوعات (Arrangments of topics)
2. ترتیب حقائق (Arrangments of facts)
3. حفظ اصول (Preservation of principles of research)
4. ترکیزیت (C oncentration)
5. ابواب بندی (C hapterization)

محمد نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "سیرت رسول عربی" کو دو مقدمات اور دس ابواب میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے مقدمہ میں، جسے "ملک عرب کا جغرافیہ" سے موسوم کیا گیا ہے، خطہ عرب کی جغرافیائی تقسیم اور خدوخال بیان کئے گئے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ اقلیم عرب کی تاریخی اہمیت اور وہاں کی اقتصادی، معاشی اور زرعی اہمیت اور پیداوار کو بھی واضح کیا ہے۔ دوسرا مقدمہ مسمی بہ "عرب کی تاریخ پر طائرانہ نظر" میں جزیرۂ عرب میں زمانہ قدیم سے ظہور اسلام تک کے حالات اور سیاسی، مذہبی، معاشرتی تبدیلیوں اور دورِ جاہلیت کے احوال کو بیان کیا گیا ہے۔ مقدمے اس قدر اہمیت کے حامل ہیں کہ کتاب کو ان کے بغیر سمجھنا سعی لاحاصل ہے اس کے بعد اصل کتاب کو شروع کرتے ہیں جس کی درجہ بندی دس ابواب میں کی گئی ہے اور ہر باب کو ایک عنوان دیتے ہیں پھر اس عنوان کی مناسبت سے اسے مضامین میں تقسیم کرتے ہیں۔

ترتیب موضوعات (Arrangment of topics)

ابواب بندی میں منطقیت کے اصولوں کو برقرار رکھا گیا ہے جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس میں تاریخی اور زمانی ترتیب کالحاظ رکھا گیا ہے؛ اسی طرح سے ابواب بندی کے تحت مرتبہ حقائق میں موضوعاتی اعتبار سے تقدیم وتاخیر کی مکمل رعایت کی گئی ہے جیسے

باب اول: برکات نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

باب دوم: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نصب شریف اور ولادت باسعادت سے بعثت تک کے حالات

باب سوم: بعثت شریف سے مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کا بیان اور واقعات

باب چہارم: ہجرت سے وصال انور تک کے حالات واہم واقعات

باب پنجم: وصال مبارک اور حلیہ مبارکہ

باب ششم: اخلاق عالیہ وحسنہ بیان کئے گئے ہیں

باب ہفتم: معجزات مبارکہ کا بیان

باب نہم: ازواج مطہرات اور اولاد کرام کے بیان میں

باب دہم: امت پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقوق کے بیان میں

ابواب کی اس ترتیب سے پتہ چلتا ہے کہ تاریخی اعتبارات کو خصوصی طور پر ملحوظِ خاطر رکھا گیا ہے اور پھر موضوعات کے اندر ایک منطقی ترتیب کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ جسمانی خدوخال بیان کرنے کے بعد اخلاق، پھر شخصیت کی خوبیوں اور پھر متعلقات کو بیان کیا گیا ہے۔

ترتیب حقائق (Arrangment of facts)

موضوعات کو ترتیب دیتے وقت ان کے سیاق و سباق کے لحاظ سے ربط کو مدِ نظر، ان میں تقدیم و تاخیر پر گہری نظر بالخصوص ان کا آپس میں رشتہ مربوط رکھا گیا ہے مثلاً تیسرا باب حالات بعثت شریف تا ہجرت ہے تو چوتھا باب حالات ہجرت تا وفات شریف پر مبنی ہے اگلا باب وفات شریف سے شروع ہوتا ہے اس اعتبار سے بھی منہاج توکلی ایک منفرد نوعیت کا حامل ہے اور سیرت نگاری کے اصولوں کی مکمل پاسداری لئے ہوئے ہے۔

حفظ اصول تحقیق (Preservation of principles of research)

محمد نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ انہوں نے آج سے قریباً ایک صدی قبل سیرت نگاری کے ان جدید اصولوں کا مکمل التزام کیا جو عصر حاضر میں وضع کیے گئے ہیں۔ سیرتِ طیبہ حدیثِ کریم کا ہی حصہ ہے اس لیے علامہ توکلی اپنے ہر بیان کی صحت و حسن کی خوب پاسبانی کرتے ہیں۔ قاری کے سامنے ایسے حقائق رکھتے ہیں جو معیار حدیث کی مطابق ہوتے ہیں۔

ترکیزیت (Concentration)

دورانِ تحریر جب کسی خاص موضوع پر مصنف تاکیداً زور دیتا ہے فنی اعتبار سے اسے ترکیز کہتے ہیں اور اس کے منظم استعمال کو ترکیزیت کا نام دیا گیا ہے۔ نور بخش توکلی کی سیرت نگاری کا ایک خاص اور منفرد پہلو یہ ہے کہ عقائدِ رسالت پر ترکیز ان کے منہاج کا مخصوص عنصر ہے جس کے مطابق جب بھی کوئی واقعہ یا موضوع لیتے ہیں اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کی شان و عظمت خصوصی تاکید کے ساتھ نمایاں کرتے ہیں۔ اسی طرح سے تعلیماتِ اسلامیہ، اخلاق رسول، خصائص رسول،

عشق رسول، عظمت رسول اور ترسیخ عقائد صحیحہ ان کے منہاجِ ترکیزیت کی اساس ہیں۔

''سیرت رسول عربی'' کا منہج خارجی

''سیرت رسول عربی'' یک جلدی کتاب، دو مقدمات اور دس ابواب پر مشتمل ہے زیر تحقیق نسخہ 508 صفحات پر مشتمل ہے۔ عمومی صفحات 23 سطروں پر مشتمل ہیں۔ سرورق اور جلد بندی کے لحاظ سے خوبصورتی کی حامل ہے۔

علامہ محمد نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت نگاری کا اسلوب

اسلوب (Style) طریقِ اظہار یا اندازِ بیان کو کہتے ہیں، سیرت نگاری میں کئی اسالیب مستعمل ہیں جن میں تاریخی اسلوب، فقہی اسلوب، مناظرانہ اسلوب، دعوتی اسلوب، ادبی اسلوب اور علمی اسلوب قابل ذکر ہیں۔

محمد نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ نے جس طرز اسلوب کو اختیار کیا وہ علمی و ادبی اسلوب ہے۔ انہوں نے ''سیرت رسول عربی'' اور دیگر ابحاث سیرت میں جس طرزِ تحریر کو اختیار کیا اور اپنی تحریر میں جن اصولوں کو بروئے کار لائے ان کا ایک مختصر جائزہ پیشِ خدمت ہے۔

محققانہ طرز

محمد نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ کا اسلوب تحقیق و جستجو کا آئینہ دار ہے۔ چونکہ آپ ایک ماہر تعلیم، پروفیسر، اور ایک نامور صحافی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک منجھے ہوئے محقق اور قلم کار تھے لہذا آپ کی تحریر کو پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کا طرزِ اظہار تحقیق و جستجو سے مزین ہے۔ اس ضمن میں پروفیسر اکرم رضا رقمطراز ہیں

* سیرت رسول عربی محققانہ مواد، علمی

مباحث اور قرآن حدیث کے حوالہ جات کے بنا پر ایک مختصر سوانحی انسائیکلو پیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے*[1]

مربوط اسلوب

''سیرت رسولِ عربی'' کا اسلوب اس اعتبار سے بھی اپنے اندر حسن سموئے ہوئے ہے کہ اس میں بیان کردہ مضامین آپس میں بہت مربوط ہیں اور سائنسی و منطقی درجہ بندی کے لحاظ سے اسلوبیت کی خوبیوں سے آراستہ وپیراستہ ہیں، دوسرے باب کے مضامین میں تولد شریف کا مضمون لکھنے کے بعد اگلا مضمون تولد شریف کی خوشی کا ثمرہ اس کے بعد تولد شریف کے وقت خوارق اور پھر رضاعت کا مضمون باندھتے ہیں اس امر سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی گفتگو آپس میں کتنی مربوط ہے جو قاری کو کسی ذہنی تشویش میں مبتلا نہیں ہونے دیتی۔

مدلل اسلوب

علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ کی ابحاثِ سیرت کے اسلوب کو ایک منفرد اعزاز یہ بھی حاصل ہے کہ وہ نوعیتِ دلیل کے ساتھ ساتھ اپنے رنگ بدلتا رہتا ہے۔ کوئی بھی پیش آمدہ بحث کو بڑے استدلالی انداز سے پیش کرتے ہیں اس ضمن میں واقعہ کی نوعیت کے مطابق اگر اس کا قرآنی استدلال ہو تو اسے سب سے پہلے بیان کرتے ہیں اس کے بعد احادیث کی معتبر کتابوں سے احادیث صحیحہ کو لاتے ہیں اس کے بعد ماقبل معتبر اور مستند سیرت کی کتابوں سے دلیل لاتے ہیں قرآن پاک سے استدلال لاتے ہوئے آیت کا نمبر، سورہ کا نام اور رکوع کا نمبر تک لکھتے ہیں اسی طرح سے کتبِ حدیث سے حوالہ دیتے ہوئے کتاب کا نام جلد اور صفحہ نمبر تک لکھتے ہیں۔ سیرت یا تاریخ کی

[1] اکرم رضا، پروفیسر، تقدیم سیرت رسول عربی، ص: ۱۷، ۱۸

کتاب سے استدلال کرتے وقت کتاب کا نام مع مصنف اور جلد نمبر اور صفحہ نمبر تک لکھتے ہیں غرض ان کا استدلالی اسلوب تحقیقی اصولوں کے مطابق ہے اور وہ اس بات کو پیش نظر رکھتے ہیں کہ اگر قاری اصل مآخذ کی طرف رجوع کرنا چاہے تو اسے دقت اور پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

استشہادی طریق

علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ کی ابحاثِ سیرت کی ایک نمایاں خصوصیت ان کا استشہادی مواد ہے۔ کسی بھی واقعہ کو بیان کرتے ہوئے جہاں قرآن وحدیث اور معتبر کتب سے استدلال کرتے ہیں وہیں پہ عربی وفارسی قصائد اور شعرائے قدیم وجدید کے نعتیہ اشعار کو بطور بھی استشہاد پیش کرتے ہیں۔ اور ساتھ ہی ان کا ترجمہ بھی لکھ دیتے ہیں۔ اس طریقِ استشہاد سے ان اسلوب میں ایک خاص قسم کا حسن اور جاذبیت پیدا ہو جاتی ہے جس سے صاحبِ ذوق قاری بہت لطف اندوز ہوتا ہے۔

دلچسپ سادہ وعام فہم اسلوب

علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ کی ابحاث سیرت کا اسلوب نہایت دلچسپ سادہ اور عام فہم ہے ان کی ابحاث سیرت سے جن لوگوں نے بھی کسی بھی صورت میں استفادہ کیا وہ ان کی اس خصوصیت کے قائل ہو گئے۔ اس ضمن میں برصغیر کے عظیم مصنف ومحقق علامہ عبد الحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ ''سیرت رسول عربی'' پر کلمہ آغاز لکھتے ہوئے اس کے اسلوب کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں

> *ضرورت تھی کہ ایسی کتاب لکھی جائے جو مستند معلومات پر مشتمل ہو مسلک اہل سنت کی صحیح ترجمانی کرے اور انداز بیان سادہ اور عام فہم ہو حضرت مولانا نور بخش توکلی

قدس سرہ نے سیرت رسول عربی لکھ کر اس ضرورت کو پورا کردیا۔ حضرت علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ تصنیف وتالیف کی ضرورت اہمیت اور افادیت سے پوری طرح باخبر تھے اس لیے انہوں نے اس طرف خصوصی توجہ فرمائی اور اس میدان میں خاصہ کام کیا قدرت نے انہیں وسیع معلومات، قوت استدلال اور عام فہم انداز تحریر کا ملکہ عطا فرمایا تھا*[1]

اسی طرح تحقیق وجستجو کے میدان میں ایک منفرد مقام کے مالک پروفیسر محمد اکرم رضا سیرت رسول عربی کے اسلوب پر رقمطراز ہیں

''سیرت رسول عربی''، تحقیق وجستجو کا ایک ضوپاش مینار، قرآن واحادیث کا بحر پر انوار، قدم قدم پر محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہار، صداقتوں اور حقائق کا ابر گوہر بار ہے، زبان سادہ، مگر حسن بلاغت وفصاحت میں ڈھلی ہوئی[2]

اسی طرز کی تعریف کرتے ہوئے جی سی یونیورسٹی فیصل آباد کے ایک فاضل محقق اپنے مقالہ مسمی بہ ''فیصل آباد میں سیرت نگاری کی روایت کا تحقیقی مطالعہ'' میں اپنا تحقیقی تجزیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں

*کتاب ھذا (سیرت رسول عربی) معلومات کا خزانہ ہے زبان عام فہم اور

[1] عبدالحکیم شرف، قادری، علامہ، حرف آغاز سیرت رسول عربی، ص ۵، ۹، لاہور: فرید بک سٹال، س ن
[2] کرم رضا، پروفیسر، تقدیم سیرت رسول عربی، ص: ۲۳، لاہور: مکتبہ حنفیہ، س ن

سادہ اور شائستہ ہے۔۔۔کتاب دلچسپ
ہے اس کے مطالعہ کے بعد قاری کے دل
میں مقام مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بلند ہو جاتا ہے اور
ان کا انداز بیان قاری کو اپنا گرویدہ بنا لیتا
ہے۔[1]

علمی وادبی ومعلوماتی اسلوب

علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ کی ابحاث سیرت کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں علمی وادبی مزاج رچا بسا ہے۔ زبان نہایت سلیس مگر فصاحت وبلاغت سے گندھی ہوئی اور تحریر معلوماتِ علمیہ کا خزانہ ہے۔ وہ جو واقعہ بھی بیان کرتے ہیں سائینٹفک انداز سے اس کے تاریخی اور جغرافیائی پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہیں جیسا کہ باب سوم میں حالات بعثت شریف بیان کرنے سے پہلے دنیائے عرب کی مکمل منظر کشی کرتے ہیں قبائل عرب جن بتوں کی پوجا کرتے تھے ان کی مکمل تفصیل بیان کرتے ہیں ان معلومات کو اس طرح ایک جدول میں ترتیب دیتے ہیں

- **بت کا نام:** فلس
- **مقام جہاں بت تھا:** اجا
- **قبیلہ جو اس کی پوجا کرتا تھا:** طئی
- **کیفیت:** قبیلہ طئی کے دو پہاڑ جا و سلمی مدینہ سے شمال تین مرحلہ کے فاصلہ پر ہیں۔ اس بت پر قربانی چڑھاتے تھے اگر کوئی جانور بھاگ کر اس کی پناہ میں آتا تو وہ اسی کا ہو جاتا ایک روز اس کا پجاری سیفی نامی ایک عورت کی اونٹنی بھگا لایا اور اس بت کے پاس لا کر باندھ دی عورت نے اپنے ہمسایہ کو شکایت کی، وہ اونٹنی کو

[1] محمد اشرف فیصل آباد میں سیرت نگاری کی روایت کا تحقیقی مطالعہ، مقالہ مخزونہ، ص۸۶، رول نمبر ۸۱۲۵ سیشن ۲۰۱۰ء

کھول کر لے گیا۔ پجاری نے بت سے فریاد کی مگر کچھ نہ بنا، عدی بن حاتم نے یہ دیکھ کر بت پرستی چھوڑ دی اور عیسائی ہو گئے پھر سن ۹ ہجری میں مشرف با سلام ہوئے رضی اللہ تعالی عنہ

● **بت کا نام:** منات ● **مقام جہاں بت تھا:** قدید کے قریب ساحل بحیرہ پرکوہ مشتعل کے نواح میں

● **قبیلہ جو اس کی پوجا کرتا تھا:** اوس وخزرج ہذیل وخزاعہ

● **کیفیت:** قریش اور باقی تمام عرب اس کی عبادت کرتے تھے اور اس پر قربانیاں چڑھاتے تھے، اوس خزرج جب مدنیہ سے حج کرنے آتے تو ارکان حج ادا کر کے اپنے سر اس بت کے پاس منڈواتے تھے اور اس کے بغیر حج کو نامکمل سمجھتے تھے۔[1]

اقتباسِ بالا سے پتہ چلتا ہے کہ فاضل مصنف کسی بھی واقعہ کو بیان کرنے سے پہلے اس کے تاریخی، معاشی معاشرتی، نفسیاتی مندرجات کو مکمل سباق کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ سیاق کو بغایت اصلی سمجھنے میں کوئی دقت اور اشکال باقی نہیں رہتا۔

اسی طرح سے ادبی اسلوب کو اس طرح الفاظ کے پیرہن سے مزین کرتے ہیں

"تکثیر طعام کی طرح حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعاء برکت سے قلیل پانی کا کثیر ہوجانا بھی بہت سی احادیث میں آیا ہے اس قسم کا تکثیر آپ جناب سید کائنات علیہ التحیۃ و التسلیم کے مربی اور ولی نعم ہونے کا اثر ہے، کیونکہ جس طرح حضور انور بحسب روحانیت قلوب و ارواح کے مربی مکمل ہیں عالم جسمانیت میں ابدان و اشباح کے پرورش

[1] محمد نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ، سیرت رسول عربی: ص: ۴۷، ۴۸، لاہور: فرید بک سٹال، س ن

فرمانے والے بھی ہیں* [1]

عشق ومحبت اور آداب بارگاہ رسالت پر مبنی اسلوب

علامہ محمد نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت نگاری کا ایک طرہ امتیاز عشق ومحبت ہے جس کا اظہار ان کی ابحاث سیرت سے خوشبو کی طرح خود ہی بکھرتا چلا جاتا ہے اور قاری کے دل ودماغ کو معطر کرتا چلا جاتا ہے۔ سیرت نگاری میں اگر جذبات کے عنصر کا کردار محدود ہے تو اس سے مکمل پہلو تہی بھی مقام نبوت ورسالت کے منافی ہے اس ضمن میں جناب توکلی کو یہ تفرد حاصل ہے کہ تحقیقی زبان کے تقاضوں کو بھی ملحوظ رکھا اور دنیا کو بتایا کہ وہ ہستی جو شان لولاک کی نویدوں کی منبہ ومرکز ہے جس کے کلام کے اندر اتنا لطف واکرام ہوتا تھا کہ غیر بھی ان کے ہوجاتے اور جس کی گفتار کے لئے خود ذات الٰہی کلمات کا اہتمام کرے جب اس ذات والا صفات پیکر صدق وصفاء کی بات کی جائے تو نوکِ قلم کو آشنائے ادب واحترام کر کے الفاظ کو زیور طباعت سے آراستہ کرنا نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ کا طرہ امتیاز ہے۔ اس ضمن میں جناب توکلی رحمۃ اللہ علیہ ''سیرت رسول عربی'' کے دیباچہ اول میں رقمطراز ہیں

> *آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اطوار وعادات کی پیروی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات منبع البرکات کی انتہائی محبت اور تعظیم ملحوظ رکھیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بابی وامی تو یہاں تک فرمارہے ہیں کہ تم میں سے کوئی مومن نہیں بن سکتا جب تک کہ میں اس کی نظر میں اس کی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ بن جاؤں* [2]

---

[1] ایضا، ص: ۱۷۴

[2] خطیب التبریزی، مشکوۃ کتاب الایمان، فصل اول، بیروت: دار الفکر، س ن

اقتباس ہذا سے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ حضرت توکلی رحمۃ اللہ علیہ نے لفظ انتہائی محبت اور تعظیم لکھا ہے جس کا اطلاق ہر ایک قرینہ حیات پر لازم ہے تقریر وتحریر اور ہر وہ عمل جسے ہم انجام دیں اس میں اس کا خصوصی اہتمام ملحوظ خاطر رکھیں کیونکہ ادب ہی کو محبت کے قرینوں میں اولیت کا مقام حاصل ہے۔ [1]

عقیدہ رسالت کا مظہر اسلوب

عقائد کی دو قسمیں ہیں ایک قسم رسالت پر فقط ایمان ہے جس سے بندہ حقیقی طور پر مسلمان ہوتا ہے۔ اور دوسری قسم ایمان بالرسول ہے یعنی ذات مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان کی انتہاء، اردو میں سیرت پر بہت سی باکمال کتابیں لکھی گئیں جن میں ہر مصنف نے اپنا مخصوص اسلوب اپنایا مگر علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تمام ابحاث سیرت میں عقیدہ رسالت کو اپنا مطمع نظر بنایا وہ عقیدہ جو صحابہ کرام کا عقیدہ تھا۔ اس امر کی شاہد توکلی رحمۃ اللہ علیہ کی وہ ابحاث سیرت ہیں جو انہوں نے مصابیح الظلام میں عیسائیوں اور مستشرقین کے مذموم اعتراضات کے ردوابطال میں لکھیں۔ اس کے علاوہ ''سیرت رسول عربی'' کی تالیف کو بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں

> *اس پر آشوب زمانہ میں ملک ہند میں کئی فتنے برپا ہیں جو سب کے سب مسلک اہل سنت وجماعت سے منحرف ہیں اردو میں سیرت پر جو چند کتابیں شائع ہوئی ہیں ان میں سے شاید ہی کوئی بہمہ وجوہ اہل السنت والجماعت کے معیار پر پوری اترے، فقیر نے بتوفیق الٰہی اس بات کا پورا

[1] نور بخش توکلی، ''سیرت رسول عربی''، ص: ۲۵، ۲۶

التزام رکھا ہے"[1]

اقتباس ہذا سے ثابت ہوتا ہے کہ علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ نے جن فتنوں کا اظہار کیا ہے ان کا تعلق عقیدہ رسالت سے انحراف سے تھا۔ ان دنوں ایک طرف تو مستشرقین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ بے عیب پر اعتراضات کے طومار باندھے تھے اور دوسری طرف خود مسلمانوں کے مابین انگریزی استعمار نے بہت سے ایسے فتنوں کو پیدا کر دیا تھا جن کے ذریعہ سے عقیدہ رسالت کو بہت کمزور کرنے کی مذموم کوششیں کی گئیں۔ اس حقیقت کا ایک پہلو یہ ہے کہ عہد توکلی ہی میں جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت پاک کے مبارک دن کو یوم وفات کے طور پر سوگوار انداز میں منایا جاتا تھا اور ساتھ ہی ساتھ نور و بشر اور حیات النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسے متعدد بنیادی عقائد رسالت کو متنازعہ رخ دینے کی کوششیں کر کے اختلافی فضا پیدا کر کے اہل ایمان کو تذبذب کا شکار کیا جا رہا تھا۔ ان نازک حالات میں علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ نے "سیرت رسول عربی"، "رسالہ نور"، "معجزات النبی"، "غزوات النبی"، "حلیۃ النبی"، "سنت رسول کی ضرورت و اہمیت"، "نور ہدایت"، "قصیدہ بردہ شریف" اور "مولود برزنجی" کا ترجمہ وتشریح جیسی کتبِ سیرت کو منصۂ شہود پر لا کر عقیدہ رسالت کا ایسا دفاع کیا کہ حق ادا کر دیا۔

تراجم وشروحات میں اسلوب توکلی رحمۃ اللہ علیہ

علامہ محمد نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ نے جہاں بہت ہی مایہ ناز سیرت کی کتابیں تالیف کیں وہاں انہوں نے عمدہ کتب سیرت کا ترجمہ اور شرح کرنے کا بھی اعزاز حاصل کیا۔ علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ کے کئے ہوئے تراجم اور شروحات کو ایک ادبی اور علمی مقام حاصل ہے ان کے تراجم کا اسلوب بہت علمی، ادبی، فصاحت وبلاغت سے مزین اور

[1] ایضاً، ص:۶۲

سلاست سے بھرپور ہے ان کے اسلوبِ تراجم کی چیدہ چیدہ خصوصیات درجِ ذیل ہیں

① ـــــ علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ ترجمہ کرتے ہوئے لغوی پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہیں مشکل الفاظ کے معانی بیان کرتے ہیں صرفی اور نحوی تشریح کرتے ہیں اور گرائمر کے اعتبار سے الفاظ کی حیثیت کو واضح کرتے ہیں۔

② ـــــ علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ مفہومی ترجمہ کرتے ہیں تاکہ مفہوم واضح ہو جائے۔

③ ـــــ علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ فصاحت اور بلاغت سے ترجمہ کرتے ہیں تاکہ تحریر کا حسن برقرار رہے۔

④ ـــــ علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ اختصار کو ملحوظ خاطر رکھتے ہیں کلام قلّ ودلّ کے اصول کو پیش نظر رکھتے ہیں۔

⑤ ـــــ علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ ربط کا خاص طور پر خیال رکھتے ہیں۔

علامہ محمد نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت نگاری کے منہج و اسلوب کا مفصل جائزہ لینے کے بعد یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ علامہ توکلی ایک منجھے ہوئے قلمکار تھے؛ وہ تحریر کے جملہ محاسن سے باخبر تھے اور انہیں اصول سیرت نگاری پر مکمل عبور حاصل تھا اور عصر حاضر میں سیرت نگاری کے جو اصول وضع کئے گئے ہیں وہ پہلے سے ہی ان پر مکمل کاربند تھے۔ ان کی ابحاث سیرت اور باقی تحریروں سے یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ وہ ایک صدی پہلے کی لکھی ہوئی ہیں۔

○ ــــ ○ ــــ ○

تیرھواں باب

''سیرت رسول عربیؐ'' کا معاصر کتب سیرت سے موازنہ

علامہ محمد نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ بیسویں صدی کے عظیم سیرت نگار ہیں سیرت نگاری میں انہیں ایک منفرد مقام حاصل ہوا۔ عصر توکلی میں سیرت طیبہ کے لافانی موضوع پر برصغیر میں کئی مصنفین نے سیرتِ طیبہ پر خامہ فرسائی کی جن میں اشرف علی تھانوی کی ''نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم''، سید مناظر احسن گیلانی کی ''النبی الخاتم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' اور عبد الرؤف دانا پوری کی ''اصح السیر'' شامل ہیں۔ حالیہ فصل کو ''سیرت رسول عربی'' کا دیگر معاصر کتب سیرت سے موازنہ کا نام دیا گیا ہے اس میں انہی تین مذکورہ کتب کو منتخب کیا گیا ہے، اول اس لیے کہ ان میں سے ہر ایک یک جلدی ہے؛ دوم اس لیے کہ بعض مخصوص حلقوں میں انہیں پذیرائی حاصل ہے۔ ''سیرت رسول عربی'' کا ان کتب سے جن امور میں موازنہ کیا جائے گا ان میں منہج و اسلوب، اہم مضامینِ سیرت، طرزِ استدلال۔ اور مصادر و مراجع شامل ہیں۔

منہج اور اسلوب میں موازنہ

کسی بھی کتاب کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت اس کتاب کا منہج اور اسلوب ہوتا ہے۔ جس سے مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی تخلیقی صلاحیتوں کا ادراک اور تحقیقی میدان میں اس کے ملکہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں کی تخلیقی اور تحقیقی کمالات کا اظہار

کرتا ہے۔ بلکہ اس کے نفسیاتی، سائنسی، منطقی اور عصری تقاضوں کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ لٰہذا سب سے پہلے انہی دو پہلوؤں میں ''سیرت رسول عربی'' کا اس کی معاصر کتب مذکورہ سے موازنہ پیشِ خدمت ہے۔ تا کہ علامہ محمد نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے ہم عصر سیرت نگاروں میں باہمی مماثلت یا مخالفت کو محققانہ انداز سے پرکھا جا سکے۔

''سیرت رسول عربی'' کا منہج اور اسلوب میں موازنہ

علامہ محمد نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ نے سیرت رسول عربی کو منہجی نقطہ نگاہ سے دس ابواب میں تقسیم کیا ہے ہر باب کو موضوعاتی عنوان سے مختص کیا ہے اور پھر اس عنوان کے تحت آمدہ ابحاث کو مضامین کی صورت میں پیش کیا ہے۔ ابواب بندی کرتے ہوئے تاریخی و منطقی تقسیمات کے پیش نظر ابواب کو آپس میں مربوط رکھا ہے۔ اسی طرح کتاب کا اسلوب سادہ، دلنشین اور عام فہم ہے جس سے علماء وفضلاء کے ساتھ ساتھ ایک عام قاری بھی کماحقہ مستفید ہوتا ہے اور مشکل اور دقیق اصطلاحات وترکیبات سے صرف نظر کرتے ہوئے اسلوب کو سادہ اور سلیس پیرائے میں ترتیب دیا ہے۔

اس کی مزید تائید جی سی یونیورسٹی فیصل آباد کے فاضل سکالر اپنے مقالہ بعنوان " فیصل آباد میں سیرت نگاری کی روایت کا تحقیقی مطالعہ " کے صفحہ ۸۶ پر ''سیرت رسول عربی'' کے اسلوب کو بیان کرتے ہوئے یوں فرماتے ہیں

*کتاب ہذا سیرت رسول عربی معلومات کا خزانہ ہے زبان عام فہم اور شائستہ ہے۔۔۔ اور مصنف کا انداز بیان

قاری کو اپنا گرویدہ بنالیتا ہے*[1]

النبی الخاتم کے منہج و اسلوب سے موازنہ

"النبی الخاتم" سید مناظر احسن گیلانی کی مختصر سی کتاب ہے جس میں انہوں نے سیرت طیبہ کے واقعات کو بیان کیا ہے۔ کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے مکی زندگی، اور مدنی زندگی۔ منہجی نقطہ نگاہ سے کتاب کی کوئی ابواب بندی نہیں کی گئی بلکہ عنوانات کو مضامین کی شکل میں پیش کیا گیا ہے۔ اور واقعات سیرت کو کسی تاریخی تقسیم کے تحت پیش نہیں کیا گیا۔ اسلوبِ بیان میں افسانوی رنگ غالب ہے جو سیرتِ طیبہ کے حسن و وقار کو مجروح کر دیتا ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ زیادہ تر گفتگو اشاراتی طرز پر کی گئی ہے جس سے عام قاری کو کچھ پتہ نہیں چلتا کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کتاب مخصوص طبقہ کے لئے لکھی گئی ہے، جس کا واضح نتیجہ یہ ہوا کہ یہ کتاب اپنی تاثیر اور ابلاغ میں پوری طرح کامیاب نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کتاب ہذا کے تعارفی کلمات میں مولانا محمد منظور نعمانی کو کہنا پڑا کہ:

> * جو حضرات اس کتاب النبی الخاتم کو صرف ایک نظر دیکھیں گے وہ شاید پورا استفادہ نہ کریں گے اور نہ اچھی طرح لطف اندوز ہو سکیں گے اس کے لئے ضروری ہے کہ گہری نظر سے اس کو ایک سے زیادہ مرتبہ دیکھا جائے۔۔۔ خود میں نے اس کو دو مرتبہ بالاستیعاب اور بعض

---

[1] محمد اشرف، فیصل آباد میں سیرت نگاری کی روایت کا تحقیقی مطالعہ، مقالہ مخزونہ، ص ۸۶، رول نمبر ۸۱۲۵ سیشن ۲۰۱۰ء

مقامات کو اس سے بھی زیادہ مرتب
دیکھا[1]

اگر ایک علمی شخصیت اقرار کرے کہ کتاب کو سمجھنے کے لئے نظرِ عمیق اور کئی مرتبہ پڑھنے کی ضرورت ہے تو عام قاری کے لیے اس میں کیا ہو سکتا ہے، خصوصاً اس عصرِ مصروفیت جب عامۃ الناس کے پاس نہ تو اتنا وقت ہے کہ بار بار مطالعہ کرے اور نہ ہی افسانوی چیستانوں کے حل پر اتنا عبور کہ اس کتاب کی گتھیوں کو ایک نظر میں سلجھا سکے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب باعتبارِ اسلوب عصری تقاضوں کو پورا کرنے سے قاصر ہے۔اس ضمن میں علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ تبصرہ کرتے ہیں کہ:

مناظر احسن گیلانی کی تالیف النبی الخاتم میں افسانوی انداز اور گنجلک طرز تحریر کا غلبہ ہے اس میں جگہ جگہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے واحد غائب کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔مثلاً اس نے یہ کہا، اس نے یہ کیا جو ذوق لطیف پر انتہائی گراں گزرتا ہے[2]

مختصر یہ کہ "النبی الخاتم" افسانوی اسلوب میں نہائی ہوئی منہجیت سے ناآشنا کتاب ہے جس میں مناسبت کی پاسداری کی گئی ہے نہ موقع ومحل کی پاسبانی۔لہٰذا "سیرتِ رسولِ عربی" سے اس کا موازنہ نامناسب بھی ہے اور فنِ سیرت نگاری سے اغماض بھی۔

[1] محمد منظور نعمانی، مولانا، تعارف النبی الخاتم، ص:۸، کراچی، مکتبہ البشری، ۲۰۱۲ء
[2] محمد عبدالحکیم، شرف قادری، علامہ، کلمہ آغاز سیرت رسول عربی، ص۹، لاہور، فر... سال، س ن

''اصح السیر'' کے ساتھ منہج و اسلوب میں موازنہ

''اصح السیر'' ابوالبرکات عبدالروف داناپوری کی تالیف ہے۔ جو ۱۹۳۲ء کے عرصہ میں منظر عام پر آئی۔ ''اصح السیر'' بھی اسی عرصہ میں لکھی گئی جس عرصہ میں ''سیرت رسول عربی'' معرض وجود میں آئی اس کی منہجی تقسیم میں ابواب بندی نہیں کی گئی ہے۔ موضوعاتی ابحاث کی گئی ہیں کتاب کا اسلوب علمی اور آسان فہم ہے۔

''نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کا منہج و اسلوب

''نشر الطیب'' اشرف علی تھانوی کی تصنیف ہے منہجی نقطہ نگاہ سے کتاب کی تبویب کی گئی ہے ہر ایک بحث کو فصل میں سمو دیا گیا ہے۔ اس طرح کل ۴۱ فصلیں باندھی گئی ہیں اور کچھ حسب ضرورت مضامین ہیں۔ اس ضمن میں مصنف خود لکھتے ہیں:

> * رسالہ ھذا کو حسب ضرورت مضامین ایک مقدمہ اور اکتالیس فصول اور ایک خاتمہ پر منقسم کرتا ہوں *[1]

اسی طرح دوران ابحاث عربی قصائد سے شعر لے آتے ہیں جس کا اظہار مولف نے خود مقدمہ میں اس طریق سے کیا ہے

> * اس رسالہ میں بعض مقام پر شوق میں اشعار لکھ دئے ہیں اگر مستورات کے مجمع میں پڑھنے کا شوق ہو تو اشعار چھوڑ دیئے جائیں *

[1] اشرف علی تھانوی، نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب، ص ۳، لاہور، اسلامی کتب خانہ، س ن

اس اقتباس میں مصنف نے ایک تعجب خیز بات کی ہے کہ بعض مقام پر شوق کی تسکین کے لئے اشعار لکھے گئے ہیں جو مستورات کے مجمع میں نہ پڑھے جائیں، سیرت پاک کسی مخصوص طبقہ کے لئے نہیں بلکہ عامۃ المسلین کے لئے مشعل راہ ہے مجمع خواہ رجال کا ہو یا مستورات کا۔ کلام نثر میں ہو یا نظم میں جب ہے ہی سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکرِ جمیل تو تحدیدِ صنف کا کیا مطلب! مگر تھانوی صاحب نے تحدیدِ صنف کی ہے کہ مجمعِ مستورات میں اشعار کو چھوڑ دیا جائے۔ اللہ اللہ! تو پھر ان اشعار کا سیرت پاک کی کتاب میں لکھا جانا چہ معنی دارد؟

کتاب ایک جلد پر مشتمل ہے، اس کا اسلوب قدیم مولویانہ ہے لہٰذا اکثر عربی تراکیب کو من وعن اٹھا کر بے ہنگم جڑ دیا گیا ہے جس کی بناء پر عام قاری کو انتہائی دقت اور اجنبیت کا سامنا کرنا پڑتا ہے جبکہ صاحبِ ذوق سرگشتہ و آتش پا ہو جاتا ہے۔ ذرا ملاحظہ فرمائیے کہ اندازِ تھانوی میں فصاحت کس طرح سے گریہ کناں ہوتی ہے

* ہمارے آقا کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احسن ہوں اور خود ان دونوں نوعوں میں یوں تفاضل ہو کہ نوع یوسفی ظاہراً و بداہتہً ابہر و اظہر اور واقف عند حد ہو اور نوع محمدی معنیً اور امعاناً الطف و ادق اور لاتقف الی حد ہو اول نوع کا لقب حسن صباحت مناسب ہے اور دوسری نوع کا نام حسن ملاحت * [1]

اور پھر استدلالی حوالہ جات دیتے وقت محض اتنا لکھتے ہیں * کذا رواہ الترمذی * [2] اسی طرح سے جب عربی و فارسی اشعار سے استشہاد کرتے ہیں تو کتاب

[1] ایضا: ص: ۴۵
[2] ایضا، ص: ۵۷

یا شاعر کا نام درج نہیں کرتے۔ اس کے برعکس ''سیرتِ رسولِ عربی'' اپنے منہج اور اسلوب دونوں کے اعتبار سے ''نشر الطیب'' سے ہر سطح پر اعلیٰ اور افضل ہے۔

اھم مضامین کے درمیان موازنہ

سیرتِ طیبہ کی تحریر میں سیرت نگاروں نے کئی مناہج اختیار کیے ہیں ان میں سے ایک منہج مختلف گوشہ ہائے سیرت کو مضامین کی صورت میں پیش کرنا ہے۔ اردو میں اس منہج کو تقریباً سبھی سیرت نگاروں نے اپنایا ہے۔ ہر سیرت نگار نے اسوہ حسنہ کے کچھ گوشوں کو تفرد کے ساتھ اور کچھ نے تحقیق و جستجو کے نقطہ نگاہ سے موثر انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

سیرت رسول عربی میں علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے باب میں برکات نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مضمون سے کتاب کا آغاز کیا ہے جس میں انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور مبارک پر بڑی مدلل بحث کی ہے اور قرآن پاک اور احادیث صحیحہ سے استدلال کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور مبارک کی برکات کو قارئین کے سامنے پیش کیا ہے اور پوری کائنات کو اسی نور مبارک کا ظہور قرار دیا ہے۔ اسی بحث کو اشرف علی تھانوی صاحب نے بھی اپنی کتاب نشر الطیب میں مضمون اول کے طور پر پیش کیا ہے انہوں نے اپنے مضمون کو " نور محمدی کے بیان میں " کا عنوان دیا ہے۔ اور بہت ہی لمبی اور محققانہ بحث کے ساتھ آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور مبارک کو ثابت کیا ہے۔ اس ضمن میں موصوف نے علامہ توکلی سے پہلے اس بحث کو اختیار کیا کیونکہ ''نشر الطیب'' ''سیرت رسول عربی'' سے پہلے لکھی گئی تھی۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور مبارک کو متنازعہ مسئلہ کے طور پر کسی نے بھی نہیں لیا تھا بلکہ ان دو ہم عصر سیرت نگاروں نے اپنی کتابوں کو شروع ہی

تذکار نور محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کیا۔

''النبی الخاتم'' کے مصنف نے اپنی کتاب کو مکی زندگی کے عنوان سے شروع کیا ہے مگر گنجلک افسانوی اور پہیلیوں پر مبنی گفتگو سے بحث کا آغاز کرتے ہیں جس کی ایک مثال نذرِ قارئین ہے

*یوں آنے کو تو سب آئے، سب میں آئے،
سب جگہ آئے، سلام ہو ان پر کہ بڑی کٹھن گھڑیوں
میں آئے لیکن کیا کیجئے ان میں جو بھی آیا
جانے کے لئے آیا پر ایک اور صرف ایک جو آیا
اور آنے کے لئے آیا، وہی جو آنے کے بعد بھی نہیں
ڈوبا، چمکا اور چمکتا ہی چلا جا رہا ہے*[1]

اقتباس ہذا سے پتہ چلتا ہے کہ بات تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظہور اقدس کی ہی ہو رہی ہے مگر اسے افسانوی رنگ میں ڈبو کر حسن و خوبی کو یکسر ضائع کر دیا گیا ہے یہ انداز اصولِ سیرت نگاری کے عین منافی ہے۔ اس کی وجہ سے عبارت اتنی ثقیل ہو گئی ہے کہ یہ سمجھنا بھی مشکل ہے کہ بات ہو کیا رہی ہے۔

عبدالرؤف دانا پوری نے نسبِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ''اصح السیر'' کا آغاز کیا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب شریف کو معد بن عدنان تک بیان کیا ہے اور اس ضمن میں بہت مختصر سی چند سطروں کی ابحاث لکھی ہیں۔ جبکہ ''سیرت رسول عربی'' میں علامہ توکلی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب پاک کو بالتفصیل تاریخی انداز میں بالاستدلال پیش کیا ہے۔

[1] مناظر احسن گیلانی، النبی الخاتم، ص: ۱۱، کراچی، مکتبہ البشریٰ، ۲۰۱۲ء

تحقیق و استدلال میں موازنہ

اصح السیر میں عبدالرؤف داناپوری نے ولادت شریف کو بایں الفاظ پیش کیا ہے۔

آپ کے والد ماجد جناب عبداللہ بن عبدالمطلب نے آمنہ خاتون سے شادی کی اور حضرت آمنہ حاملہ ہوئیں اس کے بعد ہی خواجہ عبدالمطلب نے ان کو کھجور کیلئے مدینہ بھیجا وہیں پچیس برس کی عمر میں ان کا انتقال ہوگیا ان کے انتقال کے بعد آٹھ یا بارہ ربیع الاول کو پیر کے دن صبح صادق کے وقت خاص بیت اللہ کے اندر حضور پیدا ہوئے[1]

جبکہ نشر الطیب میں اشرف علی تھانوی ولادتِ شریف کا تذکرہ بایں الفاظ کرتے ہیں

سب کا اتفاق ہے دوشنبہ تھا اور تاریخ میں اختلاف ہے آٹھویں یا بارہویں ماہ سب کا اتفاق ہے ربیع الاول تھا سنہ کا اتفاق ہے عام الفیل تھا[2]

تھانوی صاحب کے الفاظ پر غور فرمایئے اور دیکھیے کہ عبارت کو بے عبارت بنا دینے میں انہیں اعلیٰ درجہ کی مہارت حاصل ہے۔

---

[1] عبدالرؤف داناپوری، اصح السیر، ص:٦، ٥، کراچی: مجلس نشریات اسلام، ١٩٧٩ء

[2] اشرف علی تھانوی، نشر الطیب ص:٢٥

مناظر احسن گیلانی نے اپنی تصنیف میں ولادتِ پاک کے موضوع کو نہیں لیا ہے اور کسی ضمن میں بھی بیان نہیں کیا ہے، مکی زندگی کو موضوع بنایا ہے حضرت ابو طالب کی کفالت کا ذکر کیا ہے مگر ولادت باسعات کے پر لطف موضوع کو چند الفاظ میں بھی ذکر نہیں کیا ہے۔

”سیرت رسول عربی“ اور تاریخ ولادت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

علامہ توکلی نے ولادتِ باسعادت کے لحاتِ بابرکات کی خوش اسلوبی سے عکاسی کی ہے اور تاریخِ ولادت میں معاصرین کی نسبت انفرادیت کے ساتھ استدلال کیا ہے

> *جب حمل شریف کو چاند کے حساب سے پورے نو مہینے ہو گئے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ۱۲ ربیع الاول کو دوشنبہ کے دن فجر کے وقت کہ ابھی بعض ستارے آسمان پر نظر آرہے تھے پیدا ہوئے (سیرت ابن کثیر ج ۱،ص ۱۹۹، البدایہ والنہایہ ج ۲،ص ۲۶۰ بیروت)* [1]

مذکورہ بالا اقتباسات سے منکشف ہے کہ ”سیرت رسول عربی“ میں آمدہ ابحاث سیرت کس قدر تحقیق و جستجو پر مبنی ہیں، اور تاریخ ولادت میں نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ کے معاصرین نے مختلف تواریخِ ولادت لکھ کر قارئین کو تذبذب کا شکار کیا ہے۔ یہ کوئی معمولی ہستی کا تذکرہ نہ تھا کہ جن کی نسبت ایسا تذبذب پیدا کیا جاتا۔ یہ تو وجہِ تخلیق کائنات کے ولادت باسعات کی بات تھی اس کی بابت اذہانِ مسلمین میں شکوک و شبہات کی آگ بھڑکا کر کونسی خدمتِ نفس انجام دی جارہی تھی بالائے فہم ہے جبکہ تحریر

---

[1] نور بخش توکلی، سیرت رسول عربی: ۲۶

کا دائرہ اتنا تنگ تھا کہ کسی طویل بحث کو سما ہی نہیں سکتا تھا۔ مگر برصغیر کے عظیم محقق، سیرت نگار علامہ محمد نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ مصنفِ سیرت رسول عربی کو منفرد اعزاز حاصل ہوا کہ انہوں نے تحقیق وجستجو اور تاریخ وسیر کی معتبر کتب کے حوالہ سے صرف ۱۲ ربیع الاول کو ہی ولادت باسعادت کا دن قرار دیا تاکہ شکوک وشبہات اور تذبذب کی کیفیات کا ازالہ بھی ہو جائے اور مخالفین اسلام کو تنقید کا موقع بھی نہ ملے۔ ان کی روش کا راست اور مناسب ہونا اس حقیقت سے بھی واضح ہے کہ اسی تاریخِ ولادت پر نہ صرف عامۃ المسلمین والمؤرخین کا اتفاق چلا آ رہا ہے بلکہ اب سائنسی اور فلکیاتی اعداد و شمار سے بھی یہی تاریخ درست ثابت ہو چکی ہے لہٰذا تاریخی وسائنسی اعتبارات سے عیاں ہو گیا کہ علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ کی ابحاثِ سیرت تحقیق وجستجو پر مبنی اور حقائق کے عین مطابق ہیں۔

مصادر ومراجع اور حوالہ جات میں موازنہ

کسی کتاب کی افادیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاتا ہے کہ اس میں کی گئی ابحاث مصنف کی ذاتی رائے کا نتیجہ ہیں یا اس نے وہ باتیں استدلال کے ساتھ پیش کی ہیں اور وہ ذرائع جنہیں اس نے استعمال کیا ہے کس قدر مستند ہیں اور علمی و ادبی اعتبار سے ان کی کیا اہمیت ہے۔ بالفاظِ دیگر کسی کتاب کی علمی حیثیت کا تعین اس کے مصادر ومراجع سے ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی مصنف کی علمی گہرائی، گیرائی اور تاریخی کتب سے اس کے شغفِ استفادہ کا بھی پتہ چلتا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ ''سیرتِ رسولِ عربی'' اور دیگر کتب سے مصادر ومراجع میں بھی ایک جامع موازنہ پیش کر دیا جائے۔

''نشر الطیب'' کے مصادر و مراجع کا جائزہ

اشرف علی تھانوی صاحب ''نشر الطیب'' کے مقدمہ میں خود لکھتے ہیں کہ رسالہ کے لکھنے کے وقت یہ کتابیں میرے پیش نظر تھیں، مشکوۃ، صحاح ستہ، مع شمائل ترمذی، مواہب لدنیہ، زاد المعاد، ابن القیم، سیرۃ ابن ہشام، الشمامۃ العنبریۃ فی مولد خیر البریہ تصنیف مولوی صدیق حسن خان، تاریخ حبیب الہ، قصیدہ بردہ، الروض النظیف۔ یہ کتابیں ہیں جن سے نشر الطیب کی تحریر کے دوران میں موصوف نے استفادہ کیا، جن کی تعداد تقریباً ایک درجن سے کچھ اوپر ہے جب آپ کسی کتاب سے استفادہ کرتے ہیں اور دوران بحث جب حوالہ دیتے ہیں تو وہ بات یا واقعہ لکھنے کے بعد قوسین میں کذا فی لکھ کر کتاب کا حوالہ لکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور مبارک کا تذکرہ کرتے ہوئے ایک واقعہ لکھتے ہیں

> *حمل رہنے کے وقت آپ کی والدہ ماجدہ نے ایک نور دیکھا جس سے ہر بصریٰ علاقہ شام محل ان کو نظر آئے (کذا فی سیرۃ ابن ہشام)*[1]

اسی طرح ایک اور واقعہ المواہب کے حوالہ سے لکھتے ہیں

> *آپ کی والدہ کہتی ہیں جب آپ کی ولادت کا وقت قریب آیا تو آپ کے تولد کے وقت میں نے خانہ کعبہ کو دیکھا وہ نور سے معمور ہو گیا اور ستاروں کو دیکھا کہ زمین کے اس قدر نزدیک آ گئے کہ مجھے گمان ہوا کہ مجھ پر گر پڑیں

[1] اشرف علی تھانوی، نشر الطیب ص: ۲۵

گے (روایت کیا اس کو بیہقی نے کذا فی المواہب) *[1]

اصح السیر کے مصادر و مراجع پر ایک نظر

ابوالبرکات عبدالرؤف داناپوری نے اپنی کتاب اصح السیر کے آغاز میں ایک طویل مقدمہ لکھا ہے اور اس کے اندر بڑی پر تاثیر بحث کی ہے اور تاریخ سیرت نگاری کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے مگر انہوں نے اپنے اس کتاب کی تالیف کے دوران کن کتابوں کو پیش نظر رکھا اور کس طرح کی کتب سے استفادہ کیا اس کا ذکر مقدمے میں کہیں نہیں ملتا۔ ان کے حوالہ دینے کا طریقہ اس طرح سے ہے۔

❶ ــــــ ابن کثیر کہتے ہیں [2]
❷ ــــــ ابن قیم واقدی سے روایت کرتے ہیں [3]
❸ ــــــ صحیحین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے [4]
❹ ــــــ صاحب ھدایہ لکھتے ہیں [5]
❺ ــــــ صحیح بخاری میں ہے [6]
❻ ــــــ مواہب لدنیہ میں طبری سے منقول ہے [7]

مذکورہ بالا حوالہ جات میں کسی جگہ بھی کتاب کی جلد نمبر کا حوالہ نہیں ہے۔ لہذا قاری اگر اصل مصدر کی طرف رجوع کرنا چاہے تو اس مقصد کیلئے اسے وافر فرصت کی

---

1. اشرف علی تھانوی، نشر الطیب ص: ۲۵
2. عبدالرؤف داناپوری، اصح السیر ص: ۱۶۳
3. عبدالرؤف داناپوری، اصح السیر ص: ۱۶۳
4. عبدالرؤف داناپوری، اصح السیر ص: ۱۶۳
5. عبدالرؤف داناپوری، اصح السیر ص: ۱۶۳
6. عبدالرؤف داناپوری، اصح السیر ص: ۱۶۳
7. عبدالرؤف داناپوری، اصح السیر ص: ۱۶۳

ضرورت درکار ہوگی کیونکہ اس طرح سے حوالہ تلاش کرنا جان جوکھوں میں ڈالنے کے مترادف ہے۔

النبی الخاتم کے مصادر و مراجع کا جائزہ

النبی الخاتم مناظر احسن گیلانی کی تصنیف ہے۔ اس کتاب کے تعارف میں منظور احمد نعمانی رطب اللسان ہیں کہ

علم و تحقیق کی وسعت یا گہرائی اور اپنی معلومات کو خوبصورتی کے ساتھ دلنشین طریقہ پر بیان کردینا یا تحریر میں لے آنا کمالات ہیں جن میں بڑی حد تک کسب کو بھی دخل ہے۔۔۔ النبی الخاتم کے محترم مصنف انہی خوش نصیبوں میں سے ہیں جنہیں علم و تحقیق اور تقریر کے کمال کے ساتھ اس وہبی نعمت سے حصہ وافر ملا ہے[1]

مصنف نے اس کتاب میں مذکور ابحاث کو نتیجہ ابحاث سیرت لکھا ہے مگر اس میں بہت سی روایتوں اور واقعات کا ذکر بھی کرتے ہیں لیکن کسی ایک کا مصدر یا حوالہ نہیں دیتے اور لگتا ہے وہ ہر بات تخیلی دلائل سے کر رہے ہیں سفر طائف کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

*یہ نہیں سنتے شاید دوسرے سنیں یہاں جی نہیں لگا یا شاید وہاں لگے، کچھ یہی سوچ کر

[1] النبی الخاتم، ص: ۷

زیادہ دور نہیں بلکہ امرائے مکہ کے گرمائی اسٹیشن
طائف کا خیال آیا، زید بن حارثہ رضی اللہ
عنہ آزاد غلام کے سوا ساتھ بھی کوئی نہ تھا،
حجاز کی سب سے بڑی دولت مند عورت خود
بھی جا چکی تھی اور کچھ ان کا تھا ان ہی راہوں میں
جن پر وہ صرف ہو رہا تھا صرف ہو چکا تھا" [1]

اقتباس ہذا میں سفر طائف کا ذکر ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے وصال پر ملال کا تذکرہ ہے مگر کسی ایک بات کا حوالہ نہیں دیا گیا گویا تقریر کی جا رہی ہے اور جس تحقیق و جستجو کا ذکر جناب نعمانی نے حرف آخر میں کیا اس کی ایک ہلکی سی جھلک کہیں بھی دکھائی تک نہیں دے رہی۔

"سیرت رسول عربی" کے مصادر و مراجع اور طریق حوالہ جات کا جائزہ

"سیرت رسول عربی" کی معاصر کتب سیرت کے مصادر و مراجع اور طرزِ حوالہ پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے کے بعد اسی ضمن میں اب ہم "سیرت رسول عربی" کی طرف ملتفت ہوتے ہیں تا کہ مذکورہ کتب کے مقابلہ میں اس کی علمی و ادبی اور تحقیقی اہمیت و افادیت کا درست تعین ہو جائے۔

جیسا کہ ابواب سابقہ میں گزر چکا ہے کہ پروفیسر محمد اکرم رضا اور علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری جیسی علمی و ادبی شخصیات نے "سیرت رسول عربی" کو تحقیق و جستجو کا مینار ضو پاش قرار دیا ہے اور خود مصنف نے اس بات کا اظہار کتاب کے دیباچہ میں کیا ہے۔

---

1 ایضاً ص ۵۴

فقیر نے بتوفیق الہی اس کتاب میں مسلک اہل سنت کی پابندی کا پورا التزام رکھا ہے اور مستند اور معتبر روایات مع حوالہ درج کی ہیں آیات و احادیث کا ترجمہ بالعموم لفظ بلفظ دیا گیا ہے اور عبارت آرائی کا چنداں لحاظ نہیں رکھا گیا ①

اور توکلی رحمۃ اللہ علیہ فی الواقع اپنے طے شدہ منہج پر آخرِ کتاب تک کاربند رہے لہٰذا ''سیرت رسول عربی'' کی تالیف کے دوران میں انہوں نے درجنوں کے حساب سے ہر فن کی کتب سے استفادہ کیا ابواب سابقہ میں اس کی تفصیل با قاعدہ ایک فصل کی صورت میں گزر چکی ہے جن میں الہامی کتب، تفاسیر، علم الحدیث کی پچیس کے قریب کتب، تیس کے قریب تاریخ وسیر کی کتب اور درجن بھر متفرق کتب شامل ہیں جس دور میں علامہ توکلی نے ''سیرت رسول عربی'' کو تالیف کیا اس دور میں اتنی کتب سے استفادہ کرنا اور ان تک رسائی حاصل کرنا بذات خود ایک کارنامہ ہے۔ اس بیان کی صداقت کا اندازہ علامہ توکلی کے ایک معاصر سیرت نگار کی حسرت ویاس سے ہوتا ہے جس کی بناء ابن کثیر کی کتاب ''البدایۃ والنھایۃ'' تک ان کی عدم رسائی بنی۔ مگر علامہ توکلی نے ''سیرت رسول عربی'' میں جا بجا ''البدایۃ والنھایۃ'' سے استفادہ کیا ہے۔ پھر علامہ توکلی کا طریقِ حوالہ دہی سیرت نگاری کے جدید اصولوں کے عین مطابق ہے۔ مثلاً ایک مقام پر رقمطراز ہیں

*جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کو پیدا کیا تو اپنے حبیب پاک کے نور کو ان کی پشت مبارک میں بطور ودیعت

① نور بخش توکلی، سیرت رسول عربی: ص: ، لاہور: مکتبہ حنفیہ، س

رکھا۔۔۔اور ان سے عہد لیا گیا کہ یہ نور انور پاک پشتوں سے پاک رحموں میں منتقل ہوا کرے (زرقانی ج ۱، ص: ۶۵، سیرت النبویہ لدحلان ص ۲۵)* [1]

اس کے چند پیراگراف بعد لکھتے ہیں:

اسی طرح ترمذی میں بسند حسن آیا ہے کہ اللہ تعالی نے خلقت کو پیدا کیا تو مجھ کو ان کے سب سے اچھے گروہ میں بنایا۔ پھر قبیلوں کو چنا تو مجھ کو سب سے اچھے قبیلہ میں بنایا۔ پھر گھروں کو چنا تو مجھے ان سب کے سب سے اچھے گھر میں بنایا۔ پس میں روح و ذات اور اصل کے لحاظ سے ان سب سے خوب ہوں (ترمذی جلد ۲ ص:۲۰۱ برقم ۳۷۵۸، حسن صحیح، مسند احمد، جلد، ۴، ص: ۱۶۵۔۱۶۶، سنن ابن ماجہ، برقم ۱۴۰، دلائل المنبوۃ للبیہقی، ج ۱، ص ۱۶۸، ۱۶۹، مشکوۃ، ص ۵۱۳، المعجم الکبیر جلد ۲۰، ص ۲۸۶) [2]

''سیرت رسول عربی'' کا معاصر کتب سیرت سے موازنہ اس امر کو نمایاں کر دیتا ہے کہ یہ کتاب ہر لحاظ سے اپنی مدِ مقابل کتب سے زیادہ معتبر اور تحقیقی تقاضوں کے عین مطابق ہے بات منہج و اسلوب کی ہو یا پر استدلال مضامین و مآخذ کی سیرت رسول عربی بہر جہت انفرادی حیثیت کی حامل ہے۔اس کی وجہ یقیناً نور بخش توکلی کا گہرا مطالعہ اور مشاہدہ ہے جس کی جھلک ان کی ابحاث سیرت سے نظر آتی ہے۔ ''سیرت رسول عربی'' کو اس قدر فصیح و بلیغ اور تحقیقی معیار بنانے

[1] ایضاً ص: ۴۰
[2] ایضاً ص: ۴۳

میں علامہ توکلی کا وہ تجربہ بھی شامل ہے جو سرکاری اداروں میں تدریسی خدمات کے دوران میں ان کے حصہ میں آیا، اس کے ساتھ ساتھ فنِ تحریر کی وہ ممارست و ملکہ بھی جو انہیں ایک دہائی سے زیادہ ''ماہواری'' مجلہ کی ادارت سے حاصل ہوا ہماری نظر سے اوجھل نہیں ہونا چاہیے۔

مذکورہ بالا حقائق اور جائزہ کی روشنی میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ ''سیرت رسول عربی'' اپنی معاصر کتب پر ہر لحاظ سے فوقیت رکھتی ہے۔ اسے یہ مقام اس کی مذکورہ بالا خصوصیات کی بناء پر حاصل ہوا ہے اور یہی وہ حقیقت ہے جس سے توکلی کی سیرت نگاری کے امتیازات نمایاں طور پر واضح ہو جاتے ہیں۔



چودھواں باب

توکلی رحمۃ اللہ علیہ کی معاصر سیرت نگار پر نقد و جرح کا تحقیقی جائزہ

حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات جلال و جمال الٰہی کا وہ حسین امتزاج ہیں کہ جس کی نظیر کائنات میں نہیں۔ بلکہ جمال کا پہلو اس قدر نمایاں ہے کہ ظہور جلال کے وقت بھی جلوۂ جمال قلب و نظر کو سکون کی تابانیاں عطا کرتا ہے پھر کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت و سیرت کا ذکرِ جمیل ہو اور ذوقِ لطیف روحانی کیف و سرور سے سرشار نہ ہو۔ لائق صد تحسین ہیں وہ سعادت بخت جو ہر وقت زلف و رخِ انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں محو رہتے ہیں۔

دنیا بھر کی مختلف زبانوں میں سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ طیبہ پر اس قدر وافر تحاریر معرضِ وجود میں آچکی ہیں کہ کسی اور شخصیت کی سوانح کو یہ اعزاز کبھی حاصل نہ ہوا ہوگا۔ اردو زبان بھی، جو اپنے اندر ادبی جمالیات کا خزانہ رکھتی ہے، اس معاملے میں تہی دامن نہیں ہے بلکہ سیری تصانیف و تراجم کے قیمتی دفینوں سے اس کا دامن معمور ہے، مگر پھر بھی اس موضوع پر کبھی نہ ختم ہونے والی تشنگی باقی ہے، اور جب تک حیات کا سفر جاری ہے، ہمیشہ باقی رہے گی۔

اردو سیرت نگاری میں علامہ نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ کا اسمِ گرامی بہت قابل قدر ہے۔ انہوں نے اپنی لیاقت اور عطائے ربانی کی بدولت سیرت نگاری میں ایک منفرد

مقام حاصل کیا یہاں تک کہ آج بھی ان کا نام زندہ و جاوید ہے، اپنی خداداد صلاحیتوں کی بدولت آپ کا تحقیقی مزاج اور عمیق مطالعہ کا ذوق آپ کو اصلِ حقائق تک رسائی میں کامل رہنمائی مہیا کرتا ہے۔ سیرت پاک کا موضوع ایسا ہے جس میں ہر آن دامنِ احتیاط کو اپنی گرفت میں رکھنا پڑتا ہے، اپنے ذہنی ابہامات و تشویشات کی یکسر نفی کر کے ذاتی رائے کی بجائے منشائے ذاتِ الٰہی کی جستجو اور تگ و دو کرنا پڑتی ہے۔ اور یہ تب ہی ممکن ہے جب قلب و ذہن حبِ الٰہی اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لبریز ہوں اگر اندھی عقل کی پیروی کی جائے تو وہ ابہام و تشویش اور شکوک و شبہات کی بھول بھلیوں میں الجھا کے رکھ دیتی ہے۔ مگر عشقِ رسول کو اپنا خضرِ راہ بنایا جائے تو منزلِ حقیقت بہت جلد میسر آجاتی ہے۔

علامہ محمد نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ نے جب اس رازِ حیات کو پالیا تو انہوں نے سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لکھنے کی شروعات کیں اور تمام عقدے خود بخود وا ہوتے گئے اور لفظ خود آگے بڑھ کر ان کی نوکِ قلم پر نثار ہوتے گئے۔ اس ضمن میں خود اپنی کیفیت بیان کرتے ہیں کہ

> *عنایت الٰہی اور حضور تاجدارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روحانی مدد شاملِ حال ہوئی پھر کیا بیان کروں، حالات تھے پیارے پیارے، جذبۂ شوق میرے قلم کو کشاں کشاں کہیں سے کہیں لے گیا* (1)

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ جب جذبۂ عشق و محبت صادق ہو تو حضور تاجدارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے روحانی مدد شاملِ حال ہو جاتی ہے۔ علامہ نور بخش

(1) نور بخش توکلی، سیرت رسول عربی، دیباچہ اول ص: ۲۵، لاہور: مکتبہ حنفیہ، س ن

توکلی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہوا اور خوب نوازے گے۔ توکلی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ ان کے سامنے جب بھی ذاتِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں کہیں بھی کوئی شخص تنقیص کرتا نظر آیا آپ مصلحتوں کا شکار ہوئے نہ خاموش تماشائی بنے بیٹھے رہے بلکہ سنتِ حسان ادا کرتے ہوئے فوراً آپ کا قلم حرکت میں آ گیا لہٰذا آپ نے ناموسِ رسالت کا دفاع بھی کیا اور قرآن وحدیث اور معتبر حوالہ جات سے حقیقتِ حال کو واضح بھی کیا۔ اس ضمن میں آپ کے دور میں ایک مقبول سیرت نگار علامہ شبلی نعمانی کا ذکر خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ علامہ شبلی نے سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لکھ کر ادب کی دنیا میں ایک معرکہ آرا کتاب کا اضافہ کیا، اگرچہ یہ کتاب نا تمام رہی اور موت نے انہیں اپنی خواہش اور منصوبے کے مطابق اسے پایہ تکمیل تک پہنچانے کی مہلت نہ دی تاہم ان کی تصانیف کے درمیان اسے ایک ممتاز حیثیت حاصل ہے۔ مصنف کا توانا اسلوبِ بیان، مؤرخانہ شعور وآگہی اور منفرد طرزِ تحریر اس کی ادیبانہ اور انشاء پردازانہ صلاحیتوں کا مظہر اور اس کے قلم کی شگوفہ کاریوں کا مرقع ہے۔

تاہم سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جا بجا ایسی باتیں لکھی گئیں جو تحقیقی نقطہ نگاہ سے اپنے اندر بہت سے سقم لیے ہوئے ہیں جیسا کہ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جلد اول میں مولانا نے غزوہ بدر پر اپنے تبحر علمی کا خوب مظاہرہ کیا مگر افسوس کہ قرآنِ پاک کی صریح آیات کے مطالب کو نہ سمجھ پائے اور نص قطعی کے برعکس اپنی ذاتی رائے کا شکار ہو گئے جس پر علمی حلقے تحیر کا شکار ہوئے۔ اس سلسلہ میں برصغیر پاک وہند میں سب سے پہلے حقیقتِ احوال کا اظہار ان ہی کے شاگرد علامہ محمد نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا اور مثال قائم کر دی کہ جب بات ہو شریعتِ مطہرہ کی یا ناموسِ رسالت کے تحفظ کی تو پھر علمائے حق مصلحتوں کا شکار نہیں ہوتے بلکہ قرآن وسنت کی بالادستی قائم کرنا ہی ان کا مطمعِ نظر ہوتا ہے۔

یہی وجہ تھی کہ جب غزوۂ بدر کے ضمن میں علامہ شبلی نعمانی نے مسخِ حقائق کا ارتکاب کیا تو علامہ توکلی نے انہیں تعمیری نقد و جرح کا ہدف بنایا۔ اس سلسلے میں رقمطراز ہیں

*غزوہ بدر کے مختصر بیان کے بعد یہاں ایک خاص بحث پیش آگئی ہے جسے دیدہ و دانستہ پس انداز کرنا مناسب نہیں اور وہ یہ ہے کہ آیا مدینہ سے مسلمان قافلۂ ابوسفیان سے تعرض کرنے کے لئے نکلے تھے یا فوج قریش سے مقابلہ کے لیے؟ اس بحث میں مولوی علامہ شبلی نعمانی نے سب سے نرالا پہلو اختیار کیا اور یہ دعوی کیا کہ اس بارے میں اب تک تمام مورخین اور اربابِ سیر نے غلطی کھائی ہے لہٰذا ذیل میں احقاق حق کے لئے مولوی صاحب کی عبارت بلفظہٖ نقل کر کے اس کا جواب باصواب دیا جاتا ہے واللہ ھو الھادی الی الصواب *[1]

اس ضمن میں علامہ شبلی رقمطراز ہیں:

*واقعہ یہ ہے کہ حضرمی کے قتل نے تمام مکہ کو جوشِ انتقام سے لبریز کر دیا تھا اور اس سلسلے میں چھوٹی چھوٹی لڑائیاں بھی پیش

---

[1] نور بخش توکلی، رسول کریم میدان جنگ میں، ص ۵۸، لاہور: نوری کتب خانہ، س ن

آگئیں دونوں فریق ایک دوسرے سے پر حذر رہتے تھے جیسا کہ ایسی حالتوں میں عام قاعدہ ہے، غلط خبریں خود بخود مشہور ہو کر پھیل جاتی ہیں۔ اسی اثناء میں ابوسفیان قافلہ تجارت کے ساتھ شام کو گیا اور ابھی شام میں تھا کہ یہ خبر وہاں مشہور ہو گئی کہ مسلمان قافلہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں ابوسفیان نے وہیں سے مکہ کو آدمی دوڑایا کہ قریش کو خبر ہو جائے۔ قریش نے لڑائی کی تیاریاں کر دیں۔ مدینہ منورہ میں یہ مشہور ہوا کہ قریش ایک جمیعت عظیم لے کر مدینہ آرہے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدافعت کا قصد کیا اور بدر کا معرکہ پیش آیا*[1]

اردو اذہان کو پراگندگی سے بچانے اور منشائے الٰہی کے تحفظ کے لیے علامہ شبلی کی اس غلط فہمی کا پول کھولنا اور مدلل انداز میں اس کا رد کرنا انتہائی ضروری تھا۔ اس کارِ خیر کا اولین بیڑا علامہ نور بخش توکلی نے اٹھایا اور اس فراست اور ایمان افروزی سے علامہ شبلی کے خیالِ خام کی تردید کی کہ اردو ذہن کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے نکھار عطا کر دیا۔ آغازِ رد میں ہی واضح فرما دیتے ہیں کہ

*مورخین و اربابِ سیر بلکہ محدثین و مفسرین میں سے بھی کسی نے یہ بیان نہیں کیا کہ

1 شبلی نعمانی، علامہ، سیرت النبی، جلد اول، ص: ۵۰، لاہور: الفیصل ناشران وتاجران کتب، ۱۹۹۱ء

غزوہ بدر کا مقصد کاروانِ تجارت کو لوٹنا تھا وہ سب بالاتفاق یہی کہتے ہیں کہ مسلمان مدینہ منورہ سے محض قافلہ قریش سے تعرض کے لئے نکلے تھے، اسی اثنا میں اتفاقیہ غزوہ بدر پیش آگیا قافلوں سے تعرض کی وجہ یہ ہوئی کہ کفارِ قریش ہجرت کے بعد بھی مسلمانوں کے مذہبی فرائض کی بجا آوری میں مزاحم ہوتے تھے بلکہ دیگر قبائل کو بھی ان کی مخالفت پر برانگیختہ کرتے تھے اس لئے حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف اوقات میں مختلف اغراض کے لئے اپنے اصحاب کی چھوٹی چھوٹی جماعتیں اطرافِ مدینہ میں بھیجنی شروع کیں۔ بلکہ بعض دفعہ خود بھی شرکت فرمائی۔ کہیں دشمن کی نقل و حرکت کی خبر لانے کے لئے، کہیں بعض قبیلوں سے معاہدہ قائم کرنے کے لئے اور کہیں محض مدافعت کے لئے ایسا کیا گیا۔ ہاں ایک غرض یہ بھی تھی کہ قریش کی شامی تجارت کا راستہ بند کر دیا جائے اور یہ وہی بات ہے جس کی دھمکی حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہجرت

کے بعد ابو جہل کو خانہ کعبہ میں یوں دی تھی کہ: اگر تم نے ہم کو طواف کعبہ سے روکا تو ہم تمہارا مدینہ کا راستہ بند کر دیں گے۔ چونکہ قریش بالعموم مسلمانوں کو حج و عمرہ سے روکتے تھے اس لئے مجبوراً مسلمانوں کو ان کے تجارتی قافلوں سے تعرض کرنا پڑا تا کہ مذہبی مداخلت سے باز آجائیں۔ مصنف [علامہ شبلی] کا یہ قول (اس سلسلے میں لڑائیاں بھی پیش آگئیں) ثبوت طلب ہے کیونکہ حضرمی کے قتل کے بعد جنگ بدر سے پہلے مسلمانوں اور کفارِ قریش میں کوئی لڑائی نہیں ہوئی اور اس کا یہ قول (ابو سفیان قافلہ تجارت کے ساتھ شام گیا) بھی درست نہیں کیونکہ ابوسفیان واقعہ حضرمی سے پہلے شام چلا گیا تھا۔ چنانچہ طبقات ابن سعد میں غزوہ ذو العشیر میں تصریح ہے کہ جو قافلہ بچ کے نکل گیا جب وہ شام سے واپس آیا تو مسلمان اسی سے تعرض کے لئے نکلے اور غزوۂ بدر پیش آیا اسی طرح مصنف کا یہ کہنا کہ مدینہ منورہ میں مشہور ہوا کہ قریش ایک جمعیتِ عظیم لے کر مدینہ آرہے ہیں دعوی بلا

دلیل ہے ایسی دعاوی پر بنائے کلام کرنا محقق کی شان سے بعید ہے* [1]

علامہ توکلی کے بعد بھی کئی ناقدین نے علامہ شبلی کی اس ذہنی خود تراشیدگی کو اپنی تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے توکلی کی حقیقت بیانی سے موافقت اختیار کی۔ جیسا کہ ڈاکٹر ظفر احمد صدیقی علی گڑھ یونیورسٹی شعبہ اردو کے استاد اپنی کتاب "مولانا علامہ شبلی نعمانی بحیثیت سیرت نگار" میں لکھتے ہیں:

اس غزوہ (غزوہ بدر) کے سلسلے میں جمہور محدثین اہل سیر اور مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ سے اصلاً قریش کے اس قافلۂ تجارت سے تعرض کے لئے نکلے تھے جو ابو سفیان کی سرکردگی میں شام سے واپس آرہا تھا لیکن ایسے اسباب پیش آئے کہ قافلہ تجارت تو بچ کر نکل گیا اور مسلمانوں کو ناچار مقام بدر میں لشکر سے لڑنا پڑا [2]

جبکہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں کہ

*جن لوگوں کا خیال ہے کہ اس سفر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شروع ہی سے فوجی لشکر کے مقابلے میں نکلے تھے جو مدینے پر از خود اقدام کرتا ہوا چلا آرہا تھا تجارتی قافلے پر حملہ کرنے کی نیت

---

[1] نور بخش توکلی، رسول کریم میدان جنگ میں، ص ٦١

[2] ظفر احمد صدیقی، ڈاکٹر، مولانا شبلی نعمانی بحیثیت سیرت نگار، ص ١٨٥، لاہور: دار النوادر، ٢٠٠٥ء

آپ نے اول سے آخر تک کسی وقت نہیں کی وہ فی الحقیقت اپنے ایک خودساختہ اصول پر تمام ذخیرہ حدیث وسیر اور اشارات قرآنیہ کو قربان کرنا چاہتے ہیں * (۱)

اسی طرح سے ادریس کاندھلوی رقمطراز ہیں:

* کسی علامہ کا یہ خیال کرنا کہ حضور پرنور نے اول سے آخر تک کسی وقت بھی تجارتی قافلے پر حملے کی نہیں کی بلکہ ابتداء ہی سے حضور پر نور نے جو سفر شروع فرمایا قریش کے اس فوجی لشکر کے مقابلے اور دفاع کے لئے تھا جو از خود مدینے پر حملہ کرنے کے لئے اقدام کرتا ہوا چلا آرہا تھا۔ یہ خیال ایک خیال خام ہے۔ جو اپنی ایک مذموم درایت اور خود ساختہ اصول پر مبنی ہے۔ جس پر تمام مذکورہ احادیث نبویہ اور ارشادات قرآنیہ اور رعایات سیرت اور واقعات تاریخیہ کو قربان کرنا چاہتے ہیں * (۲)

علامہ شبلی نعمانی کو خود بھی اپنی اس خیال آرائی کا اعتراف ہے "سیرت النبیؐ" میں لکھتے ہیں کہ "اس فیصلے میں عام مورخین اور اربابِ سیر میرے حریف ومقابل ہیں" (۳) علامہ شبلی کی یہی دیدہ دانستگی تھی جس نے علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ

(۱) شبیر احمد عثمانی، مولانا، مترجم، قرآن مجید مترجم محشی، ص ۲۲۹، دہلی، مدینہ بک ڈپو، س ن
(۲) کاندھولی، محمد ادریس، مولانا، سیرت مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلد ۱، ص: ۶۳۴، لاہور: مکتبہ عثمانیہ، ۱۹۹۲ء
(۳) شبلی نعمانی، سیرت النبی جلد ۱ ص: ۳۴۳

علامہ شبلی کی تخیل بازی کے ایک ایک نکتہ کا محققانہ جائزہ لے کر ان کی کج بحثی اور مغالطہ آمیزی کا بھانڈا پھوڑ دیں۔ لہٰذا اپنے متذکرہ بالا مجموعی بیان کے بعد مغالطہ آمیز بحث کا نکتہ وار مدلل ردّ کرتے ہیں۔

علامہ شبلی نعمانی نے اپنی گفتگو میں بار بار یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ زیرِ بحث مسئلہ میں نصوص قرآنیہ ان کے نقطہ نظر کی مؤید ہیں اور یہ کہ نصِ قرآنی کا معارضہ حدیث، تاریخ اور سیرت کی روایات سے نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ قرآنِ مجید کی جن آیات کو انہوں نے اپنے مدعا کے اثبات کے لئے پیش کیا ہے ان میں صاف اور صریح لفظوں میں اس واقعہ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ دوسری قابل ذکر بات یہ ہے کہ علامہ شبلی نعمانی کا بیان کردہ مفہوم محض ظنی، احتمالی اور قطعیت کی ہر شان سے عاری ہے اور اگر اسے قبول کر لیا جائے تو متعدد احادیثِ صحیحہ اور حقائقِ بلیغہ کا انکار لازم آتا ہے۔

علامہ شبلی نعمانی نے اپنے ادعاء میں سب سے پہلے مندرجہ ذیل آیتِ کریمہ سے استدلال کیا:

﴿كَمَآ اَخۡرَجَكَ رَبُّكَ مِنۡۢ بَيۡتِكَ بِالۡحَـقِّ وَاِنَّ
فَرِيۡقًا مِّنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ لَكٰرِهُوۡنَ ۝ يُجَادِلُوۡنَكَ فِى
الۡحَـقِّ بَعۡدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوۡنَ اِلَى الۡمَوۡتِ وَ
هُمۡ يَنۡظُرُوۡنَ ۝ وَاِذۡ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحۡدَى
الطَّآئِفَتَيۡنِ اَنَّهَا لَـكُمۡ وَتَوَدُّوۡنَ اَنَّ غَيۡرَ ذَاتِ
الشَّوۡكَةِ تَكُوۡنُ لَـكُمۡ وَيُرِيۡدُ اللّٰهُ اَنۡ يُّحِقَّ الۡحَـقَّ
بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقۡطَعَ دَابِرَ الۡـكٰفِرِيۡنَ ۝﴾[1]

---

[1] الانفال: آیت: ۵—۷

"جس طرح تجھ کو تیرے خدا نے تیرے
گھر سے حق پر نکالا درآں حالیکہ مسلمانوں کا
ایک گروہ اس کو پسند نہیں کرتا تھا۔ یہ
لوگ حق کے ظاہر ہوئے پیچھے تجھ سے حق بات
میں جھگڑا کرتے تھے گویا کہ موت کی طرف
ہنکائے جا رہے ہیں اور موت کو آنکھوں سے دیکھ
رہے ہیں اور جبکہ خدا تم سے یہ وعدہ کرتا تھا
کہ دو جماعتوں میں سے کوئی جماعت تم کو
ہاتھ آئے گی اور تم یہ چاہتے تھے کہ بے کھٹکے والی
جماعت تم کو ہاتھ آئے اور اللہ تعالیٰ یہ
چاہتا تھا کہ حق کو اپنی باتوں سے قائم کر دے
اور کافروں کی جڑ کاٹ دے"

یہ تین آیات ہیں جنہیں علامہ شبلی نعمانی نے ایک آیت سمجھا اور اس سے اپنی فہم کے مطابق چار دلائل اخذ کیے۔ اس کے بعد نکتہ وار اپنی کج بحثی کا آغاز کیا۔ علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا رد بھی نکتہ وار ہی کیا ہے تا کہ علامہ شبلی نعمانی کی مغالطہ بازی اور مبالغہ آرائی کا بیک وقت ازالہ ہوتا جائے۔ لہٰذا علامہ شبلی اپنے منصوبہ کے تحت کہتے ہیں کہ

علامہ شبلی نعمانی کی پہلی دلیل

* (۱) ترکیب نحوی کی رُو سے ﴿وَاِنَّ﴾ میں جو واؤ ہے،
حالیہ ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ مسلمانوں کا
ایک گروہ جو لڑائی سے جی چراتا ہے۔ یہ موقع
عین وہ موقع ہے جب آپ مدینہ سے نکل

رہے تھے نہ کہ مدینہ سے نکل کر جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے بڑھے کیونکہ واؤ حالیہ کے لحاظ سے خروج من البیت اور اس کے گروہ کے جی چرانے کا وقت اور زمانہ ایک ہی ہونا چاہیے*[1]

پہلی دلیل کا ردِ بلیغ

علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ کمالِ تحقیق سے علامہ شبلی نعمانی کی اس غلط فہمی کا ردّ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

*﴿وَاِنَّ﴾ میں واؤ بے شک حالیہ ہے اور یہ جملہ کاف اَخْرَجَكَ سے حال میں واقع ہوا ہے مگر اس سے یہ ضروری نہیں کہ خروج من البیت اور اس گروہ کے جی چرانے کا زمانہ ایک ہی ہو ہم ذرا اس کی تشریح کر دیتے ہیں۔ ''ھدایۃ النحو'' میں ہے

اَلْحَالُ لَفْظٌ يَدُلُّ عَلَى بَيَانِ هَيْئَةِ الْفَاعِلِ أَوِ الْمَفْعُوْلِ بِهِ أَوْ كِلَيْهِمَا یعنی حال وہ لفظ ہے جو فاعل یا مفعول بہ یا ہر دو کی ہیئت کے بیان پر دلالت کرے۔ ''ہدایۃ النحو'' کی شرح ''درایۃ النحو'' میں اس کے متعلق یوں لکھا ہے

*ثُمَّ الْمُرَادُ بِالْهَيْئَةِ هٰهُنَا الْحَالَةُ وَهِيَ أَعَمُّ مِنْ أَنْ تَكُوْنَ حَقِيْقَةً أَوْ مُقَدَّرَةً نَحْوُ قَوْلِهِ تَعَالَى:

[1] سیرۃ النبی: ج:۱، ص:۲۱۱

فَادْخُلُوهَا خَالِدِيْنَ أَيْ مُقَدِّرِيْنَ الْخُلُود وَيُسَمَّى الْأَوَّل حَالاً مُحَقَّقَةً وَالثَّانِي حَالاً مُقَدَّرَةً*

ترجمہ: پھر ہیئت سے مراد یہاں حالت عام ہے اس سے کہ حقیقیہ ہو یا مقدرہ جیسا کہ اللہ تعالی کا قول ہے فادخلوھا خالدین یعنی تمھارے لیے خلود مقدرہ ہے پہلی قسم کو حالِ محققہ اور دوسری کو حالِ مقدرۃ کہتے ہیں۔ انتہیٰ۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہاں حال کس قسم کا ہے مقدرہ یا محققہ علمائے کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ یہاں حال مقدرہ ہے چنانچہ علامہ آلوسی روح المعانی میں فرماتے ہیں:

(وَإِنَّ فَرِيْقاً مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكَارِهُوْنَ) والجملة فی موضع الحال وهی حال مقدرة لأن الكراهة وقعت بعد الخروج كما ستراه إن شاء الله تعالى أو يعتبر ذلك ممتدا*

یعنی: یہ جملہ حال کی جگہ ہے اور یہ حال مقدرہ ہے کیونکہ کراہت خروج کے بعد واقع ہوتی ہے جیسا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ تو عنقریب اسے دیکھے گا یا اسے ممتد اعتبار کیا جائے۔

مطلب یہ ہے کہ اس کو حال مقدرہ سمجھنا چاہئے یا اس کے لیے زمان وسیع خیال کرنا چاہیے جس کے بعض اجزاء میں کراہت اور بعض میں خروج واقع ہے۔ تفسیر جلالین کے

حاشیہ جمل میں ہے:

فقوله: ﴿وَاِنَّ فَرِيْقاً......﴾ حال مقدرة لما علمت أن الكراهة لم يقارن الخروج یعنی یہ حال مقدرہ ہے کیونکہ کراہت خروج کے ساتھ واقع نہیں ہوئی جیسا کہ تجھے معلوم ہے۔ انتہی

ہمارے اس قول کی تائید مورخین و اربابِ سیر اور تمام محدثین و مفسرین کررہے ہیں......

اب قارئین خود انصاف کریں کہ ان حالات میں علامہ شبلی بیچارے کی رائے محض کیا وقعت رکھ سکتی ہے*[1]

دوسری دلیل

علامہ شبلی نعمانی اپنی دوسری دلیل کو یوں بیان کرتے ہیں:

*(۲) آیتِ مذکور میں بہ تصریح مذکور ہے کہ یہ جس وقت کا واقعہ ہے اس وقت دو گروہ سامنے تھے۔ ایک کاروانِ تجارت اور ایک قریش کی فوج جو مکہ سے آرہی تھی، اربابِ سیرت کہتے ہیں کہ آیت قرآنی میں یہ اس وقت کا واقعہ مذکور ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدر کے قریب پہنچ چکے تھے، لیکن بدر کے قریب پہنچ کر تو کاروانِ تجارت صحیح سلامت بچ کر نکل گیا تھا،

---

[1] رسولِ کریم میدانِ جنگ میں: ص:۶۵—۶۷

اس وقت یہ کیونکر صحیح ہوسکتا ہے کہ "دونوں میں سے ایک کا وعدہ ہے"، اس لیے یہ بالکل ظاہر ہے کہ قرآنِ مجید کی نص کے مطابق یہ واقعہ اس وقت کا ہونا چاہیے جب دونوں گروہ کے ہاتھ آنے کا احتمال ہوسکتا ہو۔ اور یہ صرف وہ وقت ہوسکتا ہے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ میں تھے اور دونوں طرف کی خبریں آگئی تھیں کہ اُدھر ابوسفیان کاروانِ تجارت لے کر چلا ہے اور ادھر قریش جنگ کے سروسامان کے ساتھ مکّہ سے نکل چکے تھے* [1]

دوسری دلیل کا ردِ بلیغ

علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ علامہ شبلی نعمانی کی دوسری دلیل کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

*مصنف نے تین آیتیں نقل کی ہیں جنہیں وہ ایک آیت خیال کر رہا ہے مگر حقیقت میں یہاں تیسری آیت معرضِ بحث میں ہے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ دونوں میں سے ایک کا وعدہ اللہ تعالی نے اس وقت کیا جب کہ دونوں گروہ کے ہاتھ آنے کا احتمال و

[1] سیرت النبی: ص: ۲۱۱—۲۱۲

امکان تھا، مگر یہ کہنا کہ یہ صرف وہ وقت ہوسکتا ہے الخ درست نہیں۔ بظاہر مصنف نے ﴿وَ اِذْ یَعِدُکُمْ﴾ کی واوَ سے مغالطہ کھایا ہے اور یہ سمجھا ہے کہ وقتِ خروج اور وقتِ وعدہ ایک ہی ہیں، حالانکہ یہ غلط ہے کیونکہ ﴿اِذْ﴾ ظرف ہے فعل مضمر اُذْکُرُوْا کا نہ کہ ﴿اَخْرَجَكَ﴾ کا۔ ایک لمحہ کے لئے آیاتِ لاحقہ ﴿اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّكَ...... الآیۃ﴾ ﴿اِذْ یُغَشِّیْكُمُ النُّعَاسَ...... الایۃ﴾ پر بھی نظر ڈالو۔ ان آیتوں میں ﴿اِذْ﴾ بدل ہے ﴿اِذْیَعِدُکُمْ﴾ سے۔ مصنف کے قول کے مطابق وعدہ، استغاثہ مسلمین، نیند کا طاری ہونا اور مینہ کا برسنا یہ سب مدینہ ہی میں ہونا چاہیے۔ ھذا کما تریٰ مورخین و محدثین کے نزدیک حضرت جبریل علیہ السلام دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ وادیِ ذفران میں لائے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرام سے استمزاج فرمایا۔ اس وقت بے شک دونوں گروہ کے ہاتھ آنے کا امکان تھا۔ غور کرو وعدہ کرنے والا قادر مطلق ہو اور مولوی علامہ شبلی امکان و

احتمال میں کلام کریں...... اب آیت زیر بحث کے معنی بھی سن لو۔ یہاں واؤ استیناف کے لیے ہے جیسا کہ اہلِ علم کو معلوم ہے۔ اِذْ فعل ماضی پر داخل ہوا کرتا ہے مگر یہاں ماضیہ کی حکایت کے لیے صیغۂ مضارع استعمال ہوا ہے۔ پس اس کے معنی یوں ہوئے: "اے مومنو! یاد کرو وہ وقت کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے دو گروہ میں سے ایک کا وعدہ کیا کہ یہ تمہارے واسطے ہے اور تم نے دوست رکھا کہ بن شدت والا تمہارے واسطے ہو اور اللہ نے چاہا کہ اپنے کلاموں سے سچ کو سچّا کرے اور کافروں کا پیچھا کاٹ دے"۔ بیانِ بالا سے مصنف کی قرآن فہمی اور نحودانی کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے*[1]

تیسری دلیل

علامہ شبلی نعمانی اپنی تیسری دلیل دیتے ہوئے رقمطراز ہیں:

*(۳) سب سے زیادہ قابل لحاظ یہ امر ہے کہ قرآن مجید کی آیتِ مذکورۂ بالا میں کفار کے دو فریق کا خدا تعالیٰ نے بیان کیا ہے: ایک قافلۂ تجارت اور دوسرا صاحبِ شوکت یعنی کفار قریش جو مکہ سے

[1] رسولِ کریم میدانِ جنگ میں: ص: ۶۷—۶۸

لڑنے کے لیے آرہے تھے آیت میں تصریح
ہے کہ مسلمانوں میں ایک جماعت ایسی تھی
جو چاہتی تھی کہ کاروانِ تجارت پر حملہ کیا
جائے۔ خدا تعالی نے ان لوگوں پر ناراضی ظاہر
کی اور فرمایا: ﴿وَ تَوَدُّوْنَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ
تَكُوْنُ لَكُمْ......﴾
ایک طرف تو وہ لوگ ہیں جو قافلۂ
تجارت پر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ دوسری
طرف خدا ہے جو چاہتا ہے کہ حق کو قائم
کردے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے۔ اب
سوال یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان دو میں سے
کس کے ساتھ ہیں؟ عام روایتوں کے مطابق
اس سوال کا کیا جواب ہوگا۔ میں اس تصوّر
سے کانپ اٹھتا ہوں* [1]

تیسری دلیل کا ردِ بلیغ

علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ علامہ شبلی نعمانی کی تیسری دلیل کا بطلان بھی بڑے عمدہ طریقہ
سے کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں

*مصنف کے اعتراض کا ماحاصل یہ ہے
کہ آیتِ مذکورہ میں کفار کے دو فریق
(قافلۂ تجارت اور فوجِ قریش) کا ذکر

[1] سیرت النبی، ج:۱، ص: ۳۱۲

ہے اور یہ بھی تصریح ہے کہ مسلمانوں کی ایک جماعت قافلۂ تجارت پر حملہ کرنا پسند کرتی تھی مگر خدا چاہتا ہے کہ فوجِ قریش کو شکست ہو۔ لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ سے قافلۂ تجارت پر حملہ کرنے کیلئے نکلے تو نعوذ باللہ آپ نے اللہ تعالی کی مرضی کے خلاف کیا مگر ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ وعدہ زیرِ بحث مدینہ منورہ میں نہ ہوا تھا۔ وعدہ مذکورہ اور قافلۂ تجارت پر حملہ کی خواہش کا وقت اور مدینہ منورہ سے خروج کا وقت ایک نہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید سے ظاہر ہے ﴿وَاِذْ یَعِدُ کُمُ اللهُ (الآیة)﴾ کلام مستانف ہے اس کو اَخْرَجَكَ سے کوئی ربط نہیں۔

پس اربابِ سیر و محدثین درست فرماتے ہیں کہ وادیِ ذفران میں وعدۂ ﴿اِحْدَی الطَّآئِفَتَیْنِ﴾ ہوا اس کے بعد حضور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے اصحاب سے استمزاج فرمایا۔ بے شبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہی چاہتے تھے جو اللہ تعالی چاہتا تھا۔ چنانچہ جب مہاجرین میں سے

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ نے جنگ پر پوری آمادگی ظاہر فرمائی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت خوش ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی طرح انصار میں سے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی تقریرِ پُر تاثیر حضورِ انور بابی و امی نہایت خوش ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان تقریروں سے خوش ہونا اور فوجِ کفار کی شکست کی بشارت دینا صاف بتا رہا ہے کہ آپ بھی فوجِ قریش کا مقابلہ چاہتے تھے اور مسلمانوں کی فوج کا اکثر حصہ بھی یہی چاہتا تھا۔ ہاں ایک قلیل جماعت تھی جو بوجہ بے سروسامانی بتقضائے طبع بشری فوج کفار کے مقابلہ سے ہچکچاتی تھی * [1]

چوتھی دلیل

علامہ شبلی نعمانی مذکورہ بالا سورہ انفال کی آیاتِ کریمہ سے متخرج چوتھی دلیل پیش کرتے ہیں:

* (۴) اب واقعہ کی نوعیت پر غور کرو۔ واقعہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ سے اس سروسامان کے ساتھ نکل رہے ہیں کہ تین سو سے زیادہ جانباز مہاجر اور انصار ساتھ

---

[1] رسولِ کریم میدانِ جنگ میں: ص: ۶۸—۶۹

ہیں ان میں فاتح خیبر اور حضرت سید الشہدا امیر حمزہ بھی ہیں جن میں سے ہر ایک بجائے خود ایک لشکر ہے باوجود اس کے (جیسا کہ قرآنِ مجید میں بہ تصریح مذکور ہے) ڈر کے مارے بہت سے صحابہ کا دل بیٹھا جاتا ہے اور ان کو نظر آتا ہے کوئی ان کو موت کے منہ میں لیے جاتا ہے۔ قرآنِ مجید میں مذکور ہے:﴿وَ اِنَّ فَرِیْقاً...الآیۃ الخ﴾ اگر صرف قافلۂ تجارت پر حملہ کرنا مقصود ہوتا تو یہ خوف، یہ اضطراب، یہ پہلو تہی کس بنا پر تھی...... یہ قطعی دلیل ہے کہ مدینہ ہی میں یہ خبر آگئی تھی کہ قریش مکہ سے جمعیتِ عظیم لے کر مدینہ پر آرہے ہیں*[1]

چوتھی دلیل کا ردِ بلیغ

علامہ شبلی نعمانی کی چوتھی دلیل جسے انہوں نے قطعی کہا ہے، علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تردید میں فرماتے ہیں:

*یہ پہلے ثابت ہو چکا ہے کہ ﴿وَ اِنَّ فَرِیْقاً مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ لَکٰرِھُوْنَ﴾ حال مقدرہ ہے یہ کراہت ومجادلہ مدینہ منورہ میں پیش نہیں آیا پس مصنف کی تمام خامہ فرسائی بے سود ہے۔ مسلمان جس سروسامان سے

[1] شبلی نعمانی، سیرت النبی جلد ا،ص ۳۴۵

مدینہ منورہ سے نکلے اس کا ذکر عنقریب آتا ہے۔ یہ کہنا (کہ مدینہ ہی میں یہ خبر آگئی تھی کہ قریش مکہ سے جمعیتِ عظیم لے کر مدینہ منورہ پر آرہے ہیں) بالکل غلط ہے۔ اس کا کوئی ثبوت نہیں*[1]

استکمالِ حجت

یہاں تک ردِ علامہ شبلی نعمانی کے بعد اب علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ استکمالِ حجت کی خاطر اہلِ ایمان کے موقف کی تائید میں غزوۂ بدر سے براہِ راست متعلق ایک آیتِ قرآنی کا حوالہ دیتے ہیں

﴿اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَ هُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَ الرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ؕ وَ لَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ ۙ وَ لٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۬﴾[2]

[جب تم تھے ورے کے ناکے پر اور وہ پرے کے ناکے اور قافلہ نیچے اتر گیا تم سے اور اگر آپس میں تم وعدے کرتے تو نہ پہنچتے وعدے پر، لیکن اللہ تعالیٰ کو کر ڈالنا ایک کام کا جو ہو چکا تھا۔ (ترجمہ شاہ عبدالقادر)][3]

علامہ شبلی نعمانی نے بھی اس آیت کا حوالہ دیا ہے مگر غلط ترجمہ کر کے حقائق کو مسخ کر دیا، مثلاً خصوصاً آیت کے اس حصے کا ترجمہ کیا ہے: وَ لَوْ تَوَاعَدْتُّمْ

---

[1] رسولِ کریم میدانِ جنگ میں: ص:۶۹

[2] الانفال: ۴۲

[3] رسولِ کریم میدان جنگ میں، ص:۶۹

لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ﴾ [اگر تم ایک دوسرے سے وقت مقرر کر کے آتے تو وقت میں اختلاف ہو جاتا] جبکہ بقول توکلی رحمۃ اللہ علیہ: ''کسی بھی لغت یا تفسیر کو اٹھا کر دیکھیے تَوَاعَدَ کے معنی ہیں ایک دوسرے سے وعدہ کرنا، اسی طرح الْمِيْعٰد کے معنی وقت کے نہیں۔ قرآنِ کریم کے معنی میں رائے زنی سے اللہ تعالیٰ بچائے''[1] لہٰذا علامہ شبلی کی تمسیخِ حقائق کا پردہ چاک کرنے اور توضیحِ احوال کے لیے توکلی رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ آیت کی تفسیر کے متعلق مواہب لدنیہ، تفسیرِ بیضاوی اور حاشیہ شیخ زادہ علی البیضاوی سے علمائے حق کے اقوال بطور استدلال نقل کرتے ہیں۔ ان سب اقوال کا خلاصہ محی الدین شیخ زادہ رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی خوبی سے کیا ہے کہ

*ترجمہ: قَوْلُهٗ: ﴿اخْتَلَفْتُمْ﴾ یعنی تم ایک دوسرے کی مخالفت کرتے اور ان کی کثرت اور اپنی قلت کے سبب فوجِ قریش سے پیچھے رہ جانے کا ارادہ کرتے، مگر اللہ تعالیٰ نے تم کو وعدے بغیر جمع کر دیا تاکہ وہ بات پوری کر دے جو اس کے علم و حکم میں ہو چکی ہے یا ہونے والی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے دونوں فریقوں میں لڑائی ہونے کے لیے عجب تدبیر کی بدیں طور کہ مومنوں کو قافلہ کے آنے کی خبر دی یہاں تک کہ وہ (مدینہ منورہ سے) نکلے اور کفار کو مسلمانوں کے نکلنے کی خبر سننے سے بے چین کر دیا تاکہ وہ لڑائی کے لیے نکلیں اور اسباب پیدا

[1] ایضاً، ص: ۷۰

کردیئے یہاں تک کہ لڑائی کے لئے جمع ہو گئے اور
اللہ تعالی نے اپنی مدد سے مسلمانوں کی تائید کی
بدیں طور کہ ان کے دل مضبوط کردیئے اور ان کو تقویت دی
اور ان سے اضطراب وشبہ دور کردیا اور کافروں
کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور فرشتے اور
بارش اتار کر اور کئی قسم کی مہربانیوں سے ان کی مدد کی اور
یہ بطور خارق عادت کیا تاکہ حق کو ظاہر
کردے اور کافروں کا پیچھا کاٹ دے*[1]

علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ تاکیداً مزید لکھتے ہیں کہ: ''تمام علماء نے اس آیت کے یہی معنی بیان کئے ہیں حتی کہ صحابہ کرام بھی یہی معنی سمجھے ہیں''[2]

اس وضاحت کے بعد توکلی رحمۃ اللہ علیہ علامہ شبلی کے پانچویں نکتہ کی طرف توجہ کرتے ہیں جس میں انہوں نے اپنے مغالطہ کو دو چند کرتے ہوئے سورۂ نساء کی آیت نمبر ۱۳ کے بارے میں غلط حوالہ دہی کرتے ہوئے لکھ دیا کہ: ''چنانچہ صحیح بخاری میں تفسیر سورۃ انفال میں تصریحاً مذکور ہے''[3] علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے پہلے علامہ شبلی نعمانی کے بیانِ مغلوط کی نشاندہی کی اور صحیح حوالہ کے ساتھ بحث کرتے ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے قول سے اس آیتِ کریمہ کی درست شانِ نزول بیان کر کے علامہ شبلی نعمانی کے استدلال کا کامیاب بطلان کیا۔ اسی نہج پر چلتے ہوئے علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ شبلی نعمانی کے چھٹے نکتہ پر موصوف کی خیال آرائی اور اس کے بعد احادیث سے بداستدلالی کا بڑی عمدگی اور منہجیت کے ساتھ ردِ بلیغ کر کے غزوۂ بدر کی بابت اپنے اور

[1] ایضاً، ص: ۷۱—۷۲
[2] ایضاً، ص: ۷۲

پوری امتِ مسلمہ کے موقف کو قرآن وسنت کی روشنی میں واضح کر دیا۔

اطرافِ بحث کا ماحصل

غزوہ بدر کے سلسلے میں مولانا علامہ شبلی کے موقف کی کمزوری اوران کے ضعفِ استدلال کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ واقعات کی تعبیر کے سلسلے میں انہوں نے صریح روایات سے مکمل طور پر صرفِ نظر کر لیا اور محض قیاس کی بنیاد پر واقعہ کی ایک شکل فرض کر لی ہے جس کا حقیقت سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے۔اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ احادیث وسیر کے ذخیرے سے وہ کمزور سے کمزور ایک روایت بھی ایسی نہیں پیش کر سکے جس میں صاف اور صریح الفاظ میں یہ تذکرہ ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ سے قافلہ ابوسفیان پر حملے کے ارادے سے نہیں نکلے تھے بلکہ قریش کے مدینہ منورہ پر حملہ آور ہونے کے سبب ان کے خلاف دفاع کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مجبوراً نکلنا پڑا تھا۔توجہ طلب بات یہ بھی ہے کہ جب عہد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چھوٹے چھوٹے سرایا اور غزوات کی جزئیات وتفصیلات کتب سیرت میں محفوظ ہیں تو غزوۂ بدر جو حق وباطل کے درمیان پہلا فیصلہ کن عظیم الشان معرکہ ہے اس کے متعلق اربابِ سیر اور محدثین کو ذہول کیونکر ہو سکتا ہے اور کیا کوئی بھی صاحب عقل وہوش یہ باور کر سکتا ہے کہ خود صحابہ کرام اور تابعین عظام بھی اصل واقعہ کو بھول گئے اور پھر ان مقدس ہستیوں نے اپنے طرف سے ایک صورت واقعہ تراش لی جو احادیث وسیرت کی تمام کتابوں میں محفوظ ہو گئی۔ پھر ستم بالائے ستم یہ کہ ہزار بارہ سو سال تک کسی کو نہ سوجھا کہ اس غلطی کی تصحیح کر دے۔ حقیقت یہ ہے کہ علامہ شبلی نے محدثین وارباب سیر اور مفسرین ومحققینِ اسلام سے اپنی محض نام نہاد عقلیت پرستی کے تحت تفریق اختیار کی۔

○ ○ ○

پندرھواں باب

محمد نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ بحیثیت سیرت نگار مختصر جائزہ

اسلامی ادبیات کے سدابہار موضوعات میں سے ایک سیرت نگاری ہے جس کا آغاز پہلی صدی ہجری میں ہوا اور پھر اس کی ارتقائی منازل گذشتہ چودہ صدیوں میں مختلف موضوعات اور متنوع عناوین کے ساتھ لاتعداد کتب اور مخطوطات کی صورت میں منصۂ شہود پر وجود پذیر ہوئیں جن کے مطالعہ سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ مسلمانوں نے سیرت کے اس تصنیفی و تحقیقی میدان میں کیسے کیسے گلہائے عقیدت بارگاہ رسالت میں پیش کئے ہیں۔ تاریخ انسانی اور میدان سوانح میں اللہ کے محبوب کی ذات بابرکات کے سوا ایسی کوئی دوسری شخصیت نہیں ہے جس کی ولادت سے وفات تک کے عرصہ حیات کی مکمل تفصیلات کو اس کی تمام تر جزئیات کے ساتھ تحقیقی مزاج اور جامع اسلوب میں سپرد قلم کر کے محفوظ کیا گیا ہو۔ عالمی کتابیات کو ایک نظر دیکھنے سے یہ حیرت انگیز انکشاف بھی ہوتا ہے کہ حضور سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ پر لاتعداد کتابیں مسلمانوں نے اپنی محبت و عقیدت کے اظہار کے لئے تالیف کی ہیں تو مختلف زبانوں میں ہزاروں کی تعداد میں غیر مسلم بالخصوص مستشرقین نے ایک مخصوص معاندانہ روش کے تحت لکھی ہیں اور ان میں معدودے چند ایسے بھی

ہیں جنہوں نے انصاف اور غیر جانبداری کا مظاہرہ کیا۔

سیرت نگاری اپنے فن اور لوازم کے اعتبار سے پل صراط پر چلنے کا نام ہے۔ عقیدت خانۂ سیرت میں گزشتہ چودہ صدیوں میں رنگا رنگ اور بوقلموں تصانیف لکھی گئی ہیں اور ان میں سینکڑوں کتابیں امتداد زمانہ اور علمی سفاکیوں کے باوجود اپنا ایک خاص علمی و تحقیقی مقام رکھتی ہیں۔ ذخیرہ سیرت کی اس فراوانی کے باوجود اس موضوع پر ہر لحاظ سے دادِ تحقیق دینے کی گنجائش ہے اور یہ سلسلہ تا ابد جاری رہے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سوانح حیات اور سیرت نگاری اعزاز حیات بھی ہے اور سرمایہ رحمت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی۔ سیرت نگار جانتا ہے کہ اگر ذات مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مہربان ہو گی تو خالق رب ذوالجلال کی رحمتیں از خود اپنا مقدر بن جائیں گی۔ سیرت نگاری کا جو سلسلہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے شروع ہوا تابعین اور تبع تابعین نے اس مقدس مشن کو آگے بڑھایا پھر محدثین عظام اور آئمہ کرام نے اس سلسلہ کے لئے جس قدر ضوبار اور تاریخ ساز جدوجہد کی وہ اپنی مثال آپ ہے۔ امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام بخاری، امام مسلم، ابن ماجہ، امام ترمذی، امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ جیسی نابغہ روزگار ہستیوں کے کارنامے اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہیں ان حضرات کے جمع کردہ احادیث کے مجموعات ہی وہ اصل ماخذ ہیں جن سے باقاعدہ سیرت نگاری کی بنیاد پڑی۔

اس ضمن میں ایک بہت بڑا نام امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جن کی کتاب "الخصائص الکبری" نے آنے والے ادوار کا رخ موڑ دیا، آج جبکہ ہم عہد حاضر کے انتہائی محققانہ ماحول میں داخل ہو چکے ہیں تو بھی علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ بلند روشن مینار کی طرح عظیم اور معتبر ماخذ کی صورت میں روشنی پھیلاتے نظر آتے ہیں۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے تقریباً نصف صدی بعد ابھرنے والا ایک بڑا نام شیخ محقق عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے جو سوانح اور سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالہ سے

''مدارج النبوۃ'' جیسا لازوال شہپارہ امت اسلام کو دے گئے۔ بعض سیرت نگاروں نے فقط معجزات پر اکتفاء کیا بعض نے غزوات نبوی کو موضوع بنائے رکھا۔ بعض نے فقط میلاد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا۔ بعض فقط جمال مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجلیات میں گم رہے بعض نے اپنے کاروانِ تحقیق کو آگے بڑھاتے ہوئے نئے نئے موضوعات پر خامہ فرسائی کی۔ عنوانات الگ الگ سہی مگر یہ امر طے ہے کہ سب کے سب ماہتاب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جلوؤں میں گم تھے جس کو جو پہلو قریب تر نظر آیا، اسی پر لکھ ڈالا۔ ان تمام کاوشوں کی بدولت سیرتِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جواہرِ آبدار مختلف لڑیوں میں نظم ہو کر اپنی بہار دکھا رہے ہیں۔

انیسویں صدی عیسوی میں مسلمانانِ برصغیر نے سیرت نگاری کا خصوصی اہتمام کیا جس کے نتیجہ میں علامہ شبلی نعمانی نے سیرت النبی رقم کرنے کیلئے ایک بڑے ادارے کی داغ بیل ڈالی مگر ابھی ابتداء ہی میں تھے کہ پیام اجل آ گیا اور باقی کام سید سلیمان ندوی نے مکمل کیا۔ تاہم علامہ شبلی نعمانی نے جس طرزِ سیرت نگاری کا آغاز کیا تھا مابعد سیرت نگاروں نے اسے مزید ترقی دی یہاں تک موضوعاتی تنوع کے وہ گلستان کھل اٹھے جن کی بہاریں معاشرتی، سیاسی، معاشی، قومی، مذہبی، کلامی و عقیداتی مباحث کے پھولوں سے آباد تھیں۔ اس سے کتب سیرت کی ضخامت میں بھی اضافہ ہوا اور تعداد میں بھی۔

تاہم بیسویں صدی کے درمیانی عشروں میں ضرورت محسوس ہوئی کہ سیرتِ طیبہ پر کوئی ایسی کتاب حیطۂ تحریر میں آئے جو مختصر بھی ہو اور جامع بھی، موضوعاتی تنوع کی بھی حامل ہو اور تقاضاہائے فن کو بھی شامل۔ بالفاظِ دیگر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایسی سوانح عمری ہو جو زمانہ قبل از نبوت کے حالات بھی بیان کرتی ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان اقدس، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات زندگی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

ازواج مطہرات، اور آپ کی آلِ پاک اور دوسری متعلقہ شخصیات پر بھی بھر پور اور جامع بحث کرتی ہو اور حضور کے ان خصائص، معجزات، اور لافانی کمالات کا ذکر کرتی ہو جن کے مآخذ خود قرآن کریم اور احادیث نبویہ ہیں۔ دشمنانِ اسلام اور حاسدینِ رسولِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعتراضات کا جواب بھی دیتی ہو، جس میں حقائق اور صداقتوں کی بالاتری بھی ہو اور عشق مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہار آفرینی بھی، جس کی زبان سادہ ہو لہجہ عام فہم ہو۔ جس سے نہ صرف یونیورسٹیوں کے سکالرز فائدہ اٹھا سکیں بلکہ طلباء اور عوام الناس بھی مستفید و مستفیض ہو سکیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہ توفیق برصغیر کے عظیم سکالر، نامور ادیب، تجربہ کار ماہر تعلیم اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عاشق صادق علامہ پروفیسر محمد نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ کو عطا کی۔ جنہوں نے ''سیرت رسول عربی'' جیسی نادر روزگار تصنیف پیش کی۔ نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرد درویش تھے، طبیعت میں انتہائی سادگی اور بود و باش انتہائی سادہ دیکھنے والا یقین ہی نہیں کرتا تھا کہ یہی ہیں علامہ محمد نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ جن کے علم و فضل کا شہرہ برصغیر میں پھیلا ہے اور زمانہ ان کی مصنفانہ صلاحیتوں کو تسلیم کر چکا ہے۔ آپ عوام الناس میں چلتے یا کسی جگہ بیٹھے ہوتے تو اپنی بلند و بالا شخصیت اور فکری ناموری کا احساس تک نہ ہونے دیتے۔ یہ الگ بات ہے کہ جس طرح مشک گلاب تمام پھولوں سے ابھر کر اپنا وجود منوا لیتی ہے اسی طرح آپ کی انتہا درجے کی سادگی کے باوجود لوگ آپ کے تبحر علمی سے آپ کو پہچان لیتے تھے۔

علامہ محمد نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا ایک نظر جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ ان کی مکمل زندگی درس و تدریس اور علمی تحقیق و جستجو میں گزری ان کے روز و شب کا یہ معمول تھا کہ کبھی مطالعہ کر رہے ہیں تو کبھی تدریس میں مشغول عمل ہیں اور ساعات آمدہ میں قلم و قرطاس سے جڑے نظر آتے ہیں۔ عشق

مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی رگ رگ میں سما چکا تھا۔ علامہ نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ نے بحیثیت استاد، بحیثیت ماہر تعلیم، بحیثیت ناظم تعلیم، بحیثیت منتظم، بحیثیت پروفیسر، بحیثیت کہنہ مشق صحافی، بحیثیت سحر انگیز مقرر، بحیثیت ادیب، بحیثیت مصنف بہت کامیاب و مصروف زندگی گزاری مگر بحیثیت سیرت نگار انہیں جو انعام و اکرام حاصل ہوا وہ ان کے لئے دنیا میں سرمایہ افتخار اور آخرت میں ذریعہ نجات بنا۔

علامہ محمد نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ کے مباحثِ سیرت کو پڑھنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ آپ ایک عظیم محقق تھے۔ ''سیرت رسول عربی'' کے آٹھویں باب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل و خصائل بیان کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک سو پچیس خصائلِ حمیدہ بیان کیے ہیں اور قرآن پاک سے پندرہ ایسی مثالیں پیش کی ہیں کہ کفار نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اعتراض کیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا۔ اسی طرح سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات کو بیان کرتے ہوئے انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عظیم ترین معجزہ قرآن پاک پر تفصیلی گفتگو کی ہے اور اعجاز قرآن کی چار وجوہ شرح و بسط کے ساتھ بیان کی ہیں۔ اسی رنگ میں جب آپ اخبار غیبیہ کو، جن کا تعلق گزشتہ اور آئندہ امور سے ہے، بیان کرتے ہیں تو قرآن پاک سے استدلال لاتے ہوئے چالیس پیشگوئیاں ذکر کرتے ہیں جو قرآن پاک میں بیان کی گئی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ایک عظیم محقق و مفکر قرآن بھی تھے۔

''سیرت رسول عربی'' کے جائزہ سے یہ عقدہ کھلتا ہے کہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے تدریسی خدمات سے سبکدوشی کے بعد تالیف کیا تھا۔ اس وقت تک آپ ایک کہنہ مشق محقق اور کتب بینی اور وسیع مطالعہ کے باعث علمی لحاظ سے بہت مضبوط اور تجربہ کار ہو چکے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ فاضل مصنف جب تقابل ادیان پر بات کرتے ہیں تو یہ بات ورطہ حیرت میں ڈالتی ہے کہ جناب توکلی رحمۃ اللہ علیہ کو دیگر ادیان کی تاریخ و

کتب پر اس قدر عبور حاصل تھا کہ معترضین اور مخالفین اسلام کو ایسے دندان شکن جواب دیتے ہیں کہ معترضین خود اپنی کوتاہ علمی پر شرمندہ ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔

مستشرقین نے ہماری صفوں پر مغربی یلغار کو کامیاب اور دائمی بنانے کیلئے ہمارے اذہان وافکار کو ناکارہ بنانا ضروری سمجھا تا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ہمارے قلوب سے نکل جائے اور ہم اس قوت محرکہ سے محروم ہو جائیں جو تعلیمات اسلامی کو زندہ اور باعمل رکھنے کی ضامن ہے۔ اس مقصد کے لیے انہوں نے ہمارے اندر سے ہی ناقابل فہم تحریکوں کو ہوا دی جو مسلمانوں کے درمیان سے ابھریں اور جنہوں نے غلط رسومات وروایات کی اصلاح کے نام پر ایسی باتوں کی بنیاد ڈالی جن سے حب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جذبات مجروح ہوئے اور ایسی تحریریں وجود میں آئیں جن میں سرورِ دین وملت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شخصیت کو عام انسان کی سطح پر پیش کیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال وافعال کو اپنی اپنی عقلوں پر پرکھا۔ ان نامساعد حالات میں برصغیر کے عظیم مبلغ علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ نے بحیثیت سیرت نگاران تمام خرافات کا سدِ باب کیا اور عظمت وشانِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ڈٹ کر دفاع کیا۔ انہی مخالف ہواؤں کے پیشِ نظر آپ نے ''سیرت رسول عربی'' کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ: اس پر آشوب زمانہ میں ملک ہند میں کئی فتنے برپا ہیں جو سب کے سب صراط مستقیم سے انحراف کئے ہوئے ہیں اور عشق مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور عظمت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لوگوں کے دلوں سے نکالنے اور غیروں کے غلام بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔

علامہ محمد نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفِ لطیف نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کے حوالے سے تشکیک واوہام سے اَٹے ہوئے ذہنوں کو ایمان اور عشق کی روشنی بخش دی۔ قرآن وحدیث اور معتبر حوالہ جات کو مآخذ بنا کر اہل نظر کو آئینہ دکھا دیا کہ یہ ہیں مقاماتِ رسول عربی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفعتیں! یہ ہیں عشق مصطفیٰ کی

ضو باریاں! یہ ہیں شہر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجلیات کہ جہاں جنید و بایزید بھی دم بخود آتے ہیں! اور یہ ہیں روضہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ضیا پاشیاں کہ جہاں سب کی عجز آگیں فریادیں سنی جاتی ہیں! اور یہ ہے وہ مرکز انوار جہاں سے سب کو حسب مدعا عطا ہوتا ہے! یہ ہیں زیارتِ روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکات کہ جس کو کوتاہ بین ایک سطحی حیثیت دینے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں! محبوبِ خدا ممدوحِ آدم و بنی آدم کو اپنے جیسا سمجھنے والوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اہانت کر کے یہ نہ سوچا کہ آج حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عداوت (جو خدا کی عداوت ہے) مول لے لی تو قیامت کی ہنگامہ خیزیوں میں اُس شافع محشر کے سوا کون ہمارا سہارا ہوگا۔ کہیں ہماری یہ موشگافیاں ہمیں ان کی شانِ شفاعت ہی سے محروم نہ کر دیں۔ معاملہ توسل کا ہو یا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل و کمالات کا، بات اس تخلیق وجہ کائنات کے معجزات کی ہو یا آپ کے اخلاق و اطوار کی، جناب توکلی رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے بڑے سیرت نگاروں کو پیچھے چھوڑ دیا ہے اور بحیثیت سیرت نگار سب کو راستہ دکھا دیا کہ محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دامانِ کرم تھامے بغیر سیرتِ طیبہ پر قلم فرسائی کارِ بے سود ہے۔ بحیثیت سیرت نگار وہ جن محاسن کی بناء پر اپنے ہمعصروں میں امتیاز اور نمایاں مقام کے حامل ہیں ان میں سے چند ایک مندرجہ ذیل ہیں۔

موثر اسلوب بیان

علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ابحاثِ سیرت میں بڑا مدلل اور موثر اسلوبِ بیان اپنایا ہے۔ آپ کا طرزِ اظہار اگرچہ سادہ اور عام فہم ہے مگر بڑا دلکش ہے یہاں تک کہ ''سیرت رسول عربی'' کے الفاظ و تراکیب اور ان کی دروبست میں ندرت و شائستگی، جدت ادائی، فصاحت اور روزمرہ کی انوکھی شان جلوہ گر ہے جو اپنی ادبی اپروچ میں علامہ شبلی نعمانی کے اندازِ تحریر سے کسی درجہ پر کم نہیں ہے بلکہ علامہ شبلی نعمانی کئی مقامات پر جب تحقیق میں ڈوب جاتا ہے تو ادبیت کا دامن اپنے ہاتھ سے

چھوڑ دیتا ہے اور جب ادبیت میں غواصی کرتا ہے تو تحقیق و اعتدال سے کنارہ کش ہو جاتا ہے مگر علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ کا خاصہ ہے کہ تحقیق و ادبیت کے درمیان ہمیشہ توازن برقرار رکھتے ہیں بلکہ ان کے ہاں دونوں آپس میں لازم وملزوم ہیں لہٰذا عین تحقیق کے دوران میں شانِ ادبیت، اور عین ادبیت کے دوران میں شانِ تحقیق نور افشانی کرتی ہے۔ اسی شانِ اظہار کے ساتھ ایک جگہ پر رقم طراز ہیں

مسلمان اگر اغیار کی غلامی سے آزادی چاہتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی اختیار کریں [1]

اس مختصر مگر جامع محققانہ فقرہ میں شرط و جزاء دونوں میں لفظِ "غلامی" کے استعمال سے جو آہنگ پیدا ہوا اور اس آہنگ سے جو اختلافِ معنیٰ نمودار ہوا اور اس اختلاف سے جو حسنِ بلاغت نمایاں ہوا اور اس حسن سے جو لطف پیدا ہوا اس کا ادراک کرنے کے لیے کمالِ ذوق کا حامل ہونا بڑا ضروری ہے، شرط و جزاء پر مبنی ایک جملے میں احوال و کیفیات کا معنوی سمندر سمو دینا صرف توکلی رحمۃ اللہ علیہ جیسے ادیبوں کا ہی طرۂ امتیاز ہے۔ اردو زبان میں کسی نوکِ قلم سے ایسے معنیٰ خیز جملوں کا ترشح بہت ہی کم ہوا ہے۔ ''سیرت رسول عربی'' کا یہی دلکش اسلوب ہے کہ اس کتاب کی اشاعت کا سلسلہ آج بھی بڑے تسلسل سے جاری و ساری ہے جناب توکلی رحمۃ اللہ علیہ ایک منجھے ہوئے سلیقہ شعار انشاء پرداز ہیں۔

قوتِ استدلال

علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے جن بے شمار خوبیوں سے نواز رکھا تھا ان میں سے ایک قوت استدلال ہے۔ ''سیرت رسول عربی'' کی ایک نمایاں خصوصیت جو

---

[1] ''سیرت رسول عربی''، ص: ۲۵

قاری کو متاثر کرتی ہے اس کا توانا اور جاندار استدلال ہے۔ جناب توکلی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کو شروع سے آخر تک مستند اور معتبر حوالوں سے مزین رکھا ہے۔ سب سے پہلے قرآنی استدلال پیش کرتے ہیں پھر احادیث صحیحہ سے پھر تاریخ وسیر کی معتبر کتب کو ماخذ بناتے ہیں موقعہ محل کی مناسبت سے نثر کے ساتھ ساتھ اشعار سے بھی استشہاد کرتے ہیں۔ اس طرزِ استدلال واستشہاد سے وہ اپنے نقطۂ نگاہ کو صرف مؤثر انداز میں ثابت ہی نہیں کرتے بلکہ قاری کے سامنے اس حقیقت کو بھی نمایاں کر دیتے ہیں کہ ان کا نقطۂ نگاہ ذاتی یا انفرادی نہیں بلکہ عالمگیر ہے کیونکہ پوری امتِ مسلمہ اسی موقف کی حامل وحامی ہے۔

سلیقۂ تصنیف وتالیف

علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ کو قدرت نے تصنیف وتالیف کا ایک خاص سلیقہ ودیعت فرمایا تھا جس کے سبب وہ اپنے معاصرین کے درمیان ممتاز تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی جملہ تصانیف بالخصوص ''سیرت رسول عربی'' میں بے ربطی، انتشار اور بے ترتیبی کا شائبہ تک نہیں گزرتا، وہ کسی بھی موضوع پر قلم اٹھانے سے پہلے اس پر مکمل تحقیق کرتے ہیں پھر مواد کی اچھی طرح چھان بین کرتے ہیں۔ پھر قابل ذکر جزئیات کو علیحدہ کر لیتے ہیں۔ ''سیرت رسول عربی'' کا موازنہ اردو کی دیگر کتبِ سیرت سے کیا جائے تو جناب توکلی رحمۃ اللہ علیہ کے سلیقۂ تصنیف وتالیف کا جادو سر چڑھ کر بولتا نظر آتا ہے۔ اس مقام پر یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ وہ تحریر کے اندرونی ربط کو کمال سے سنبھالے رکھتے ہیں۔ جملے سے جملہ اور لفظ سے لفظ ایسے بندھے ہوئے کہ اگر ایک لفظ کو درمیان سے نکال دیا جائے تو پوری کی پوری تحریر موتیوں کی مالا کی طرح ٹوٹ کر بکھر جائے۔ ان کی تحریر کی دوسری اہم ترین خصوصیت مقصدیت

ہے اور اس حقیقت پر ان کی ہر تصنیف شاہدِ عادل ہے۔ سیرت نگاری کے ضمن میں اس کی عمدہ مثال ان کی کتابِ مستطاب ''سیرتِ رسولِ عربی'' ہے جس کی مقصدیت کا اظہار وہ خود اسی کتاب کے دیباچہ میں کرتے ہیں۔ جس سے منکشف ہوتا ہے کہ بحیثیت سیرت نگار ان کے پیش نظر درج ذیل اہم مقاصد تھے۔

علامہ محمد نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ کی سیرت نگاری کے مقاصد

علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ ایک صاحب علم و دانش اور صاحب بصیرت شخصیت تھے۔ خدمت خلق کے جذبہ سے معمور تھے۔ قرآن وسنت کی ترویج ان کا مقصدِ حیات اور عوام الناس کی فلاح و بہبود ان کی زندگی کا مشن تھا وہ مسلمانوں کی ترقی کا راز اسوۂ حسنہ کی مکمل پیروی کو قرار دیتے تھے۔ لہٰذا جب سیرت نگاری میں ان کی مقصدیت پر غور و خوض کیا جائے تو مندرجہ ذیل نکات ہمارے سامنے ابھرتے ہیں۔

عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ترویج واشاعت

علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ ایک سچے عاشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے اور عشق ومحبت کا یہ سمندر ہر آن ان کے دل میں تموج خیز رہتا تھا جس کے موجب گلستانِ حبِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر شان آبیاری جاری رہتی تھی جس سے گلہائے عقیدت ہر لمحہ عنبر بیزی کرتے رہتے تھے۔ جس طرح سے وہ خود عشق ومحبت کے اس جذبہ صادق سے معمور تھے وہ چاہتے تھے ہر مسلمان اسی انداز میں اس دولت لازوال سے مالا مال ہو جائے اسی لئے انہوں نے اپنے جذباتِ عشق ومحبت کو ''سیرت رسول عربی'' کی صورت میں ڈھال دیا تھا تا کہ عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نورانیت قلوب کو گرما دے، اتباعِ

مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شعارِ مسلمین بنے اور فلاحِ دارین کے آثار واضح اور روشن ہو جائیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت سے واقف ہونا ہر مسلمان پر فرض ہے

علامہ محمد نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ سے واقف ہونا ہر مسلمان پر فرض ہے کیونکہ اسوہ حسنہ کی تقلید کا حکم قرآن پاک میں صریح الفاظ میں موجود ہے۔ اور مسلمان کے اقوال وافعال، اخلاق وعادات حرکات وسکنات، وضع قطع، رفتار وگفتار اور طریق معاشرت میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تقلید کرنا لازم ہے اور رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت مطہرہ حصول رضائے الٰہی کا ذریعہ

علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات کا ایک ایک عمل ایسا ہے کہ جسے اپنانا حصول رضائے الٰہی کا باعث ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر عمل رب ذوالجلال کو اتنا پسند ہے کہ جو بھی اسے اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر راضی ہو جاتا ہے۔

مسلمانوں کی ترقی کا راز اسوۂ حسنہ پر عمل

علامہ توکلی رحمۃ اللہ علیہ ایک مدبر اور عہد ساز شخصیت تھے فہم وفراست اور عقل ودانش آپ کو عطیہ خداوندی کے طور پر حاصل ہوئے تھے۔ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کی ترقی کا راز اسوہ حسنہ کی مکمل پیروی میں ہے اس کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں۔

اغیار کی غلامی سے نجات کا واحد راستہ

دورِ توکلی رحمۃ اللہ علیہ اسلامیانِ ہند کی غلامی اور زبوں حالی کا نمائندہ دور تھا جس کے خصائص میں سے ایک یہ بھی ہے اہلِ اسلام شب وروز غلامی کی زنجیروں سے نجات

کے لئے سرتوڑ کوشش کر رہے تھے لہٰذا تحریکِ آزادی اپنے زوروں پر تھی۔ توکلی رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق چونکہ دبستانِ اعلیحضرت اور حکیم الامت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہما سے تھا لہٰذا غلامی سے آزادی کے لیے انہوں نے بھی وہی آزمودہ نسخہ کیمیا تجویز کیا جو اعلیحضرت بریلوی اور علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہما کے فکر ونظر کا محور ہے۔ لہٰذا فرماتے ہیں: "مسلمان اگر اغیار کی غلامی سے آزادی چاہتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی اختیار کریں"۔ [1]

محمد نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ جس عہد کے نمائندہ سیرت نگار ہیں بنظر عمیق اگر اسے دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ حضرت توکلی کا عہد بہت سے مسائل کی آماج گاہ تھا اور قابلِ افسوس بات یہ ہے کہ آج بھی اہلِ اسلام انہی مسائل میں جکڑے ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت توکلی نے بحیثیت سیرت نگار ان مسائل کا جو حل پیش کیا ہے آج بھی پہلے کی طرح سے کارگر ہے۔

عصر حاضر کے مسائل اور ان کا حل حضرت توکلی کی نظر میں

نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ "سیرت رسول عربی" کے مقدمہ میں ان تمام مسائل اور پریشانیوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کیلئے نہایت ہی آسان حل پیش کرتے ہیں اگر ان پر عمل پیرا ہوا جائے تو دنیا اور بالخصوص عالم اسلام جن مسائل سے دوچار ہے اس سے نجات مل سکتی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قوانین پر پابندی

عصر حاضر کے مسائل کی ایک وجہ احکام الٰہی سے انحراف اور اسوہ حسنہ سے احتراز ہے۔ حضرت توکلی رحمۃ اللہ علیہ نے ان مسائل اور مصائب سے نجات کا واحد ذریعہ

[1] سیرتِ رسولِ عربی: ص: ۲۵

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قوانین پر عمل کو قرار دیا ہے۔اس وقت شش جہات فضائے انتشار عام، امن عامہ کی صورتِ حال مخدوش اور لاقانونیت کا دور دورہ ہے۔اس کا حل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وضع کردہ شریعتِ مطہرہ کے مخلصانہ اتباع میں ہی مضمر ہے۔قومی اور بین الاقوامی سطح پر امن وامان اور صلح وآشتی کے حصول کا اس سے بہتر کوئی اور ذریعہ نہیں ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طرز عمل کا اتباع

جناب حضرت توکلی رحمۃ اللہ علیہ آج کے عصر حاضر کے مسائل کا حل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طرز عمل کو اپنانے میں بیان کرتے ہیں آج کی دنیا بالخصوص مسلمان جس معاشی و اقتصادی بدحالی کا شکار ہیں اس سے نجات کا واحد راستہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق معاشی واقتصادی پالیسیوں کو ڈھالنا ہے۔جن باتوں کو اپنانے اور جن سے احتراز کا حکم دیا گیا ہے اس پر عمل کیا جائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اطوار وعادات کی پابندی

عصر حاضر میں برائیاں وبا کی صورت پھیلتی جا رہی ہیں جیسے جھوٹ، بددیانتی، قتل وغارت گری، بداخلاقی، عدم برداشت، حرص ولالچ، ان سب عادات واطوار قبیحہ کا معالجہ حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ اور اخلاقِ عالیہ سے تخلق میں مضمر ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ یہ اطوار وعادات اپنے اندر بھرپور انداز میں عملیت کے درخشاں جواہر لیے ہوئے ہیں۔اس کی عمدہ مثال خود عرب ہیں جو ظہورِ اسلام کے وقت غیر مہذب قوم تھی جو باقاعدہ طور پر کسی مذہبی، اخلاقی، سیاسی، اقتصادی، معاشی، تمدنی، قومی وبین الاقوامی نظام سے آشنا نہ تھی مگر جب درس گاہ محمدی میں اخلاقِ نبویہ سے متخلق اور آدابِ علیا میں تربیت یافتہ ہو کر عالم میں نکلے تو معارفِ ربانی کے

عارف اور اسرارِ فرقانی کے ماہر اور شب بیدار عابد بن گئے؛ کامیاب مبلغینِ الٰہی اور فاتحِ عالم بن کر ابھرے اور پوری دنیا پر اس انداز میں چھا گئے کہ اہلِ عالم ان کی بے نظیر ترقی اور بے مثیل اخلاقیات پر آج تک ورطۂ حیرت میں گم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ توکلی کے مطابق اگر آج بھی مسلمان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اطوار و عادات کو اپنا لیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاقِ حسنہ اور آدابِ عالیہ سے مزین ہو کر امورِ عالم میں اپنا کردارِ مقسوم ادا کریں تو سلف صالحین کی شانِ عظمت، داخلی اور خارجی راحت اور عالمگیر سیطرت ان کا مقدر بن جائے گی۔

یہ ہیں وہ محرکات جو علامہ محمد نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے معاصر سیرت نگاروں سے ممتاز کرتے ہیں۔ اور بحیثیت سیرت نگار وہ جو سرمایہ حیات چھوڑ گئے ہیں تا قیامت عوام الناس بالخصوص مسلمانانِ عالم کے لیے ان کے فیضان کا ذریعہ بن کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قلوب کو گرماتا اور مشکاۃِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تابانیوں سے انہیں جگمگاتا رہے گا۔ ہزاروں رحمتیں ہوں مورخِ اسلام، سیرت نگارِ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علامہ نور بخش توکلی رحمۃ اللہ علیہ پر جو ہمیشہ کے لئے ''سیرت رسول عربی'' کی صورت میں تحقیق و جستجو اور محبت و عقیدت سے سیراب و شاداب، لہکتا مہکتا ہر خزاں سے محفوظ و مامون گلستانِ رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قائم کر گئے۔



مصادر و مراجع

☆ ابن ماجہ، الحافظ، ابو عبد اللہ، امام، محمد بن یزید قذوینی، سنن ابن ماجہ، قاہرہ، دارالحدیث، ۲۰۰۵ء

☆ اختر راہی، تذکرۂ علمائے پنجاب، لاہور، مکتبہ رحمانیہ، ۱۹۹۸ء

☆ اقبال احمد فاروقی، پیرزادہ، تذکرہ علمائے اہل سنت و جماعت لاہور، مکتبہ نبویہ، ۱۹۸۷ء

☆ اقبال احمد فاروقی، پیرزادہ، صدسالہ تاریخ انجمن نعمانیہ لاہور، مجلس شوری نعمانیہ، ۲۰۱۲ء

☆ اقبال، علامہ، محمد، ڈاکٹر، کلیات اقبال لاہور، اقبال اکادمی پاکستان، ۲۰۰۶ء

☆ بوصیری، شرف الدین، امام، قصیدہ ہمزیہ، لاہور، رضا پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء

☆ امام احمد رضا خان، اعلیحضرت، بریلوی: (۱) حدائق بخشش، رضا اکیڈمی، بمبئی۔ ۱۹۹۷ء (۲) فتاوی رضویہ، رضا فاؤنڈیشن، جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور۔ ۲۰۰۲ء

☆ تراب الحق، شاہ، قادری، تخلیق پاکستان میں علمائے اہلسنت کا کردار، کراچی، جمیعت اشاعت اہل سنت، ۲۰۱۰ء

☆ توکلی، پروفیسر علامہ نور بخش:

① ـــــ ترجمہ وتشریح التحفة الإبراهيمية في إعفاء اللحية، لاہور، انجمن نعمانیہ، س ن

② ـــــ اردو کا قاعدہ، لاہور، مفید عام پریس، ۱۳۳۷ھ

③ ـــــ ام الکتاب، لاہور، نوری کتب، ۲۰۰۰ء

④ ـــــ امام بخاری شافعی، لاہور، انجمن نعمانیہ، ۱۳۴۰ء

⑤ ـــــ تحفہ شیعہ، لاہور، نوری کتب خانہ، ۲۰۰۴ء

⑥ ـــــ تذکرۂ مشائخِ نقشبندیہ، لاہور، مشتاق بک کارنر، س ن
⑦ ـــــ تصوف ورہبانیت، لاہور، حمیدیہ سٹیم پریس، ۱۳۳۱ء
⑧ ـــــ حقوق مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم، لاہور، ادارہ معارف نعمانیہ، ۱۹۹۴ء
⑨ ـــــ حلیۃ النبی، لاہور، خادم التعلیم سٹیم پریس، ۱۳۳۶ھ
⑩ ـــــ سنتِ رسول کی ضرورت واہمیت، لاہور، دار العلوم انجمن نعمانیہ، ۱۹۰۹ء
⑪ ـــــ سیرتِ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم، مکتبہ حنفیہ، گنج بخش روڈ، لاہور۔ ۲۰۱۰ء
⑫ ـــــ صحیح بخاری اور بندروں کی کہانی، لاہور، خادم التعلیم سٹیم پریس، ۱۳۳۶ھ
⑬ ـــــ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم، لاہور، رفاہ عام سٹیم پریس، ۱۳۳۳ھ
⑭ ـــــ العمدۃ شرح قصیدۃ البردۃ، ترجمہ وتشریح، لاہور: رضا پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء
⑮ ـــــ کتاب البرزخ، لاہور، نوری کتب خانہ، ۲۰۰۴ء
⑯ ـــــ گلشن اخلاق، سنٹر ماڈل سکول لاہور، ۱۹۱۲
⑰ ـــــ مولودِ برزنجی (ترجمہ وحاشیہ)، لاہور: جامعہ اسلامیہ، س ن
⑱ ـــــ رسالہ نور، لاہور: بازار حکیماں بھاٹی گیٹ، مسجد صدیق اکبر، ۱۹۹۶ء
☆ تھانوی، مولانا اشرف علی: (۱) حفظ الایمان، نامی پریس، لاہور۔ س ن (۲) نشر الطیب فی ذکر النبی الحبیب لاہور، اسلامی کتب خانہ، س ن
☆ جاوید الفقری: الشیخ الاستاذ محمد نور بخش التوکلی، حیاتہ وخدماتہ، مقالہ مخزونہ، عربی، پنجاب یونیورسٹی ۱۹۹۴ تا ۱۹۹۶
☆ جاوید قاضی، سرسید احمد خان سے اقبال تک، لاہور، فکشن ہاؤس، ۱۹۹۸ء
☆ جلال الدین ڈیروی، علامہ، تحریکِ پاکستان میں علماء کرام کا کردار، لاہور، مکتبہ نبویہ، ۲۰۱۰ء
☆ حمید اللہ ہاشمی، پروفیسر، شرح قصیدہ بردہ شریف، لاہور، مکتبہ دانیال، س ن
☆ خلیل احمد انبٹھوی: براہین قاطعہ، مطبوعہ دیوبند، س ن

☆ الدمیری، کمال الدین محمد بن موسیٰ: حیاۃ الحیوان الکبری، دار البشائر، دمشق۔ ۲۰۰۵ء
☆ سکسینہ، رام بابو، تاریخ ادب اردو، لاہور، علمی کتاب خانہ، ۱۹۸۱ء
☆ سلمان ندوی، یادِ رفتگاں، عظیمی پرنٹرز کراچی، ۱۹۸۳
☆ سلیم اختر، ڈاکٹر، اردو ادب کی مختصر تاریخ، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۶ء
☆ علامہ شبلی نعمانی، علامہ: سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، لاہور: الفیصل ناشران وتاجرانِ کتب، ۱۹۹۱ء
☆ شجاعت علی، العلامۃ، سید، القادری: مجدد الامۃ الشاہ الامام احمد رضا خان، مرکزی انجمن اشاعتِ اسلام، کراچی۔ ۱۹۸۹ء
☆ ظفر احمد صدیقی، ڈاکٹر، مولانا شبلی نعمانی بحیثیت سیرت نگار، لاہور، دار النوادر، ۲۰۰۵ء
☆ ظفر الدین قادری رضوی، ملک العلماء: حیاتِ اعلیٰحضرت، مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور۔ ۲۰۰۳ء
☆ عبد الجبار شاکر، پروفیسر، مرقع سیرت، لاہور، کتاب سرائے، ۲۰۱۱ء
☆ عبد الحکیم خان اختر شاہجہانپوری، برطانوی مظالم کی کہانی، لاہور، فرید بک سٹال، س ن
☆ عبد الحکیم شرف قادری، علامہ، مولانا: تذکرۂ اکابر اہلِ سنت، لاہور، نوری کتب خانہ، ۲۰۰۵ء
☆ عبد الحی، علامہ، نزھۃ الخواطر وبہجۃ المسامع والنواظر: دکن، انڈیا، ۱۹۷۶ء
☆ عبد الرؤوف، حکیم ابو البرکات، مولانا، قادری: اصح السیر، کراچی: مجلسِ نشریاتِ اسلام، ۱۹۷۹ء
☆ عبد السلام خورشید، صحافت پاکستان و ہند میں لاہور، مکتبہ کاروان، س ن
☆ عبد السلام خورشید، داستانِ صحافت، لاہور، مکتبہ کاروان، ۱۹۸۹ء
☆ عبد المجتبیٰ رضوی، مولانا: تذکرۂ مشائخ قادریہ رضویہ، کشمیر انٹرنیشنل پبلشرز، اردو بازار، لاہور۔ ۱۹۸۹ء

☆ کاندھلوی، محمد ادریس، مولانا: سیرۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، لاہور: مکتبہ عثمانیہ، ۱۹۹۲ء
☆ کمال الدین الدمیری، حیوۃ الحیوان، جز اول، بیروت، دار الفکر، س ن
☆ محبوب عالم، انبالوی، خواجہ، مولانا، ذکر خیر لاہور، زاویہ پبلشرز، ۲۰۱۲ء
☆ محمد اکرام، شیخ، آب کوثر لاہور، ادارۃ ثقافت اسلامیہ ۱۹۸۴ء
☆ محمد اکرام، شیخ، موج کوثر، لاہور، ادارۃ ثقافت اسلامیہ ۱۹۸۴ء
☆ محمد اکرام، شیخ، یادگار شبلی، لاہور، ادارۃ ثقافت اسلامیہ ۱۹۹۴ء
☆ محمد ابوزہرہ، الامام، تاریخ المذاہب الاسلامیۃ فی السیاسیہ والعقائد و تاریخ المذاہب الفقہیہ، قاہرہ، دار الفکر، س ن
☆ محمد اسماعیل وہابی: (۱) ایضاح الحق، قدیمی کتب خانہ، کراچی۔ س ن (۲) تقویۃ الایمان، مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ، لاہور۔ س ن (۳) صراط مستقیم، مکتبہ سلفیہ، لاہور۔ س ن (۴) یکروزی، فاروقی کتب خانہ، ملتان۔ س ن
☆ محمد اشرف، فیصل آباد میں سیرت نگاری کی روایت کا تحقیقی مطالعہ، غیر مطبوعہ مقالہ مخزونہ، جی سی یونیورسٹی فیصل آباد سیشن ۲۰۱۰ء
☆ محمد بن اسماعیل، بخاری، الامام الحافظ صحیح البخاری، دار السلام، الریاض۔ ۱۹۹۹ء
☆ محمد حسین، رسالہ اتحاد مذاہب عالم، مرتبہ، رنگون، جولائی و اگست ۱۹۰۸ء
☆ محمد دین فوق، تاریخ کشمیر: لاہور، مشتاق بک کارنر، س ن
☆ محمد رفیق، سیرت النبی و سیرت رسول کا تقابلی جائزہ، غیر مطبوعہ مقالہ مخزونہ، دی یونیورسٹی آف فیصل آباد سیشن ۲۰۱۰
☆ محمد شفیع، میاں، ۱۸۵۷ء، لاہور، اشرف پریس، ۱۹۵۷ء
☆ محمد بن عبد اللہ، القسطنطنی، حاجی خلیفہ، کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون، بیروت، دار الفکر، ۱۹۹۹ء
☆ محمد عبد القیوم، قادری: تاریخ نجد و حجاز، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، داتا دربار روڈ،

لاہور۔ ۲۰۱۳ء

☆ محمد منظور نعمانی، تعارف النبی الخاتم، مکتبہ البشری کراچی ۲۰۱۲ء

☆ محمد موسیٰ، امرتسری، حکیم، تذکرۂ علمائے امرتسر: لاہور، والضحیٰ پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء

☆ محمد یوسف مجددی، مولانا، جواہر نقشبندیہ، فیصل آباد، مکتبہ انوار مجددیہ، س ن

☆ مشتاق احمد نظامی، علامہ، حکیم الامت: خون کے آنسو، مکتبہ حامدیہ، گنج بخش روڈ، لاہور، سن ندارد

☆ مناظر احسن گیلانی، النبی الخاتم، مکتبہ البشری، کراچی ۲۰۱۲ء

☆ نانوتوی، محمد قاسم: تحذیر الناس، دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی. س ن

☆ نجم الغنی، محمد، خان، رامپوری: مذاہب اسلام، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور۔ ۲۰۰۱ء

☆ وقار عظیم اختر، شبلی بحیثیت مورخ، مطبع عالیہ لاہور م ۱۹۶۸ء

☆ Ishtiaq Hussain Qureshi, Dr: [1] The Struggle For Pakistan, University Of Karachi, 1984 [2] Ulema in Politics, Ma'arif Limited, Karachi, 2nd ed. 1974

☆ Siddiq Gumus, M. Cofessions of A British Spy, 16 Carmichael Street, Edgeley, Stockport SK3 9JX England, without date

